بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

حٰمٓ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

26

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

حٰمٓ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

26

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان

پارہ 26

باراوّل .... جولائی 2017ء

تعداد .... دوہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

www.QuranTafseer.net

الحمدوللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

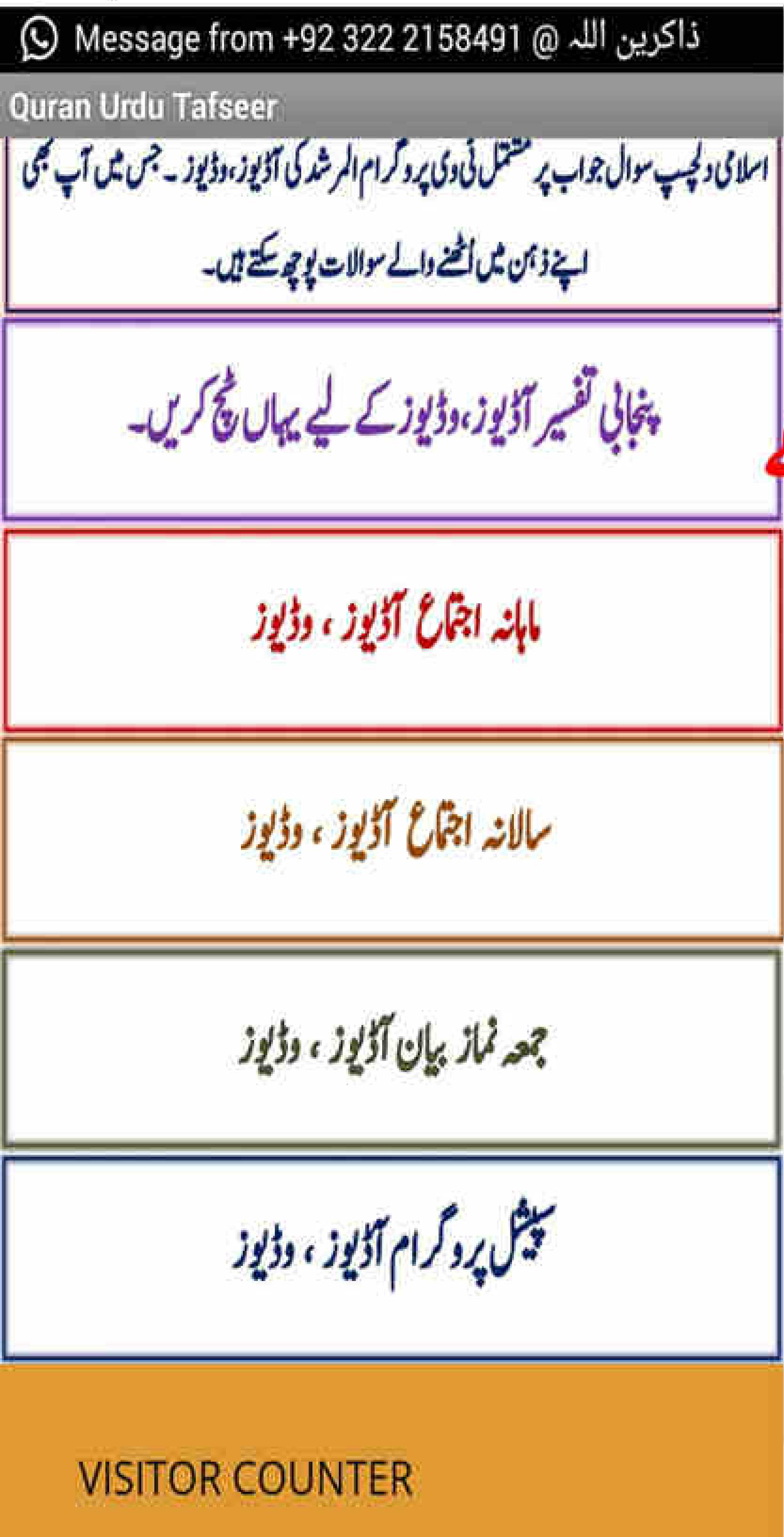

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے **Submit** کر دیں۔

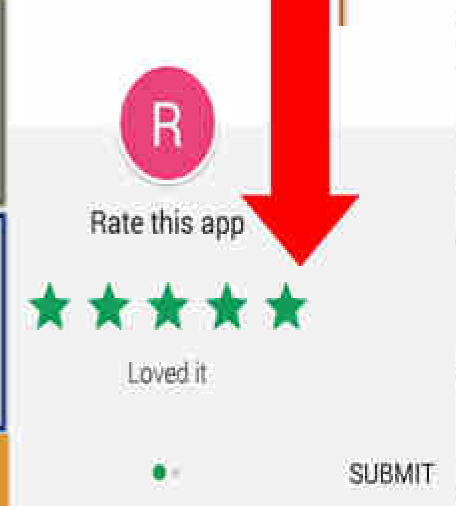

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود شنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم ومعارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب وکتاب' جنت ودوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کردیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آگئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاو کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارلعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔

امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ الاحقاف رکوع 1 آیات 1 تا10	15
2	تفسیر و معارف	17
3	دلائل کی اقسام:	18
4	پوشیدہ شرک:	19
5	نبوت کا جھوٹا مدعی ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے:	20
6	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ:	22
7	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی کو موضوع بحث بنانا ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے:	23
8	سورۃ الاحقاف رکوع 2 آیات 11 تا20	25
9	تفسیر و معارف	27
10	معیارِ حق، اللہ کا حکم ہے:	27
11	محسنین کون ہیں؟	30
12	والدین کے ساتھ بہت پیار سے پیش آؤ:	31
13	خصوصاً والدہ کے احسانات کا تذکرہ:	32
14	بلوغت کی عمر اور پختگی کی عمر:	32
15	گناہ سراسر خسارے کا سودا ہے:	36
16	کافر کی نیکی بھی ضائع نہیں جاتی:	37
17	سورۃ الاحقاف رکوع 3 آیات 21 تا26	39
18	تفسیر و معارف	40
19	مشکل ترین جگہ پر بھی ہدایت کا سامان پہنچا دیا:	40
20	غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی:	43
21	پرندے اور حیوان عذاب کا شکار ہوئے:	46
22	وہ قومیں، آج سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں:	46
23	سورۃ الاحقاف رکوع 4 آیات 27 تا35	49
24	تفسیر و معارف	51
25	جنات میں صرف روحِ حیوانی ہے:	52
26	جنات نجات پا کر عذاب سے بچ جائیں گے:	54
27	سوچنے کی بات:	56
28	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اوصافِ حمیدہ، بے مثل و بے مثال ہیں:	58
29	بلاغت، کلامِ الٰہی کا خاصہ ہے:	59

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
30	سورۃ محمد رکوع 1 آیات 1 تا 11	61
31	تفسیر و معارف	62
32	کفار اور مومنین:	63
33	سب سے اعلیٰ وظیفہ:	63
34	اللہ کی راہ سے روکنا کفر کا خاصا ہے:	64
35	کافر اسلامی ریاست پر چڑھ دوڑے تو۔۔۔:	69
36	جہاد، جنگ سے الگ ہے:	70
37	مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟	70
38	جہاد، مومن کے لیے امتحان اور۔۔۔:	72
39	اللہ تمہاری مدد کریں گے۔۔۔:	73
40	سورۃ محمد رکوع 2 آیات 12 تا 19	75
41	تفسیر و معارف	77
42	ایمان اور عمل صالح:	77
43	اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقدری کی سزا:	78
44	جو اپنی مرضی سے جینا چاہے گا اس کی یہی سزا ہوگی:	80
45	دو مختلف نظریات، دو مختلف انجام:	81
46	قیامت اچانک آئے گی:	85
47	انبیا علیہم السلام خطا سے پاک ہیں:	87
48	بخشش کا راستہ بارگاہِ رسالت سے ہو کر جاتا ہے:	88
49	سورۃ محمد رکوع 3 آیات 20 تا 28	89
50	تفسیر و معارف	90
51	مومن اور منافق کا فرق:	92
52	اطاعتِ الٰہی غیر مشروط ہے:	92
53	رحمتِ الٰہی سے محروم لوگ:	95
54	سورۃ محمد رکوع 4 آیات 29 تا 38	98
55	تفسیر و معارف	100
56	اور اللہ تم سب کے اعمال سے واقف ہیں:	100
57	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ کریمی:	101
58	دورِ حاضر:	102
59	کفار کے سامنے کم ہمتی نہ دکھاؤ:	104
60	انفاق کیا ہے؟	106
61	سورۃ الفتح رکوع 1 آیات 1 تا 10	108

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
62	تفسیر و معارف	109
63	مختصراً واقعہ حدیبیہ:	110
64	صلح حدیبیہ کی شرائط اور تحریر:	113
65	فتح مبین:	115
66	اللہ کریم نے اپنی نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام کر دیں:	116
67	ریاستِ اسلامی کا قیام اور نفاذِ اسلام، اللہ کی عظیم نعمت:	117
68	نزولِ سکینہ:	118
69	اہلِ ایمان پر اللہ کا کرم:	119
70	وطنِ عزیز اور نفاذِ اسلام:	119
71	منافقین اور مشرکین پر عذابِ الٰہی:	120
72	نفع نقصان اللہ کے دستِ قدرت میں ہے:	122
73	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی:	122
74	ایمان باللہ کی بنیاد ایمان بالرسالت صلی اللہ علیہ وسلم:	123
75	اس احسان کا شکر کیسے ادا ہو؟	124

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
76	بیعتِ رضوان:	125
77	بیعت ایک عہد ہے:	125
78	سورۃ الفتح رکوع 2 آیات 11 تا 17	127
79	تفسیر و معارف	129
80	دین پر عمل کو دنیوی نقصان کا باعث سمجھ کر پہلوتہی کرنا جائز نہیں:	129
81	بخشش کے لیے خلوصِ قلبی شرط ہے:	130
82	بدگمانی مانع فیض ہے:	132
83	عافیت اطاعت میں ہے:	133
84	ایمان کیا ہے؟	134
85	اللہ کریم بخشنے والے مہربان ہیں:	134
86	وحیٔ غیر متلو:	136
87	یہ آیت دلیل ہے کہ صحیح حدیث بھی وحیٔ الٰہی ہے:	136
88	اسلامی فتوحات کی پیشین گوئی:	137
89	سورۃ الفتح آیات 18 تا 26	140
90	تفسیر و معارف	142
91	بیعتِ رضوان کرنے والوں پر انعاماتِ الٰہیہ:	142

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
92	شکست کے اسباب:	147
93	نیک لوگوں کی رفاقت:	148
94	جماعتِ صحابہؓ کا مقام:	150
95	سورۃ الفتح رکوع 4 آیات 27 تا 29	153
96	تفسیر و معارف	154
97	نبیؑ کا خواب وحیٔ الٰہی ہے:	155
98	ولی کا کشف:	156
99	دنیا عالمِ اسباب ہے:	156
100	عظمتِ الٰہی کی جامع دلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	157
101	دین اور مذہب کا فرق:	158
102	دینِ حق ہمیشہ غالب رہے گا:	158
103	کمالاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم:	160
104	معیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کرشمے:	161
105	اوصافِ صحابہؓ تورات وانجیل ہیں:	164
106	صحابہ کرامؓ ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی لہلہاتی کھیتی ہیں:	165
107	سورۃ الحجرات رکوع 1 آیات 1 تا 10	167
108	تفسیر و معارف	169
109	بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے آداب:	169
110	توسیعِ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دوران ایک ذاتی تجربہ:	176
111	عظمتِ صحابہؓ:	177
112	بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں ملاقات کے آداب:	178
113	لمحہ فکریہ:	179
114	قانونِ شہادت:	180
115	دین کی عظمت:	181
116	تقاضائے ایمان اور شانِ صحابہؓ:	183
117	مومنین میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے:	184
118	صلح عدل پر ہوگی:	185
119	مسلمان بھائی بھائی ہیں:	186
120	مشاجراتِ صحابہؓ:	188
121	سورۃ الحجرات رکوع 2 آیات 11 تا 18	190

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
122	تفسیر و معارف	192
123	ایک خوبصورت معاشرے کی بنیاد:	192
124	مومن کی ڈھال تقویٰ:	196
125	عزت کا معیار تقویٰ ہے:	196
126	اسلام لانے اور ایمان لانے میں کیا فرق ہے:	198
127	مومن کی صفات:	199
128	ایمان کا نصیب ہونا اللہ کا احسان ہے:	201
129	سورۃ قٓ رکوع 1 آیات 1 تا 15	203
130	تفسیر و معارف	204
131	بشریت کا انکار نبوت کے انکار کے برابر ہے:	205
132	شبہات کا سبب ان کا کفر ہے:	207
133	ہر رجوع کرنے والے کے لیے ہدایت کا سبب:	207
134	جرائم اور گناہ کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں:	211
135	سورۃ قٓ رکوع 2 آیات 16 تا 29	213
136	تفسیر و معارف	214

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
137	عجب الذنب:	218
138	سائق اور شھید :	218
139	قرین شیطان:	221
140	سورۃ قٓ رکوع 3 آیات 30 تا 45	224
141	تفسیر و معارف	225
142	قلب منیب:	228
143	قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے فہیم دل چاہیے:	230
144	گمراہوں سے کسی خیر کی کیا توقع!	233
145	اوقاتِ صلوٰۃ اور ذکر کی صورتیں:	233
146	ذکرِ الٰہی کی صورتیں:	234
147	سورۃ الذّٰریٰت رکوع 1 آیات 1 تا 23	238
148	تفسیر و معارف	239
149	متقین کا انجامِ خیر:	242
150	احسان اور محسنین:	243
151	سورۃ الذّٰریٰت رکوع 2 آیات 24 تا 30	246
152	تفسیر و معارف	247
153	سارے علوم اللہ کے ہیں:	247

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 26 حٰمٓ

سورۃ الاحقاف رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ
اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا
خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ
قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ
غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ
كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا
تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ
شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا
مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٩ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ
بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠

حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے ﴿۲﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے حکمت کے ساتھ اور ایک معیادِ معین کے لیے پیدا فرمایا ہے اور کافروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۳﴾ فرمایئے دیکھو تو! جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا یا ان کی آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ اس سے پہلے کی کوئی کتاب ہو تو میرے پاس لاؤ یا اگر تم سچے ہو تو کوئی پہلے سے نقل شدہ مضمون لاؤ ﴿۴﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت تک اُسے جواب نہ دے سکے اور اُسے ان کے پکارنے کی خبر ہی نہ ہو ﴿۵﴾ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (بت) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے ﴿۶﴾ اور جب ہماری واضح آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آ چکا، کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۷﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو (پیغمبر نے اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے آپ فرما دیجیے کہ اگر میں نے اس کو (اپنی طرف سے) بنایا ہو تو پھر تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، وہ خوب جانتا ہے تم اس (قرآن کے) بارے میں جو باتیں بناتے ہو وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہیں، اور وہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۸﴾ فرما دیجیے کہ میں کوئی نیا پیغمبر تو نہیں ہوں اور مَیں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا (سلوک) ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میرا منصب تو صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانا ہے ﴿۹﴾ فرما دیجیے دیکھ لو! اگر یہ

(قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی (کتاب) پر گواہی دے پھر ایمان لے آئے، اور تم تکبر ہی میں رہو بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

چھبیسواں پارہ سورۂ احقاف سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ حٰمٓ سے شروع ہونے والی سات سورتیں ہیں جو چوبیسویں پارے سے چھبیسویں پارے تک آتی ہیں۔ انہیں حوامیم کہا جاتا ہے۔

حٰمٓ ① یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② یہ کتاب، اللہ غالب، حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ جامع، کامل اور اکمل ترین کتاب، اس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو ہر چیز پر غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے لیکن نظامِ کائنات اس کی حکمت کا آئینہ ہے۔ اس نے کائناتِ بسیط میں بے شمار مخلوق پیدا کی ان کی ذمہ داریاں لگائیں۔ ہر مخلوق بچپن، لڑکپن، جوانی اور پھر اپنی عمر کے خاتمے تک پہنچتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اردگرد نگاہ کرے۔ کون سی ایسی مخلوق ہے جو قدرت کا تفویض کردہ کام نہیں کر رہی؟ کیا کوئی ایسی مخلوق ہے جو ہمیشہ رہتی ہے، کیا کوئی ایسی مخلوق ہے جو نظامِ کائنات کو مختل کر سکتی ہے؟ کوئی بھی نہیں۔

انسان کو اس عارضی زندگی میں، تھوڑی سی مہلت ملی ہے اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ زندگی میں راستہ چن لے۔ بھلائی کا یا برائی کا۔ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے حکمت کے ساتھ اور ایک معیادِ معین کے لیے پیدا فرمایا ہے اور کافروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں۔

ان کے اردگرد بے شمار چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، فنا ہو رہی ہیں۔ انسان کے ہم جنس دنیا میں آ رہے ہیں، جا بھی رہے ہیں تو وہ خود کو کیوں لافانی سمجھتا ہے۔ اپنے لیے کیوں سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ وہ اللہ کی ساری مخلوق کو اپنا اپنا فرض ادا کرتے دیکھ رہا ہے۔ نباتات و جمادات اپنے مقرر کردہ فرائض مستقل طور پر ادا کر رہے ہیں تو کائنات کی ساری مخلوق کو دیکھ کر انسان اطاعت کا راستہ کیوں نہیں چنتا؟

زمین وآسمان اوران کے درمیان جتنی مخلوق ہے سب کی تخلیق کا ایک مقصد ہے کوئی چیز زائد، فالتو یا بیکار نہیں ہے۔ سورج، چاند ستاروں، سیاروں کو جو کام سونپ دیے گئے ہیں وہ سب ان کاموں کو ذمہ داری سے پورا کررہے ہیں۔ شجروحجر، حیوان سب اپنی اپنی ذمہ داری ادا کررہے ہیں اور ایک تسلسل بنا ہوا ہے۔ کونپل پھوٹتی ہے، پودا بنتا ہے۔ درخت بن جاتا ہے، پھل لاتا ہے پھر خشک ہو جاتا ہے یا کٹ جاتا ہے بالآخر مٹی میں مل جاتا ہے۔ ہر چیز قدرت کے نظام میں اپنے حصے کا کام باقاعدگی سے کررہی ہے۔ اس سارے نظام میں سب سے اعلیٰ مخلوق انسان ہے۔ اسے اپنے اردگرد دیکھنا چاہیے کہ شجروحجر، حیوانات، چرند پرند ہر شئے اللہ کی اطاعت کررہی ہے، کوئی نافرمانی نہیں کرتا تو میں انسان ہو کر نافرمانی کروں؟ لیکن کفر ایسی مصیبت ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اپنائی اللہ کریم کی طرف سے اُنہیں تنبیہ بھی آئی، سمجھایا بھی گیا۔ انبیاعلیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے، کتابیں نازل ہوئیں۔ انہیں اللہ کی آیات سنائی گئیں۔ حقائق بتائے گئے۔ آخرت کی جوابدہی کا یقینی ہونا بتایا گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ تم کچھ نہیں تھے، تمہیں اللہ نے پیدا کیا۔ اس کی نعمتیں گنوائی گئیں اس سب کے باوجود یہ منہ پھیر کے چل دیتے۔ نافرمانی کرتے، اپنی امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کرتے۔

فرمایا، انہیں سمجھایئے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ فرمایئے دیکھو تو! جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا یا ان کی آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ اس سے پہلے کی کوئی کتاب ہو تو میرے پاس لاؤ یا اگر تم سچے ہو تو کوئی پہلے سے نقل شدہ مضمون لاؤ۔

انہیں فرما دیجیے کہ اللہ کے علاوہ جن سے تم اُمیدیں رکھتے ہو، اللہ کے حکم کے خلاف جن کی اطاعت کرتے ہو، دکھاؤ! انہوں نے کائنات میں کیا پیدا کیا ہے؟ اس وسیع کائنات کا کوئی ذرّہ بھی انہوں نے پیدا کیا ہے؟ یا آسمان کے بنانے میں ان کی کوئی شراکت ہے یا اس نظام کے بنانے میں، اسے قائم رکھنے میں، مخلوق کو بسانے میں، کائنات کو سنوارنے، بسانے اور قائم رکھنے میں ان کی کوئی حصہ داری ہے؟ اللہ کو چھوڑ کر جن سے تم امیدیں وابستہ کرتے ہو بتاؤ ان سب میں ان کا کتنا ہاتھ ہے؟ اور اس پر دلیل دو۔

دلائل کی اقسام:

دلائل، تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ دلیل اللہ نے بتائی ہو اور اللہ کی کتاب میں ہو جو اللہ کے نبیﷺ کی

معرفت پہنچی۔ دوم دلیل عقلی کہ جسے عقلاً ثابت کیا جا سکے۔ عقل قبول کر لے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ سوم اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہو۔ فرمایا، تینوں میں سے کوئی دلیل لے آؤ۔ کسی کتاب سے ثابت کرو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اس کائنات کا مالک ہے۔ کسی نبیؑ کے قول سے ثابت کرو یا عقلاً ثبوت دو کہ اس کائنات پر اللہ کے سوا کوئی اور حکم چلانے والا ہے! اگر تم سچے ہو تو ان دلائل میں سے کوئی دلیل لاؤ۔ جب کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اس سے بڑی گمراہی کیا ہوگی کہ کوئی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی اطاعت کرے۔

پوشیدہ شرک:

سمجھا تو یہی جاتا ہے کہ جو بُت پوجتے ہیں وہ شرک کرتے ہیں۔ جو بتوں میں صفاتِ الٰہی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اولاد دینے والا ہے، یہ رزق دینے والا، یہ صحت دینے والا، یہ بارش برسانے والا ہے۔ اسے شرکِ جلی کہتے ہیں۔ صاف صاف، واضح، سامنے نظر آنے والا شرک۔ شرک کی ایک خطرناک قسم شرکِ خفی ہے، پوشیدہ شرک جو سامنے نظر نہیں آتا وہ یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے۔ جب اللہ کے حکم کے خلاف کسی اور کی اطاعت کی جائے تو گویا اسی کی عبادت کی جارہی ہے۔ یہ شرک کی زیادہ خطرناک صورت ہے۔ اس لیے کہ یہ خفی ہوتا ہے، پوشیدہ ہوتا ہے۔ اللہ نے جن کاموں سے منع کیا ہے، نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے بندہ وہ کام کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت چھوڑی اور نفس کی اطاعت کی۔

فرمانِ باری ہے: اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان:43) بھلا آپ نے اس شخص کا حال دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی خواہشات کی عبادت کی، انہیں معبود بنالیا۔ ظاہر ہے، خواہشات کا بُت بنا کر، سامنے رکھ کر سجدہ کوئی نہیں کرتا۔ جب اللہ کے مقابلے میں خواہشاتِ نفس پر عمل کیا جاتا ہے، اسے عبادت قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی اور سے امیدیں وابستہ کرلی جائیں۔ اللہ کو چھوڑ کر، کسی کی غلامی کی جائے۔ اللہ کی نافرمانی کر کے کسی اور کی فرمانبرداری کی جائے، یہ اس کی عبادت، اس کی پوجا ہوگی۔ اس سے بڑی گمراہی کیا ہوگی کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے بھروسے پر جینا شروع کردے۔ انہیں اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھے اور ان کی اطاعت کرے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور اسے ان کے پکارنے کی خبر ہی نہ ہو۔

اللہ کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں جس پر بھروسہ کر کے زندگی بسر کی جائے۔ نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ باقی سب مفروضے ہیں۔ جن کے بارے میں تم کہتے ہو کہ یہ تمہارے معبود ہیں۔ وہ تو تمہاری بات بھی سن نہیں سکتے۔ ان میں سننے کی اہلیت ہی نہیں تو سمجھیں گے کیا؟ اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی اطاعت کرو گے وہ تو خود محتاج ہے، تمہیں کیا دے گا؟ جو اپنی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا وہ کسی کو کیا دے گا؟ تمہارے دیوی دیوتاؤں کو تو پتا بھی نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو۔ تمہارے سارے کام ان کے علم میں بھی نہیں تو پھر وہ تمہاری کیا مدد کریں گے۔ یہ تو قیامت تک تمہاری دادرسی نہیں کر سکتے۔

ہمارے اردگرد، ہماری روزمرہ کی زندگی میں بے شمار واقعات ہمیں درس دیتے ہیں۔ قدم قدم پر اللہ کی عظمت کے دلائل ملتے ہیں لیکن اس شخص کے لیے جو خواہشاتِ نفس اور ہوسِ دنیا میں مبتلا ہو کر اندھا بہرا نہ ہو چکا ہو!

کسی گداگر کو بھی پوچھ لیں، وہ اپنے جیسے گداگر سے مانگنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے خانہ بدوش جھگی والوں سے بات چیت کا موقع ملتا رہتا ہے۔ میں ان کے احوال جانتا رہتا ہوں۔ ایک دن ایک جھگی والے کو دیکھا کہ وہ گداگری پر نہیں نکلا تھا۔ جھگی میں لیٹا ہوا تھا۔ پوچھا، کہنے لگا بخار کے باعث نہ جا سکا اس لیے رات سے پورا خاندان فاقے سے ہے۔ پوچھا کہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے مانگ لیتے، رات بھر فاقہ کیوں کیا؟ اس نے جو جواب دیا، بظاہر تو گداگر کی بات تھی لیکن بہت قیمتی بات تھی! کہنے لگا ''گداگر سے کیا مانگنا؟''

یہی بات ارشاد فرمائی گئی کہ یہ ایسوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کی بات سن سکتے ہیں نہ کوئی دادرسی کر سکتے ہیں۔ اور اصل مصیبت تو تب دیکھیں گے جب قیامت قائم ہوگی۔ فرمایا: وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (بت) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔ جب قیامت قائم ہوگی۔ ان سے باز پرس ہوگی تو اللہ کے علاوہ یہ جن کی پوجا کرتے تھے وہ ان کے دشمن ثابت ہوں گے۔ وہ کہیں گے، اللہ! ہم نے انہیں نہیں کہا تھا کہ یہ ہماری عبادت کریں۔ ہمیں اس بات کا علم ہی نہیں کہ یہ ہماری عبادت کرتے رہے۔ یہ انہوں نے خود ہی گھڑ لی تھیں۔

نبوت کا جھوٹا مدعی ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ اور جب ہماری واضح آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو یہ کافر لوگ حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آ چکا کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

اللہ کریم کی واضح آیات جو زندگی، موت، مابعد الموت کے تمام حقائق بیان کر دیتی ہیں۔ ان حقائق کو یہ منکرین جھٹلا نہیں سکتے۔ ان کے پاس ان دلائل کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہوتا تو پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات، یہ پیغام تو جادو ہے کہ انسانوں کے ذہن بدل دیتا ہے۔ لوگوں کو بدل کے رکھ دیتا ہے۔ باپ بیٹے کو جدا کر دیتا ہے۔ حقائق کا انکار نہیں کر سکتے اس لیے ایسی باتیں کہتے ہیں کہ ان لوگوں (مسلمانوں) نے جادو کے ذریعے ایسی آیات ڈھونڈی ہیں یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے کہتے ہیں: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِکُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡهِ ؕ کَفٰی بِهٖ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۸﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو (پیغمبر نے اپنی طرف سے) گھڑلیا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر میں نے اس کو (اپنی طرف سے) بنایا ہو تو پھر تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، وہ خوب جانتا ہے تم اس (قرآن کے) بارے میں جو باتیں بناتے ہو۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہیں اور وہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

یہ اللہ کا قانون ہے کہ جھوٹا مدعی نبوت ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ کی مدد حاصل ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیات، خود اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں۔ یہ قصہ کہانی سب آپ کی اپنی جوڑی ہوئی باتیں ہیں۔ انہیں فرمائیے! اگر خدانخواستہ، یہ کلمۂ توحید، دعوتِ الی اللہ، یہ قرآنِ حکیم سب کچھ میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے اور میں کہہ رہا ہوں کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو پھر اللہ میرے ساتھ حساب کرلے گا! تم مجھے اللہ سے بچانے والے نہیں ہو۔ اگر ایسی بات ہو تو تم میرے کسی کام نہیں آؤ گے، سوچو! پھر میں تمہیں کیوں دعوت دے رہا ہوں؟ اگر تم سب ایمان لے آؤ اور میری یہ باتیں من گھڑت ہوں اور میں انہیں اللہ کے ذمہ لگا رہا ہوں تو جواب مجھے دینا پڑے گا، تم میری وکالت نہیں کر سکو گے۔ یاد رکھو! اللہ ہم میں سے ہر ایک کو دیکھ رہا ہے۔ جو باتیں تم کہتے ہو، مذاق اڑاتے ہو، انکار کرتے ہو، مجھ پر بہتان لگاتے ہو، تمہاری یہ باتیں اور تمہاری سوچ، تمہارا عمل اور کردار سب اللہ جل شانہٗ کے سامنے ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے اور میرے تمہارے درمیان اللہ، گواہ کافی ہے۔ کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں۔

بڑی خوبصورت بات ہے کہ جہاں اللہ کی گواہی آجائے کسی اور کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ نبوت کا گواہ خود اللہ ہے۔ وحی کا گواہ خود اللہ ہے۔ وحی کی تفسیر وتشریح کا گواہ خود اللہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات، ساری سنتِ مطہرہ، قرآن کی تفسیر ہیں۔ کس نے سنا جب وحی نازل ہوئی، کس نے بتایا یہ قرآن ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے! کون گواہ ہے کہ یہی آیت وحی ہوئی؟ صرف اللہ! مخلوق میں اس کا کوئی گواہ نہیں۔ کوئی ان عظمتوں، بلندیوں پر نہ پہنچا نہ پہنچ سکتا ہے تو گواہی کیسے دے؟ گواہی وہی دے سکتا ہے جو وہاں موجود ہو، جس نے سنا ہو، دیکھا ہو تو کون پہنچے گا جہاں وحی کا خطاب ہوتا ہے؟ اس لیے فرمایا، میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی ہی کافی ہے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ہستی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ساری عمر کسی بشر سے غلط نہیں فرمایا۔ کسی کام یا عمل میں جھوٹ کا شائبہ بھی شامل نہ ہوا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی مبارکہ اتنی پاکیزہ، بے داغ اور خوبصورت ہے کہ کافر و مشرک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچا ترین اور بہترین امانتدار سمجھتے تھے۔ ایسی ہستی سے انہیں کیونکر امید ہے کہ وہ یکدم اللہ پر جھوٹ بولنے لگ گئی! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پر تو قرآن نے گواہی دی جو اللہ کا کلام ہے لہٰذا فرمایا، میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے!

ہاں! وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ اگر سارے گناہوں کے بعد بھی سچے دل سے توبہ کرلو تو اس کی رحمت پھر بھی موجود ہے وہ تمہیں بخش دے گا۔ ہزاروں گناہوں، لاکھوں گمراہیوں کے بعد بھی تمہارے پاس موقع ہے، توبہ کرلو، باز آجاؤ۔ اس کی رحمت، اس کی بخشش کو تمہارے گناہ عاجز نہیں کرسکتے۔ کوئی ایسا گناہ نہیں جو اللہ کی بخشش کو عاجز کردے۔ اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہیں، توبہ کرلو تو وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ بندوں کو ان کے اعمال کے جو نتائج آخرت میں دیکھنے ہوں گے ان کی خبر دنیا میں ہی دے دیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے غیب دانی کا دعویٰ کیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم نے وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتا دیا کہ ایمان اور عملِ صالح کرنے والوں کا انجام خیر ہوگا اور اللہ کے دین کا انکار کرنے والوں کا، ان کے اعمالِ بد کا نتیجہ بد ہوگا۔ انجام بہت بُرا ہوگا۔ منصبِ عالی یہ ہے کہ انہیں آنے والے سخت دن، سخت مشکل وقت کے حساب کتاب سے بروقت مطلع کریں۔

فرمایا: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فرما دیجیے کہ میں کوئی نیا پیغمبر تو نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا (سلوک) ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میرا منصب تو صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانا ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) انہیں فرما دیجیے کہ میری رسالت کوئی انوکھا یا نیا واقعہ نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے بھی پیغمبر آئے، اُنؑ پر کتابیں نازل ہوئیں۔ مجھ پر بھی اللہ کی آخری کتاب قرآنِ حکیم نازل ہوا ہے۔ اس پر کیوں حیران ہو؟ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

دوسری بات یہ کہ میں غیب دان ہونے کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ مستقبل میں یہ ہوگا، وہ ہوگا!

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے، باطل مٹ جاتا ہے۔ اس میں کسی فرد کی تخصیص نہیں۔ جو حق کو قبول کر لے وہ کامیابی پا گیا جو باطل پر رہا وہ نقصان پا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی کو موضوع بحث بنانا ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے:

آج کا عہد فتنوں کا عہد ہے۔ آج سرِ عام، میڈیا پر، انٹرنیٹ پر مناظرے کیے جاتے ہیں۔ دونوں طرف علما کی شکل میں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ سارا غیب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جانتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں جانتے۔ یہ بہت بڑی گستاخی ہے۔

ذاتِ اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو موضوع بحث بنانا ہی گستاخی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ والاصفات کو موضوع بحث نہ بنایا جائے ورنہ ایمان کے جانے کا خطرہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم تو امام الانبیاؑ ہیں۔ یاد رہے! دنیا میں سب سے زیادہ علوم انبیاؑ کو دیے گئے۔ اخروی ہی نہیں دنیوی علوم میں بھی سرِ فہرست انبیاؑ کی زوات ہیں۔ جن چیزوں پر سائنس آج ریسرچ کر رہی ہے ان کے علوم تو آدم علیہ السلام کو آسمان پر دے دیے گئے تھے۔ ارشادِ باری ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:31) اور آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے۔ ان کے نام، صفات، ان کے کام تو آدم علیہ السلام کو آسمانوں پر عطا کر دیے گئے تھے۔ تمام طرح کے علوم اور کمالات انبیاؑ کا ورثہ ہیں۔ اور کائنات میں سب سے زیادہ علوم و کمالات جس ہستی کو عطا ہوئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ بات ختم!

اب ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمالات کو تولنا، اس کی حدیں مقرر کرنا، اس پر بحث کرنا اس کی گنجائش نہیں۔ یہاں کفار کے اعتراض پر بات ہو رہی ہے۔ کفار نے کہا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کہتے ہیں، مرنے کے بعد یہ ہوگا۔ ہم تو مر کر ختم ہو جائیں گے، آپ کو کیا پتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، میں کسی غیب دانی کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ میں اپنے بارے میں بھی یہ نہیں کہتا کہ کل کیا ہوگا۔ مجھے تو یہ باتیں اللہ کریم بتاتے ہیں اور تمہیں بتانے کے لیے بتاتے ہیں۔ میں تو صرف وہ بات کرتا ہوں جو مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ میں اپنی ذاتی رائے، خیال، یا علم سے کچھ نہیں کہتا۔ تمہیں جو کچھ بتاتا ہوں، عقیدے کی بات، اعمال اور ان کے نتائج، دنیا کی زندگی، موت، آخرت کی یہ سب باتیں اللہ جل شانہٗ مجھ پر وحی فرماتے ہیں۔ اور میرا منصب جلیلہ یہ ہے کہ کوتاہیوں، غلطیوں، گناہوں، کفر و شرک کا جو انجامِ بد ہے، جن کا تمہیں مرنے کے بعد پتا چلے گا، وہ میں تمہیں آج بتا دوں کہ ان کاموں کا نتیجہ یہ ہوگا۔ انذار کا مفہوم ہے برائی کے نتیجے سے آگاہ کر دینا۔ کردار کے انجام کا پتا دے دینا۔

بجائے اس کے کہ تمہاری آنکھ بند ہو جائے تو تمہیں پتا چلے اور اللہ پاک پوچھیں کہ ایسا کیوں کیا؟ اور تم کہو کہ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ کسی نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ اس لیے میں، تمہیں دنیا میں بتا رہا ہوں کہ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں۔ سمجھا دوں کہ ایمان کیا ہے، اس کا نتیجہ کیا ہے۔ کفر و شرک کیا ہے، ان کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے بعد تم جو فیصلہ کرو گے وہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہوگا اور اس کا انجام تمہاری ذمہ داری ہوگی۔

تم صرف منفی پہلو ہی سوچ رہے ہو۔ مثبت بھی سوچو۔ تم یہی سوچتے رہتے ہو کہ میں نے خود سے آیتیں بنالی ہیں۔ تم یہ بھی سوچو! کہ اگر واقعی یہ کلامِ الٰہی ہے اور یہ آیتیں واقعی اللہ کی طرف سے ہیں اور تم انکار کر رہے ہو تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فرما دیجیے دیکھ لو! اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی (کتاب) پر گواہی دے پھر ایمان لے آئے، اور تم تکبر ہی میں رہو۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے۔

فرمایا، سوچو! اگر یہ واقعی سچ ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہے اور حقیقتاً یہی سچ ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو تو پھر کیا ہوگا؟ تمہارے سامنے بنی اسرائیل کے علما اور محققین جو پہلی کتابوں سے واقف تھے۔ ان کے پاس دلائل تھے۔ ان کی کتابوں میں دلائل تھے انہوں نے وہ دلائل دیکھے، پرکھے اور تمہارے سامنے ایمان لا چکے ہیں لیکن تم تکبر میں گرفتار ہو۔

یاد رکھو! اللہ برائی کرنے والوں کو، ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت کے لیے انابت شرط ہے، رجوع الی اللہ شرط ہے، توبہ شرط ہے۔ اکڑنے اور تکبر کرنے سے، برائی میں مبتلا رہنے سے ہدایت نہیں ملتی۔ برائی کا نتیجہ گمراہی ہے۔ برائی، ہدایت کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ مزید گمراہی میں چلے جاؤ گے۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ سارا نظام قوانینِ الٰہی پر چل رہا ہے۔ ہر کام اور چیز کا ایک اثر ہے، ایک نتیجہ ہے۔ برائی کا اثر، نتیجہ گمراہی ہے۔

آج جو لوگ سود کھا رہے ہیں، بدکاری کر رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں، عورتوں سے پیشہ کروا رہے ہیں، قتل و غارت گری کر رہے ہیں تو کیا ان کاموں کے نتیجے میں ہدایت ملے گی؟ یہ باتیں برائی گمراہی کو مزید گہرا کرتی ہے، آج بھی جو ان سب سے توبہ کر لے۔ اصلاح کر لے رجوع الی اللہ کر لے، اللہ کی اطاعت کر لے تو ہدایت پا لے گا۔

فرمایا، تمہارے سامنے تمہارے اہلِ علم ایمان لا چکے ہیں اور تم محض اکڑ کر تکبر سے انکار کر رہے ہو تو پھر یاد رکھو! بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتے۔

سورۃ الاحقاف رکوع 2 آیات 11 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ
لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى
اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ
وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ
اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ
عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ
الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ
اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ
وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ
فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ چلے جاتے اور جب ان لوگوں کو اس (قرآن) سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے یہ پرانا جھوٹ ہے ﴿۱۱﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب بھی جو راہنما اور رحمت تھی اور یہ ایک کتاب جو عربی زبان میں ہے اس کی تصدیق کرتی ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور (خلوص سے) نیکی کرنے والوں کو خوش خبری سنائے ﴿۱۲﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۳﴾ یہ لوگ جنت کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۱۴﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے اس کو جنا اور اس کا پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں (پورا) ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ خوب جوان ہو جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ آپ نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمائے ہیں، ان کا شکر ادا کروں اور یہ کہ نیک کام کروں جن کو آپ پسند فرمائیں اور میری اولاد میں بھی میرے لیے صلاحیت پیدا فرما دیجیے مَیں آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور یقینا میں فرمانبردار ہوں ﴿۱۵﴾ یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول فرمائیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے یہ اہلِ جنت میں ہوں گے یہ سچا وعدہ

ہے جو ان سے کیا جاتا تھا﴿۱۶﴾ اور جو شخص اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ میں تم سے بیزار ہوں، کیا تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں (زمین سے) نکالا جاؤں گا اور یقیناً بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں، (کہتے ہیں) تیرا ناس ہو! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ کہتا ہے یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں﴿۱۷﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنوں اور انسانوں کی امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا بے شک یہ خسارہ میں رہے﴿۱۸﴾ اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے غرض یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی﴿۱۹﴾ اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں حاصل کر چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے۔ سو آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

معیارِ حق، اللہ کا حکم ہے:

انسان جب بھٹکتا ہے تو معیار اپنی رائے، اپنی پسند اپنے فیصلے کو بنالیتا ہے حالانکہ معیارِ حق، اللہ کا حکم ہے۔

کفار کو یہ زعم تھا کہ دنیا کی امارت ان کی ہے تو وہ اخروی طور پر بھی امیر ہوں گے۔ فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ چلے جاتے اور جب ان لوگوں کو اس (قرآن) سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے یہ پرانا جھوٹ ہے۔

کفار کا خیال ہے، انہوں نے دولتِ دنیا پالی، دنیا کی سہولتیں، عہدے، رتبے پا لیے اور اکثر مسلمان تنگدست ہیں تو شاید بحیثیت قوم بھی یہ گئے گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر عقیدۂ اسلام، دینِ اسلام، انعاماتِ الٰہی ہیں۔

ان میں واقعی کوئی حقیقت ہوتی تو ہم ان لوگوں سے پہلے اسے پا چکے ہوتے کیونکہ ہم قابل ہیں، ذہین لوگ ہیں۔

جب انسان بھٹکتا ہے تو پھر وہ محض اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے۔ اپنی مرضی اور اپنی رائے پر فیصلہ کرتا ہے جبکہ حق وہ ہے جس کا پتا، جس کی خبر اللہ کے نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلّم دیتے ہیں۔ کفار امارت کو معیارِ حق سمجھتے تھے۔ حالانکہ غربت میں اگر دین پر عمل نصیب ہے تو غربت بھی کامیابی ہے اور اگر امارت میں دین چھوٹتا ہے تو امارت خسارہ ہے۔

یوں تو ہر بندہ غربی سے ڈرتا ہے۔ ہر کوئی امیر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ غربی میں واقعی مشکلات ہیں لیکن اس پہلو سے دیکھا جائے تو غربی بھی نعمت ہے کہ کتنے ایسے گناہ ہیں جو بندہ غریب ہونے کی وجہ سے نہیں کرسکتا۔ کتنی ایسی نافرمانیاں ہیں جن میں غربت آڑے آتی ہے اور کتنے ایسے گناہ ہیں جو امیر آسانی سے کرلیتا ہے۔ دیکھا جائے تو سارے امیر ایک جیسے نہیں ہوتے نہ ہی سارے غریب ایک طرح کے لیکن غریبوں کی اکثریت دین داروں کی ہوتی ہے اور امیروں کی اکثریت بے دینوں کی ہوتی ہے۔

فرمایا، یہ جو اُمرا ہیں، کفر میں مبتلا ہیں، بدکار ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر اس دینِ اسلام میں کوئی بہتری کی، بھلائی کی، فائدے کی بات ہوتی تو جس طرح ہم نے بڑھ کر دنیا کے عہدے، دولت حاصل کرلی ہے اسی طرح ان مسلمانوں سے پہلے ہم اسے حاصل کرلیتے۔ اور جب قرآن کی آیات ان کے دل میں نہیں اترتیں، قرآن کے ارشادات ان کے پلّے نہیں پڑتے۔ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی تو کہتے ہیں یہ پرانے قصے کہانیاں ہیں۔ ایسے من گھڑت قصے پہلے لوگ بھی کہتے تھے لیکن آج تک کچھ ہوا نہیں!

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک بے عمل آدمی، جس کے کردار میں کئی عیب ہوں، وہ کوئی اچھا شعر کہہ دے تو لوگ سن کر جھومتے ہیں، اس کے کردار کو نہیں دیکھتے۔ اس بات کو دیکھتے ہیں جس میں اثر ہوتا ہے ایک گانے والا اچھے انداز میں گاتا ہے تو لوگ خوش ہوتے ہیں یعنی یہ سارے اثرات لوگوں کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں تو کلامِ الٰہی جو بزبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچے وہ دل پر اثر کیوں نہیں کرتا؟ عظمت وجلالتِ باری تعالیٰ دل پر کیوں نہیں آتی؟

اس لیے کہ نافرمانی دلوں کو تباہ کردیتی ہے۔ جب انسان کے گناہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ توبہ نہیں کرتا۔ برائیاں اور نافرمانیاں، آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ کان بند ہوجاتے ہیں سچائی سننے سے رک جاتے ہیں۔ دل، اثر قبول نہیں کرتا، دل تک اثر جاتا ہی نہیں۔

قرآن ہمیں اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ اپنے آپ کو ٹٹولو، کیا قرآنِ کریم تمہارے دل میں اترتا ہے؟ اثر کرتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو اور کوئی اثر نہیں ہوتا تو توبہ کرو۔ ابھی وقت ہے۔ توبہ کرلو! اپنی فکر دوسروں سے زیادہ کرو۔ دنیوی معاملات میں تو ہم دوسروں کے بجائے اپنی کارکردگی بہتر کرنے پر توجہ دیتے ہیں۔ ہر شخص کوشش کرتا

ہے کہ خود کمائے، جمع کرے۔ عہدہ ہو تو پہلے سے بہتر عہدے کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ دوسروں کے پاس مال ہے یا عہدہ اُسے اپنی فکر ہوتی ہے، دوسروں کی نہیں۔ دین کے معاملے میں ہم خود کو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کا امتحان لیتے رہتے ہیں کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ویسا ہے! ہر جگہ ہمیں قرآن سنایا جاتا ہے۔ علما بیان کرتے ہیں، باجماعت صلوٰۃ میں سنایا جاتا ہے تو کیا ہم پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ ہمیں کوئی لذت محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کی طرف دل راغب ہوتا ہے، اس کی کشش اپنی طرف کھینچتی ہے؟ اگر دل راغب ہوتا ہے تو اللہ کا شکر! دعا کرنی چاہیے کہ اس میں مزید ترقی ہو اور خدانخواستہ ایسا نہیں ہوتا تو پھر وقت ہے، بابِ توبہ وا ہے، توبہ کرلیں۔

جسے کفار پرانی کہانیاں کہتے ہیں، یہ پرانی کہانیاں نہیں ہیں یہ وہ حقائق ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں اللہ کی طرف سے نازل ہوئے۔

فرمایا: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب بھی جو راہنما اور رحمت تھی اور یہ کتاب جو عربی زبان میں ہے اس کی تصدیق کرتی ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور (خلوص سے) نیکی کرنے والوں کو خوش خبری سنائے۔

جیسے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی جو اُن کی قوم کے لیے راہنما تھی اور قبولِ حق کرنے والوں کے لیے اللہ کی رحمت تھی۔ دنیا کی راہنمائی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضامن تھی۔

کتابِ الٰہی کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی کرے۔ اللہ کی کتاب امورِ دنیا میں بھی امام اور قائد ہوتی ہے۔ راہبری اور راہنمائی کرتی ہے کہ سیدھا راہ یہ ہے۔ صرف راستہ ہی نہیں دکھاتی، سراپا رحمت بھی ہوتی ہے۔ جس نے اللہ کی کتاب کی پیروی چھوڑی، وہ یہ دیکھ لے کہ اس نے ہر طرح کی رحمتِ الٰہی کو چھوڑ دیا۔ پھر اس کے پاس دنیا کی آسانیاں بھی ہوں تو حقیقتاً اس کے لیے وہ مصیبت بن جاتی ہیں۔ عہدے باعثِ ملامت بن جاتے ہیں۔ دولت پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ بیماریاں اور مصائب زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہونے دیتے۔ یعنی جب بندہ رحمت سے دور ہوتا ہے تو پھر اس کے لیے زحمت اور عذاب ہی بچتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں بھی، آخری کتابِ الٰہی کی پیشین گوئی موجود تھی۔ فرمایا، یہ کتاب یعنی قرآن اس پیش گوئی کو سچا ثابت کرتا ہے جو توریت میں تھی۔ یہ کتاب ان حقائق کی تصدیق کرتی ہے جو پہلی کتابوں نے بتائے تمام الہامی کتابوں میں عقیدہ و نظریہ ہمیشہ ایک ہی رہا۔ اللہ واحد ولاشریک ہے، خالق و مالک ہے، رب العالمین ہے۔ نبی و رسول علیہ السلام ہیں۔ ملائکہ ہیں۔ الہامی کتابیں ہیں۔ زندگی کے ساتھ موت ہے۔ حیات بعد الموت

ہے۔ برزخ ہے، قبر کا عذاب وثواب ہے۔ قیامت ہے۔ حساب کتاب ہے۔ جنت وجہنم ہے۔ یہ سب ضروریاتِ دین ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کا انکار ہے۔ البتہ ہر امت پر احکام الگ آئے۔ جوان کے زمانے کے مطابق تھے۔ اس کی مثال ہماری عملی زندگی کے ادوار ہیں کہ طفل کی غذا اور ہے اور جوان کی غذا اور! مولانا رومی کہتے ہیں۔

طفل را گر نان دی برجائے شیر
طفل بے چارہ اذا نان مردہ گیر

اگر تم چند ماہ کے بچے کو دودھ کی بجائے روٹی کھلا دو گے تو وہ اسی کھانے سے مر سکتا ہے۔ اسی طرح ہر امت کے احکام اس کے عہد کی ضرورت کے مطابق تھے۔ انسانیت پروان چڑھتی گئی تا آنکہ انسانیت اپنے کمال کو پہنچی اور دنیا ایک عالمی گاؤں گلوبل ویلج بننے جا رہی تھی، دنیا، ایک ہونے جا رہی تھی تو اللہ نے ساری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے ایک نبی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث فرما دیا جو خاتم الانبیا ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شریعت کے احکام قیامت تک تبدیل نہیں ہوں گے، تبدیل ہونے کی ضرورت ہی نہیں چھوڑی گئی۔

یہ کتاب جو عربی زبان میں ہے ان سب خبروں کی تصدیق کرتی ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیاؑ نے دیں۔ قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ غلط کاروں کو ان کے بُرے انجام سے بروقت مطلع کر دے۔ برائی کرنے والے کو دنیا میں ہی آگاہ کر دے کہ برائی پر برا نتیجہ آئے گا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی کتاب نازل فرما کر ظالموں، کافروں کو ان کے کفر وظلم کے برے انجام سے یہاں خبردار کر دیا۔ یہ کتاب خوش خبری ہے ان کے لیے جو محسنین ہیں۔ فرمایا: وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اور (خلوص سے) نیکی کرنے والوں کو خوش خبری سنائے۔

محسنین کون ہیں؟

وہ لوگ ہیں جو خلوصِ دل سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ محسنین ہیں۔ انہیں یہ کتاب بشارت دیتی ہے کہ ان کا محنت ومجاہدہ خالی نہیں جائے گا۔ اللہ کریم ان کا مجاہدہ قبول فرمائیں گے۔ ان کی عبادتوں پر ثمرات عطا فرمائیں گے۔ محسنین کی تعریف فرمائی: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تسلیم کیا اور اعلان کر دیا کہ ہمیں پیدا کرنے والا، ہمارا پالنے والا، ہماری ضرورتیں پوری کرنے والا، ہمیں موت دینے والا، بعد الموت ہم سے حساب لینے والا صرف اللہ واحد ولاشریک ہے۔ یہاں اللہ کریم نے صفاتی نام 'رب' استعمال فرمایا ہے۔ ربّ ماننا کارِ دارد (مشکل کام) ہے ورنہ اللہ کو اللہ تو کافر بھی مانتے ہیں۔ مومن اس طرح مانتا ہے جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ کافر اپنے انداز، اپنی رائے سے مانتا ہے۔ اللہ کو ربّ ماننے کا مطلب ہے اپنی ساری امیدیں اللہ سے وابستہ کر لی جائیں۔ اللہ کے حکم کے خلاف کسی کی بات نہ مانی جائے۔

فرمایا، محسنین وہ ہیں جنہوں نے یہ مانا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے۔ اسی پر زندگی بسر کر دی۔ اپنے عمل سے ثابت کیا کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ میں اسی کی اطاعت کروں گا۔ اس کے حکم کے خلاف کسی دوسرے کا حکم نہیں مانوں گا! ایسے لوگوں کو کوئی پچھتاوا ہوگا اور نہ کوئی خطرہ! یہ لوگ نہ دنیا چھوڑنے پر پچھتائیں گے نہ آئیندہ کے کسی عذاب کا خوف ہوگا۔ ہر طرح سے بے فکر ہوں گے۔ آخرت کی اتنی نعمتیں ملیں گی کہ دنیا میں اس کا تصور نہیں! جب انعاماتِ الٰہی ہوں گے، کسی خطرے کا اندیشہ نہیں ہوگا تو دنیا پر حسرت کیوں کریں گے؟

فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴﴾ یہ لوگ جنت کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ جنت کے باسی بنیں گے۔ انہیں جنت عطا کر دی جائے گی۔ یہ جنت کے مالک بنا دیے جائیں گے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بیماری آئے گی نہ بڑھاپا، کوئی کمزوری آئے گی نہ موت! ان لوگوں نے عمل تو چند روز کیے، اللہ نے انہیں انعامات، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دے دیے۔ بندے نے اپنی حیثیت کے مطابق نیکی کی اللہ نے اپنی شان کے مطابق انعام دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت عطا فرما دی۔ انسان کی دنیوی زندگی بلوغت سے مرنے تک چند روزہ ہے۔ شروع کے سال، بچپن، لڑکپن، بلوغت میں چلے جاتے ہیں۔ جوانی کا درمیانی عرصہ چند سالوں پر محیط ہوتا ہے اس کے بعد کا وقت بڑھاپے کی نذر ہو جاتا ہے۔ جوانی کے درمیانی عرصے میں بھی کتنا ہی وقت نیند میں بسر ہو جاتا ہے۔ اس طرح حساب کریں تو کتنا کم عرصہ اطاعت میں لگا اور اللہ نے اس کو قبول فرما کر جنتیں عطا کر دیں!

والدین کے ساتھ بہت پیار سے پیش آؤ:

فرمایا: وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ۔۔۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا، ہم نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ بہت مہربانی، کرم کا سلوک کرو۔ بہت پیار سے پیش آؤ۔ اللہ کریم خالق و مالک اور پروردگار ہیں تو والدین انسان کے دنیا میں آنے کا سبب

ہیں۔ اللہ نے ایمان لانے، اعمال صالحہ کرنے کے حکم کے ساتھ ہی والدین سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اولاد اللہ نے دی۔ خالق وہ ہے، والدین کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ وہ نہیں جانتے بیٹا ہوگا یا بیٹی۔ خوبصورت ہوگا یا بدصورت۔ اس کے مستقبل کے بارے نہیں جانتے کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ انہوں نے نہیں بنایا لیکن اللہ نے والدین کو بچے کے دنیا میں آنے کا سبب بنا دیا اور ان کا احترام اور ان کے حقوق اولاد پر فرض فرما دیے۔

خصوصاً والدہ کے احسانات کا تذکرہ:

فرمایا: حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔۔۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے اس کو جنا اور اس کا پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں (پورا) ہوتا ہے۔

ماں، باپ دونوں کا احترام، دونوں کی عزت، دونوں سے پیار، دونوں کی خدمت فرض ہے۔ دونوں میں سے ماں کی زیادہ ہے کہ وہ بڑی تکلیفیں اٹھا کر حمل کے دن گزارتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے دوران بھی تکلیف سے گزرتی ہے۔ بچے کو پالنے میں ماں باپ دونوں کا اپنا اپنا حصہ ہوتا ہے۔ باپ اپنا آرام تج کر روزگار کے لیے مشقت کرتا ہے۔ بے آرام ہوتا ہے۔ البتہ ماں، بچوں کی پرورش میں بہت کوشش کرتی ہے۔ مشکلات اٹھاتی ہے۔ کوئی ایک یا دو دن نہیں، فرمایا، حمل سے دودھ چھڑانے تک تیس ماہ گزر جاتے ہیں۔ بغیر کسی رخصت کے، کسی چھٹی کے مسلسل تیس مہینے تکلیف برداشت کرتی ہے۔ رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ امام ابوحنیفہ نے 6 ماہ مزید فرمایا ہے صرف اس صورت میں جب بچہ بہت کمزور ہو اور ماں کے دودھ کے سوا کچھ نہ لے۔ اس طرح سے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہو سکتی ہے۔ البتہ رضاعت کی مدت صرف دو سال ہے۔ شیر خوارگی یعنی ماں کا دودھ پینے کا زمانہ صرف دو سال ہے۔ گویا دو سال، تین سال کے بچے نے کسی خاتون کا دودھ پی لیا تو وہ اس کی رضاعی ماں نہیں بنے گی۔

بلوغت کی عمر اور پختگی کی عمر:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ۔۔۔ یہاں تک کہ جب وہ خوب جوان ہو جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے۔

علما کے نزدیک بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہے۔ کئی سولہ سال میں جوان ہو جاتے ہیں۔ کئی انیس سال میں پہنچ کر بالغ ہوتے ہیں۔ یہ شاذ ہوتا ہے۔ کم واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ عموماً اٹھارہ سال میں بالغ ہو جاتا ہے۔ بلوغت کے بعد جب پختگی آتی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں زندگی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے۔ سمجھ بوجھ میں

اضافہ ہوجاتا ہے تو اسے اپنے ربّ کی طرف رجوع کرنے کی طلب ہوجاتی ہے۔

فرمایا: قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ آپ نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمائے ہیں، ان کا شکر ادا کروں اور یہ کہ نیک کام کروں جن کو آپ پسند فرمائیں اور میری اولاد میں بھی میرے لیے صلاحیت پیدا فرما دیجیے۔ میں آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں فرمانبردار ہوں۔

مفسرینِ کرام نے اس آیۂ مبارکہ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ بتائے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تجارت کی غرض سے شام کا سفر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گرویدہ ہو گئے اور ہمیشہ ساتھ رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق کی عمر اڑتیس (38) سال تھی۔ آپؓ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ کی چار پشتوں میں صحابیت ہے۔ چار نسلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

یہ بھی حق ہے کہ قرآن ہر عہد کے لوگوں کے لیے ہے۔ اس لیے اس آیت کا حکم عام ہے کہ کوئی بالغ جب چالیس سال کا ہوجائے پختہ عمر میں آجائے تو اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ! مجھے توفیق دے، میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ تُو نے مجھے مسلمان والدین کے گھر پیدا کیا۔ مہربان والدہ دی، اچھا والد دیا۔ انہوں نے مجھے اچھا مسلمان بننے کی تربیت دی، دنیا میں رہنے کمانے کے قابل بنایا۔ اے میرے ربّ! میرے والدین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ مجھے توفیق دے کہ میں ایسے کام کروں جو تیری رضا کا باعث ہوں، جو تیری خوشنودی کا سبب ہوں۔ اور میری اولاد کو بھی نیک کر دے۔ جس طرح تُو نے مجھے نیک والدین دیے تھے اسی طرح اولاد بھی نیک ہو۔ یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جنہیں مدنظر رکھنا چاہیے۔

ہر فرد کے ذمہ یہ دو کام واجب ہیں۔ والدین کی خدمت، پیار، محبت اور ان کے لیے دعا۔ اولاد کو حلال کھلانا، دین سمجھانا، تربیت کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہ واجباتِ حیات ہیں۔ یہ زندگی کی ضرورتیں ہیں۔

اور اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ہوں۔ جو کمی کوتاہی، غلطی قصور، بھول چوک اور جو کمزوریاں ہیں ان کے لیے میں توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری بات ماننے والوں میں سے ہوں۔ مسلمین میں سے ہوں یعنی آپ کا فرمانبردار ہوں۔ مسلم کسے کہتے ہیں؟ جو بات تسلیم کرتا ہے، مانتا ہے۔

مسلمان کا طرزِ فکر بتایا جارہا ہے۔قرآن بتاتا ہے کہ مسلمان کی سوچ کیسی ہوتی ہے اور آج حالات کس ڈگر پر چل رہے ہیں، والدین کے ساتھ کیا رویہ ہے؟ اولاد کی تربیت کس نہج پر ہورہی ہے؟ شریعت نے اصول دیا ہے کہ جس سرزمین پر اسلام پر عمل نہیں کرسکتے وہاں سے ہجرت فرض ہوجاتی ہے۔اس معاشرے کو چھوڑ کر وہاں چلا جائے جہاں دین پر عمل کرنا ممکن ہو۔اللہ نے دنیوی نعمتوں کے حصول کی شرط نہیں لگائی کہ وہاں جائے گا تو دنیوی نعمتیں بھی ملیں گی۔دنیوی نعمتیں اپنا نصیب ہے وہ ہر جگہ پالے گا۔دین کو بچانے کا حکم ہے۔

آج اکثریتی مزاج الٹ گیا ہے۔وہ اولاد کو محض دنیا کے حصول پر لگاتے ہیں۔اسی کی تربیت کرتے ہیں۔کوشش کرتے ہیں کہ دنیوی طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کریں۔دین کی خیر ہے۔بڑا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔آج کوئی لڑکا سنت داڑھی رکھ لے تو مائیں کہتی ہیں، باپ کہتے ہیں، ابھی تم جوان ہو، بڑی عمر پڑی ہے۔ابھی سے کیا ضرورت ہے؟ دنیوی چیزوں کے لیے کوئی یہ نہیں کہتا کہ بڑی عمر پڑی ہے!

اولاد کو لے کر امریکہ، یورپ چلے جاتے ہیں۔ایک خالص کافرانہ ماحول، کافرانہ قوانین والے معاشرے میں لے جاتے ہیں۔پھر کہتے ہیں۔اولاد بگڑ گئی ہے۔شرابی ہوگئی ہے۔مجھے بھی لکھتے رہتے ہیں۔میں سن سن کر جب تنگ آجاتا ہوں تو جواباً لکھ دیتا ہوں کہ بچوں کا کیا قصور ہے، آپ کون سا انہیں حرم میں لے گئے تھے؟

خلاصہ یہ کہ انسان جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے آخرت کی فکر اپنی اور اولاد کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوجاتی ہے۔مسلمان کے کردار میں پختگی آنے اور اس کے رجوع الی اللہ کرنے کا ذکر ہوا۔اس کے کردار کی صفات کا ذکر ہوا۔اب ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ یہی لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول فرمائیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے۔یہ اہلِ جنت میں ہوں گے۔یہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو عظمتِ الٰہی کا اقرار کرتے ہیں۔اسے ربّ مانتے ہیں۔والدین کی خدمت کرتے ہیں۔اولاد کی بہتری چاہتے ہیں۔اپنے حصے کی کوشش کر کے پھر دعا کرتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پاتی ہیں اور ان سے جو غلطیاں غلطی سے ہوجاتی ہیں وہ اللہ کریم معاف کردیتے ہیں۔ان کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ایسے لوگ ہی جنت کے وارث ہیں۔یہ اللہ کا وعدہ تھا جو پورا ہوگا یہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے فرمایا: وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ اور جو شخص اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ میں تم سے بیزار ہوں کیا تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں

(زمین سے) نکالا جاؤں گا اور یقیناً بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے۔ اور دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں، (کہتے ہیں) تیرا ناس ہو! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو وہ کہتا ہے یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

یہاں ایمان والے والدین کا اولاد کو دین کی طرف لانے کا تذکرہ ہے کہ بعض بدنصیب لوگ نیک والدین کے ہاں پیدا ہونے کے باوجود گمراہ ہو جاتے ہیں اور والدین انہیں بھلائی کی طرف بلاتے ہیں تو وہ والدین سے بدزبانی اور بدکلامی کرتے ہیں۔ آج کا معاشرہ اس آیت کی تصویر ہے۔ لوگ والدین سے کہتے ہیں۔ آپ لوگ دنیا میں رہ کر دنیا کو سمجھے ہی نہیں۔ لوگ امیر ہو گئے۔ دولت مند ہو کر اقتدار میں چلے گئے آپ وہی باتیں لے کر بیٹھے ہیں کہ قبر ہوگی، عذاب ہوگا۔ خود پرانے خیالات کے ہیں اور ہمیں بھی زندہ نہیں رہنے دیتے۔ خوامخواہ کہتے رہتے ہیں یہ کرلو، وہ کرلو۔ کتنی مخلوق گزر چکی آج تک تو کوئی مر کر زندہ نہیں ہوا! والدین فریادیں کرتے رہ جاتے ہیں کہ اللہ کا خوف کرو، اللہ کو مانو، نیکی کرو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ قیامت آ کر رہے گی۔ حساب کتاب دینا ہوگا۔ اور وہ کہتے ہیں، آپ لوگ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب پرانی کہانیاں ہیں۔ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ نماز روزہ، یہ سب آج کی باتیں تو نہیں ہیں۔ کب سے لوگ یہ باتیں کرتے چلے آ رہے ہیں!

قرآن قیامت تک کے لیے ہے۔ اس نے ہماری منظر کشی بھی کر دی کہ آج ہم خود کس اخلاقی سطح پر ہیں اور اولاد کی تربیت سے کتنے غافل ہیں۔ آج ہمارا سارا زور محض دنیا حاصل کرنے پر ہے۔ اولاد کے لیے بھی یہی چاہتے ہیں۔ وطنِ عزیز میں دورِ حاضر کا نظامِ تعلیم طبقاتی ہے۔ مدرسہ۔ سرکاری سکول اور پرائیویٹ سکول۔ ہم مہنگے پرائیویٹ سکولوں میں پڑھاتے ہیں تاکہ دنیا میں اعلیٰ عہدے حاصل ہوں۔ برصغیر میں اسلامی دورِ حکومت میں جو تعلیمی نظام تھا اس میں جامعات تھیں۔ انگریز کی آمد سے پہلے برصغیر میں دینی، دنیوی دو مدرسے نہیں تھے بلکہ مدرسہ یا سکول نہیں ہوتا تھا۔ جامعہ ہوتی تھی۔ مسلمان حکمرانوں نے تقریباً ہزار سال حکومت کی تو انہوں نے جگہ جگہ جامعات بنائیں۔ لفظ یونیورسٹی جامعہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ جامعہ عربی لفظ ہے۔ یعنی جہاں تمام علوم اکٹھے پڑھائے جائیں۔ مسلمان حکمرانوں نے جامعات کو جاگیریں اور جائیدادیں وقف کر رکھی تھیں۔ ان کے بورڈ ہوتے تھے۔ وقف جاگیر سے جو آمدن ہوتی اسی سے جامعات کی عمارتیں بنتیں، بچوں کو کتابیں دی جاتیں۔ اسی سے بچوں کو کھانا، کپڑے ملتے، رہائش ملتی اور تعلیم ملتی تھی۔ امرا سے لے کر عام کسان تک کے بچے اسی جامعہ میں پڑھتے تھے۔ ایک ہی جامعہ سے علما، جرنیل، سائنسدان، طبیب اور حکمران نکلتے تھے۔

انگریز نے جب برصغیر پر قبضہ کیا تو دینی تعلیم اور قومی زبان پر پابندی لگا دی۔ جامعات کی جاگیریں چھین کر قوم کے غداروں کو دے دیں جو انگریز کے مفادات کے محافظ تھے اور قوم کے غدار تھے۔ تب علما نے زکوٰۃ و صدقات جمع

کر کے دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان اللہ کے بندوں پر جنہوں نے ڈیڑھ سو سالہ انگریزی حکومت میں دینی تعلیم کو زندہ رکھا۔ بڑے بڑے نامور حفاظ، خطیب، عالم اور محقق پیدا کیے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد حکمرانوں کا فرض تھا کہ دینی تعلیم کو تعلیمی نصاب میں شامل کرتے۔ دوبارہ سے جامعات بناتے اور دینی مدارس کو سرکاری سطح پر سکولوں میں ضم کر کے انہیں قومی دھارے میں لے آتے۔ سب بچے سرکاری سکولوں میں پڑھتے جہاں دین پڑھایا جاتا اور دنیوی علوم و ہنر بھی سکھائے جاتے۔ اگر سرکاری سکول بہترین تعلیم دیتے تو پرائیویٹ سکولوں کا وجود ہی نہ ہوتا۔ آج سرکاری سکول، دنیوی تعلیم سے بھی محروم ہیں، خانہ پری کر رہے ہیں۔ اس لیے پرائیویٹ سکولوں کا کاروبار زوروں پر ہے۔

جب ہم اولاد کی تربیت کا اہتمام صرف دُنیوی نقطۂ نظر سے کرتے ہیں تو پھر وہ بگڑتے ہیں۔ تب ہمیں فکر ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم اسی طرف متوجہ فرما رہا ہے کہ جہاں والدین، دنیا میں لانے کا سبب ہیں۔ احترام کے لائق ہیں وہاں والدین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اولاد کی تعلیم اور تربیت کریں۔ انہیں دنیوی علوم وفنون بھی سکھائیں، انہیں دینی ضروری تعلیم دلائیں، اللہ سے تعلق بنانا سکھائیں، انہیں حلال کھلائیں، اچھا ماحول دیں اور پھر دعا کریں کہ اللہ! جو میرے ذمہ تھا تیری توفیق سے میں کر رہا ہوں۔ اب تُو مہربانی فرما اور انہیں نیک کر دے۔

گناہ سراسر خسارے کا سودا ہے:

فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنوں اور انسانوں کی امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ بے شک یہ خسارہ میں رہے۔

جو اس طرح بے دین ہو جاتے ہیں۔ دینداروں کے گھر میں بھی بے دین نکل آتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے پہلی امتوں میں سے جنوں اور انسانوں سے گمراہ لوگ گزرے ہیں۔ ایسے بدکار اور کافر ہر عہد میں گزرے ہیں۔ کفر اور برائی نے کبھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ گناہ، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے نقصان ہی کرتا ہے۔ یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔

اور: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے۔ غرض یہ کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی۔

ہر شخص کے اعمال کے مطابق اس کی درجہ بندی کی جائے گی۔ جتنے جس نے گناہ کیے اتنی ہی سزا پائے گا۔ جتنی جس نے نیکی کی ہے اتنی اس کی جزا پائے گا۔ اللہ کی شان ہے کہ اس کے اجر میں کتنا اضافہ فرما دے لیکن اس کی

نیکی سے کم اجر نہیں ملے گا۔ ہر کسی کو اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوگی اور کسی کو اس کی برائی سے بڑھ کر سزا نہیں دی جائے گی۔ وہی سزا ملے گی جو دنیا میں اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتادی تھی۔

اور: وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝٢٠ اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں حاصل کر چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے۔ سو آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

کافر کی نیکی بھی ضائع نہیں جاتی:

جب کافروں کو جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ وہ دوزخ کو بھڑکتا ہوا دیکھیں گے۔ آگ کے شعلوں کو لپکتا ہوا دیکھیں گے تو کہیں گے، یہ درست ہے کہ ہم نے کفر کیا، گناہ کیے لیکن ہم نے کچھ نیکیاں بھی کی تھیں۔ پیاسوں کے لیے کنوئیں بنوائے تھے۔ مریضوں کے لیے ہسپتال بنوائے تھے، غریبوں کے لیے کھانے کا اہتمام کیا تھا، ان کو قرض سے نجات دلائی تھی۔

فرمایا جائے گا، تم نے اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی لے لیا۔ تم نیکیوں کا معاوضہ دنیا میں لے چکے۔ جس مقصد کے لیے تم نے یہ کام کیے تھے۔ وہ مقاصد تم نے دنیا میں حاصل کر لیے۔ تم نے جو نیکی کی اس کے بدلے دنیا ہی مانگی، دولت مانگی یا شہرت مانگی۔ یہ سارے مقاصد پورے کر دیے گئے۔ تم نے خیراتی ہسپتال بنائے کہ اس کے طفیل تمہارا دنیا کا کوئی کام پورا ہو۔ بلائیں ٹل جائیں، بیماریاں دور ہوں۔ نیکی سے تمہیں دولتِ دنیا مطلوب ہوگی یا شہرت مطلوب ہوگی یا کسی مصیبت سے جان چھڑانا مطلوب ہوگا۔ تم نے آخرت کے لیے تو کوئی نیکی نہیں کی۔ آخرت کے لیے کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق کرتے۔ اللہ پر ایمان لاتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاتے۔ کتاب اللہ کو مانتے آخرت کو مانتے!

ایک بڑے سٹور سے کوئی خریداری کرے۔ رقم دے اور چیز اٹھالے۔ اس کے بعد وہ دکاندار سے تقاضا کرے کہ تمہارے سٹور میں اور بہت کچھ ہے مجھے کچھ دے دو تو کیا وہ دے گا؟ کہے گا جس چیز کی آپ نے قیمت ادا کی وہ آپ کو مل چکی۔ یہی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ انہوں نے جو نیکی کی محض دنیا کے لیے کی۔ وہ انہیں دنیا میں حاصل

ہوگئی یہ نیکیوں کا بدلہ دنیا میں لے چکے۔

اس کا مطلب ہے کہ نیکی، کافر کی بھی ضائع نہیں جاتی۔ آخرت کے لیے وہ کرتا نہیں، دنیا میں اس کا بدلہ اسے مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ اسلام کے اصول اپنا کر دنیا میں ترقی کر رہا ہے۔ ان کے دنیوی حالات ہم سے بہتر ہیں۔ یہ اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کا دنیوی ثمرہ ہے۔ وہ زمانہ جب اسلامی حکومتیں تھیں۔ اسلام نافذ تھا اور اسلام کی برکات سے دنیوی کام بھی بہترین طریقے پر انجام پا رہے تھے۔ اس وقت اہل مغرب پسماندہ، جاہل، وحشی تھے۔ گھر بنانا نہیں آتا تھا۔ غاروں میں رہنے والے لوگ تھے۔ غیر مہذب، غلیظ اور ظالم ترین لوگ تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے حالات جانے، پڑھے۔ مغرب حیران تھا کہ جہاں اسلام جاتا ہے اکثریت مسلمان ہوجاتی ہے۔ یہ صرف خطۂ زمین ہی فتح نہیں کرتے، یہ دل بھی فتح کر لیتے ہیں۔ ملکوں کے ملک مسلمان ہوجاتے ہیں۔

اہل مغرب اسلام کو نہیں مانتے لیکن انہوں نے اسلامی قوانین، قرآنی احکام کا تجزیہ کیا۔ انہوں نے اسلام سے خوشہ چینی کی۔ ناپ تول، دیانتداری سے کام کرنا سیکھا اور اپنایا تو ان کی تجارت ترقی کر گئی۔ عدالتوں میں جھوٹ نہیں بولنا، عدل کرنا ہے تو ان کے ہاں امن قائم ہوگیا۔ انہوں نے جہاں جہاں اسلام کے اصولوں کو اپنایا ان شعبوں میں ان کی ترقی مثالی ہے۔

جہاں جہاں اسلام کے اصول چھوڑے وہاں آج بھی ان کا معاشرہ تباہی سے دوچار ہے۔ سود، شراب اور بدکاری نے ان کا معاشرہ تباہ کر دیا ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ قرآن سے نہیں سیکھتے اور نہ ہی کسی عالم سے پوچھتے ہیں غیر مسلموں سے سیکھتے ہیں اور ان سے بھی اچھائی نہیں سیکھتے، ان کی برائیاں ہی اپناتے ہیں۔

کافروں سے خطاب ہوا کہ تم لذت کی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں حاصل کر چکے۔۔۔ اپنی نافرمانیوں کے نتیجے میں اپنے انجام کو پہنچ گئے ہو!

سورۃ الاحقاف رکوع 3 آیات 21 تا 26

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ
اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا
مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ
مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور (قوم) عاد کے (قومی) بھائی (ھود علیہ السلام) کا ذکر کریں جب انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (جو) احقاف (ایسی جگہ جہاں ریت کے خمدار تودے ہوں) میں (رہتے تھے) اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گزر چکے (جو کہتے تھے) کہ تم صرف اللہ کی عبادت کیا کرو بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ﴿۲۱﴾ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے

پاس اس ارادے سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو اگر سچے ہو تو جس (عذاب) کا ہم سے وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ ﴿۲۲﴾ انہوں نے فرمایا بے شک پورا علم اللہ کے پاس ہے اور مجھے تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا وہ تم کو پہنچا رہا ہوں ولیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو ﴿۲۳﴾ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے، یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا (نہیں!) بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ﴿۲۴﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے گھروں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم گناہگاروں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿۲۵﴾ یقیناً ہم نے ان لوگوں کو ایسے کاموں میں قدرت دی تھی جن میں تم لوگوں کو قدرت نہیں دی گئی اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آ سکے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، چونکہ وہ لوگ اللہ کی آیات کا (ضِد سے) انکار کرتے تھے اور جس (عذاب) کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا ﴿۲۶﴾

تفسیر و معارف

مشکل ترین جگہ پر بھی ہدایت کا سامان پہنچا دیا:

قرآنِ حکیم نصیحت اور ہدایت کی راہنمائی کی کتاب ہے۔ قرآن تاریخ سے کوئی مثال دیتا ہے تو صرف اتنی ہی جس سے دعوتِ فکر اجاگر ہو۔ یہاں حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت مشکل ترین جگہ پر رہائش پذیر تھے۔ فرمایا: وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ ۔۔۔ اور (قوم) عاد کے (قومی) بھائی (ھود علیہ السلام) کا ذکر کریں جب انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (جو) احقاف (ایسی جگہ جہاں ریت کے خمدار تودے ہوں) میں (رہتے تھے)

یہ ایسی جگہ رہتے تھے جہاں ریت کے نوک دار بڑے بڑے ٹیلے تھے۔ یوں تو صحرائی زندگی مشکل، حالات سے عبارت ہے۔ سخت گرمی، پانی کی کمی جیسے مسائل درپیش رہتے ہیں لیکن تمام صحراؤں میں وہ علاقہ سب سے زیادہ دشوار گزار ہوتا ہے جہاں ریت کے ٹیلے ہوتے ہیں۔ کوئی پتا نہیں چلتا کہ کب تیز ہوا چلے اور ادھر کا ٹیلہ اٹھا کر وہاں رکھ دے اور وہاں کا ٹیلہ یہاں! زمین کا نقشہ بدلتا رہتا ہے۔ آنے جانے والوں کے لیے مشکلات رہتی ہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں تو ریت کو اڑا کر دوسری جگہ ڈھیر کر دیتی ہیں۔ جہاں پہلے بہت بڑا ٹیلہ تھا وہاں سے زمین خالی ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ جہاں آباد تھے وہ احقاف یعنی ریت کے ٹیلوں کا علاقہ تھا۔ باہر سے کسی کا پہنچنا یا بات پہنچانا بہت مشکل تھا۔

یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ ہر علاقے کے لوگوں کو ایسی قوت برداشت دے دیتے ہیں کہ وہاں کا باسی مشکلات سے نکلنے کے راستے پیدا کر لیتا ہے لیکن جو باہر سے اس علاقے میں جاتا ہے اس کے لیے بہت مشکل ہوتی ہے۔

جن علاقوں میں برفباری ہوتی ہے وہاں کے رہنے والوں کو دیکھیں تو وہ ہلکے سے کپڑے پہنے اپنے روزمرّہ کے معمولات انجام دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ برفباری میں کئی دن گزارنے کا موقع ملا۔ لگاتار دو دن برفباری ہوتی رہی۔ تیسرے دن بہت تیز ہو گئی۔ ہم اکتا چکے تھے کہ باہر نہیں نکل سکتے، جا نہیں سکتے! مقامی لوگوں نے بتایا کہ اب یہ رک جائے گی کہ جب یہ تیز ہو جائے تو رک جاتی ہے تین دنوں میں ہمارے پاؤں میں سوزش آ گئی لیکن مقامی بچوں کو دیکھا کہ وہ اس سردی میں ننگے پاؤں چیڑ کے خشک پھل اکٹھے کر کے بیچ رہے تھے۔ وہ وہیں کے رہنے والے تھے۔ اسی طرح افریقہ میں ایک علاقہ ہے جہاں خشک بارش ہوتی ہے۔ جب بارش برستی ہے تو اس کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں پڑتا۔ ہوا اتنی گرم ہوتی ہے کہ ہوا میں سے بخارات بن کر واپس ہو جاتے ہیں اور زمین گیلی تک نہیں ہوتی۔ وہاں بھی لوگ بستے ہیں۔ افریقہ کی شدید گرمی نگاہ کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے لیے اکثر قبائل اپنے چہرے پر جگہ جگہ سے جلد کاٹ دیتے ہیں۔ گہرے شگاف پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا دھوپ سے بچاؤ کا طریقہ ہے۔ جہاں انسان بستا ہے اس کا مزاج اور بدن اس ماحول کا عادی ہو جاتا ہے۔

فرمایا، ہم نے ان پر احسان فرمایا کہ ان کے ایک قومی بھائی، ان ہی کی قوم کے ایک فرد کو، ایک ہستی کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ھود علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔ زندگی، موت، مابعدالموت کی ساری اطلاعات جو انسان کی ضرورت ہیں ان تک پہنچائیں۔ جس طرح ہم نے انہیں مادّی زندگی کے اسباب مہیا فرمائے کہ اس مشکل ترین جگہ پر بھی وہ اولاد پالتے تھے، کھانے پینے کا اہتمام کرتے تھے، بیماروں کا علاج کر لیتے تھے۔ تمام ضروریاتِ زندگی پوری کرتے تھے۔ جس طرح ہم نے انہیں دنیوی زندگی کے لیے اسباب عطا فرمائے اسی طرح روحانی ضرورت اور روحانی

تربیت کا اعلیٰ ترین سبب یعنی نورِ نبوت ہم نے ھود علیہ السلام کو عطا فرما دیا جو ان کی قوم میں سے تھے۔

قرآن تاریخ کی کتاب نہیں، اللہ کریم ہمیں یہ باتیں کیوں یاد دلاتے ہیں؟ قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان قوموں نے جو روش اپنائی اس کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم بھی اپنے آپ کو، اپنے ماحول کو دیکھیں کہ اس عہد میں جب سارے ذرائع ابلاغ فحاشی اور جھوٹ پھیلانے پر لگے ہوئے ہیں۔ جب بازار اور کاروبار سے دیانت اٹھ چکی ہے۔ عدالتوں میں انصاف نہیں ہے۔ عام آدمی سے حکمران تک جس کا جتنا بس چلتا ہے وہ بددیانتی کرتا ہے۔

اس ماحول میں بھی اللہ کریم ہم سب تک اپنا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ زمانے کے حادثات، حالات، خرابی اور برائی جو گھٹا ٹوپ اندھیرا پیدا کرتی ہے، اللہ کریم اس میں بھی نورِ توحید پہنچا دیتے ہیں۔ قبول تو انسان نے کرنا ہے۔ ماحول میں جہاں دین پر عمل کرنے کے لیے اس قدر رکاوٹیں، ممانعات اور موانعات ہیں وہاں ہر لمحہ اذان کی صدا بھی بلند ہو رہی ہے۔ قریہ قریہ، قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، تفسیر بیان ہوتی ہے، ذکر اللہ سے قلوب اور ماحول منور ہو رہے ہیں۔

قرآن مثال دے رہا ہے کہ احقاف والوں کے زمینی حالات مشکل تھے۔ ماحول دشوار تھا تو اللہ نے ھود علیہ السلام کو ان کے درمیان رہنے والے ان کے قومی بھائی کو مبعوث فرما دیا۔ نورِ ہدایت سے محروم نہیں رکھا۔ اگر آج ہمارا ماحول بھی احقاف والوں جیسا بن گیا ہے۔ وہاں ریت کے ٹیلے جگہ بدل لیتے تھے۔ راستہ دشوار ہو جاتا تھا۔ آج ہمارے حالات ایسے ہی دشوار ہیں۔ کوئی پتا نہیں اب کیا ہو رہا ہے، چند لمحے بعد کیا ہوگا؟ حکومت کیا کرے گی، لوگ کیا کریں گے، سیاستدان کیا کہے گا؟ کون کس وقت کیا کرے گا؟ اس غیر یقینی ماحول میں بھی اللہ نے اہتمام کیا ہے کہ سب تک نورِ ہدایت پہنچ رہا ہے۔

تاریخ سے قومِ عاد کی مثال دینے سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ بھی عاد کی طرح اللہ کے پیغام کو نظر انداز نہ کرو۔ اسے اللہ کا انعام سمجھو کہ خرابیٔ حالات کے باوجود اللہ کریم ہدایت کا سامان کیے جا رہے ہیں۔ فرمایا: وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے بہت سے ڈرانے والے (پیغمبر اب تک) گزر چکے (جو کہتے تھے) کہ تم صرف اللہ کی عبادت کیا کرو۔ بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

فرمایا، ھود علیہ السلام کا اپنی قوم کو خبردار کرنا کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔ آپؑ سے پہلے بھی جہاں جہاں انسانی آبادیاں بسائی گئیں وہاں ہم نے انجام سے خبردار کرنے والے علیہم السلام بھی مبعوث فرمائے، ہدایت کے سامان فرمائے اور ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اللہ کریم جہاں مادّی وجود کی تعمیر کے اسباب پیدا فرماتے ہیں وہاں اللہ

ربّ العالمین روح کی تربیت کے سارے اسباب ساتھ مہیا فرماتے ہیں۔ سلسلۂ تبلیغ رکانہیں انبیاؑ سے شروع ہوا، جب سے انسان آباد ہوا جہاں انسانی آبادی ہوتی وہاں ہدایت پہنچائی جاتی رہی۔ نافرمان لوگ اپنے کردار کے نتیجے میں ہلاک ہوتے رہے تب بھی اللہ کریم نے ہدایت کا سلسلہ منقطع نہ فرمایا۔ ہدایت کے اسباب جاری رکھے۔

غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی:

وہ سارا سلسلۂ تبلیغ ایک بات کے گرد گھومتا ہے۔ سارے دین کی بنیاد کیا تھی؟ وہ کیا بات تھی جو اللہ کے نبی اور رسول علیہم السلام بتاتے تھے اور لوگ نہیں مانتے تھے۔ وہ یہ تھی اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ عبادت کو ہم نے نماز روزہ اور دیگر عبادات سے مختص کردیا ہے لیکن قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ہر کام عبادت ہے جب وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔ عبادت غیر مشروط اطاعت ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلّم تک ہر نبیؑ نے یہی فرمایا کہ غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کے لیے ہے۔ باقی سب کی بات اسی صورت میں مانی جائے گی جب وہ اللہ کے دین اور ضابطے کے اندر ہوگی۔ دین کے ضابطے سے باہر ہوگی تو اس کی نہیں مانی جائے گی صرف اللہ کی بات مانی جائے گی۔

فرمایا اگر اللہ کی نافرمانی کر کے غیر اللہ کی اطاعت کرو گے تو مجھے خطرہ ہے کہ بڑے دن کا عذاب تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ جب قیامت قائم ہوگی تو تمہارے اعمال سامنے ہوں گے اس دن بڑی مشکل آن پڑے گی۔ اللہ کے نبیؑ نے قیامت کی، آخرت کی اور اعمال کے نتائج کی بات کی۔ انہوں نے کیا جواب دیا؟

قَالُوْٓا : کہنے لگے اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ کہ کیا تم ہمارے پاس اس ارادے سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ اگر سچے ہو تو جس (عذاب) کا ہم سے وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ۔

کیا آپ اس لیے مبعوث ہوئے ہیں کہ ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روک دیں جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجتے رہے ہیں؟ ہم نے سرمایۂ کثیر سے معابد بنائے ہیں۔ انہیں سونے چاندی، جواہرات سے سجا رکھا ہے۔ صدیوں سے ان پر دولت نچھاور ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہ ہماری ساری مشکلات دور کرتے ہیں۔ رزق اور اولاد دیتے ہیں۔ ہمیں سب کچھ انہی سے مل رہا ہے۔ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کی پرستش کرنے سے قیامت کو دردناک عذاب ہوگا۔ قیامت کو تو آپ رہنے دیں، قیامت ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ آپ ایسا کریں اس عذاب کو آج ہی لے آئیں۔ ہم تو بتوں کی پوجا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر ان کی پوجا پر عذاب آتا ہے تو

آپ اسے ابھی لے آئیں۔ انسان جب بگڑتا ہے تو اتنا کوتاہ اندیش ہوجاتا ہے جیسے وہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر کوئی اللہ ہے جو عذاب دے سکتا ہے تو یہ لو ہم تو اس کی نافرمانی کر رہے ہیں، بتوں کو پوج رہے ہیں، اللہ سے کہو ابھی عذاب بھیج دے، دیکھتے ہیں، عذاب کیسا ہوتا ہے!

انسان کتنا بھی نافرمان ہوجائے، اللہ کریم زندگی کی مہلت میں اسے سنبھلنے کا موقع دیے رکھتے ہیں۔ ان سرکشوں کی گفتگو کے جواب میں ھود علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ انہوں نے فرمایا بے شک پورا علم اللہ کے پاس ہے اور مجھے تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا وہ تم کو پہنچا رہا ہوں ولیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

آپؑ نے فرمایا، عذاب بھیجنا، قیامت قائم کرنا، سزا دینا، جزا دینا، یہ میرا کام نہیں ہے۔ میرے اور تمہارے خالق و مالک، رازق و مشکل کشا نے مجھے نبیؑ مبعوث فرمایا ہے تاکہ میں اس کا پیغام تم تک پہنچا دوں۔ اس پیغام کے پہنچانے میں کوئی کمی ہے تو مجھ سے اس کے بارے بات کرو۔ میرا کام ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ اس پیغام کو مانو گے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔ اجر پاؤ گے۔ نہیں مانو گے تو عذاب پاؤ گے۔ اب یہ بات کہ وہ عذاب کب دے گا، یہیں دنیا میں دے گا، آخرت میں دے گا؟ یہ اس کا کام ہے۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ اللہ کے کام، اللہ کے ہیں۔ وہی جانتا ہے کس کو کیا ملے گا۔ مجھے تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نرے جاہل ہو۔ میں حق بیان کرتا ہوں تم اعتراض کرتے ہو۔ اعتراض بھی کیا جائے تو دلیل اس سے متعلقہ ہونی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ گے تو قیامت کو رسوا ہو گے۔ تم جواباً کہتے ہو، کوئی قیامت ہے تو ابھی لے آئیے۔ میرا کام قیامت قائم کرنا نہیں تمہیں بروقت خبر دینا ہے کہ قیامت کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہو۔

یہی بات اہل مکہ نے بھی کہی تھی۔ شیطان بنی آدم کا دشمن ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ کفار کے جن کلمات پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا عین وہی کلمات لوگوں کی زبان پر دوبارہ جاری کروائے۔ جو بات قوم عاد کے منکرین نے کہی تھی وہی اہلِ مکہ نے دوبارہ کہی۔ انہوں نے بیت اللہ کے پردے پکڑ کر کہا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال:32) اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق (سچا) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب بھیج۔ اللہ کریم نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال:33) اور اللہ ایسے نہ تھے کہ جب آپ ان میں تھے ان کو عذاب کرتے۔ کفار نے کہا تھا کہ جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں اگر یہ حق ہے، سچائی ہے تو ہم پر عذاب نازل فرما تو جواب آیا تھا کہ میرے حبیب! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس شہر میں بستے ہوں، اللہ کو پسند نہیں کہ وہاں عذاب

نازل کرے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت روئے زمین پر ہے تو روئے زمین کی ساری اقوام سے عمومی اجتماعی عذاب اٹھا لیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت عالی کی برکت سے دنیا میں کافر بھی مستفید ہوتے ہیں۔ کفارِ مکہ اور مشرکینِ مکہ کی دعا بھی ردّ نہ کی گئی۔ مکہ میں جزوی طور پر قحط پڑا۔ بدر میں مارے گئے۔ احد میں رسوا ہوئے۔ خندق میں شرمندہ ہو کر بھاگے اور پھر مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ لیکن وہ اجتماعی عذاب جو گزشتہ قوموں پر آئے تھے جن میں قوموں کی قومیں غرق ہو گئی تھیں، ان پر پتھر برسے تھے، آگ برسی تھی وہ اجتماعی عذاب اٹھا لیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ہستی ہیں کہ جن کی برکات سے نہ ماننے والے، نہ جانتے ہوئے بھی اجتماعی عذابوں سے دنیوی زندگی میں بچے ہوئے ہیں تو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھام لیتے ہیں، ان کو کیا کیا ملتا ہے؟

اس دامن میں کیا، کیا کچھ ہے

دامن، ہاتھ میں آئے تو

احقاف والوں کا ذکر جاری ہے۔ جب اپنے نبی علیہ السلام کے بار بار سمجھانے پر بھی انہوں نے حق کا انکار کیا اور انکار کے ساتھ عذاب کی فرمائش بھی کی اور بار بار کہتے رہے تو آسمان پر ایک بادل نمودار ہوا۔ بادل دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ صحرا میں بارش ایک نعمت ہے۔ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَمَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ سو ان لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے، یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ (نہیں!) بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔ چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے گھروں کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ بادل جسے دیکھ کر یہ بہت خوش ہوئے تھے وہ ان ٹیلوں، گھاٹیوں کی طرف آیا تو کہنے لگے بارش برسے گی فصلیں ہوں گی، پھل ہوں گے ملک خوش حال ہوگا۔ یہ تو ہمیں عذاب سے ڈرا رہے تھے۔ یہ بادل تو ہمیں نہال کر دے گا۔ دولت کی ریل پیل ہو جائے گی!

نہیں! اللہ نے تمہاری سن لی ہے۔ تم جو کہتے تھے کہ قیامت تو پتا نہیں کب آئے گی عذاب ابھی لے آؤ تو یہ بادل نہیں، یہ وہی ہے جو تم مانگ رہے تھے۔ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے وہ آرہا ہے۔ یہ ایک آندھی ہے جس میں بڑا دردناک عذاب ہے۔ جب وہ آندھی پہنچی تو چُن چُن کر نافرمانوں کو اٹھاتی اور پٹخ دیتی۔ اتنی تیز ہوا تھی کہ

انسانوں کے پرخچے اڑا دیے۔ پرندے، جانور اور اس علاقے کی زمینی مخلوق تباہ ہوگئی۔ ہوا نے اللہ کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اگلی صبح تک کوئی انسان بچا نہ حیوان۔ مکان، صحن، آبادیاں سب مردوں، لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ گناہگاروں کو اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

پرندے اور حیوان عذاب کا شکار ہوئے:

نافرمانوں اور سرکشوں کے ساتھ اس علاقے کی زمینی مخلوق، حیوان، پرندے، کیڑے مکوڑے تک عذاب کا شکار ہوگئے۔ ان کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ تمام حیوان، چرند پرند انسان سے وابستہ ہیں۔ اللہ پاک نے فرمادیا ہے کہ زمین پر جو کچھ پیدا کیا گیا ہے، سب انسان کی خدمت کے لیے ہے۔ یہ سارے انسان کے گھر کے مال اسباب کا حصّہ ہیں۔ جب کسی کا گھر تباہ کیا جاتا ہے تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ شیشہ، آئینہ توڑ دو اور پلنگ، بستر بچا لو۔ نہیں۔ ہر شئے تہس نہس ہو جاتی ہے۔ جب عذاب آتا ہے تو پورا گھر اجڑتا ہے۔ چرند پرند حیوان ساری مخلوق تباہ ہو جاتی ہے۔ اور اس سب کی ذمہ داری اس انسان پر آتی ہے جو اس عذاب کے لانے کا سبب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ جنگل میں کسی چڑیا کے انڈے یا بچے گیدڑ کھا جاتا ہے تو یہ بھی کسی بے نماز کے بے نماز ہونے کی نحوست ہے۔ یعنی انسانی کرتوتوں کے سبب جو تاریکی اور ظلمت اس انسان پر آتی ہے، دوسری مخلوق کو بھی متاثر کرتی ہے۔

وہ قومیں، آج سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں:

فرمایا: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ یقیناً ہم نے ان کو ایسے کاموں میں قدرت دی تھی جن میں تم لوگوں کو قدرت نہیں دی گئی۔ ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیے تھے۔ تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، چونکہ وہ لوگ اللہ کی آیات کا (ضد سے) انکار کرتے تھے۔ اور جس (عذاب) کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کو آن گھیرا۔

یہ آیۂ مبارکہ بتارہی ہے کہ گزشتہ اقوام مادّی ترقی میں وہ عروج حاصل کر چکی تھیں جہاں اس دور کے لوگ ابھی نہیں پہنچے لہٰذا بعد میں آنے والے یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے جہاز، راکٹ، انٹرنیٹ، موبائل فون جیسی ایجادات کرلیں تو وہ بہت ترقی کر گئے۔ ایسا نہیں ہے۔ اللہ کریم بتارہے ہیں کہ ہم نے انہیں ایسی مادّی ترقی دی کہ ابھی تم وہاں نہیں پہنچے۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ جہالت میں مارے گئے۔ انہیں بھی ہم نے دماغ دیا، شعور دیا، ذہانت دی۔ اور انہوں

نے ایسی ترقی کی لیکن اس دنیوی، ماڈی ترقی کے غرور نے انہیں گمراہ کر دیا۔ ہم نے انہیں بھی یہی ظاہری حواس دیے تھے۔ علوم ظاہری تک دسترس دی تھی۔ قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت عطا کی تھی۔ ان کے دل میں بھی لطیفہء ربانی عطا کیا تھا۔ ایک نازک، نورانی اور عالمِ امر کا حساس لطیفہ رکھا تھا۔ گوشت کا وہ لوتھڑا جو سارے بدن کو خون پہنچاتا ہے۔ اس کے اندر یہ لطیفہء ربانی ہے جسے قرآن نے وَاَفۡـِٕدَۃً کہا ہے۔ جسے آج کی سائنس سٹل ہارٹ SUBTLE HEART کہتی ہے۔ اسے کام میں لاتے تو اللہ کو پہچان لیتے۔ ان کے درمیان اللہ کے نبی علیہ السلام موجود تھے۔ چاہتے تو صحابیت کا درجہ پا لیتے۔ اللہ کے مقرب بن جاتے۔ اللہ نے ماڈی نعمتیں دی تھیں اور روحانی، باطنی استعداد بھی دی تھی لیکن وہ ایسے بدبخت تھے کہ انہی نعمتوں کے غرور میں آ کر دنیا میں ہی الجھ گئے۔ جو زینہ اللہ کی بارگاہ تک لے جاتا تھا وہ سیڑھی انہوں نے محض دنیا کے حصول کے لیے استعمال کر لی۔ قوتِ سماعت کو، قوتِ بصارت کو، حواس ظاہری کو اور باطنی استعداد کو بھی حصولِ دنیا میں لگا دیا لہٰذا انہیں نہ سماعت سے فائدہ ہوا نہ بصارت سے اور نہ ہی لطیفہء قلب ہی ان کے کام آ سکا۔ اعلیٰ چیز کو بڑے ادنیٰ سودے پر ضائع کر دیا۔ ہماری عطا کردہ ظاہری اور باطنی قوتوں سے رتی برابر فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ کیوں؟

اس کی وجہ اپنی ذات کی بڑائی ہے۔ اِذۡ کَانُوۡا یَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔۔۔ جب انہوں نے اللہ کی آیات سے مقابلہ شروع کر دیا۔ کفرِ جحودی یہ ہے کہ آدمی حقیقت کو سمجھ لے اور پھر بھی انکار کرے کیونکہ حق مان لینے سے اپنی رائے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ ابوجہل نے بھی یہی کہا تھا کہ میں جانتا ہوں وہ اللہ کا رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن مان لوں تو میں زیرو (ZERO) ہو جاؤں گا۔ میری حیثیت ختم ہو جائے گی۔ ہمیں اس کی بات ماننا ہو گی۔ پھر ہم کہاں گئے؟ مان لینے سے ہم نہیں رہتے۔

ابوجہل نے یہ فلسفہ زبانی بھی کہہ دیا تھا۔ ہم کہتے نہیں، کرتے ہیں۔ ہمارا فلسفہ بھی یہی ہے کہ اللہ کا حکم تو ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے، دین یہی ہے لیکن جو میں کہتا ہوں وہ بھی تو ہونا چاہیے! ہمارے ہر گناہ میں یہ جذبہ شامل ہے کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ چلیں ہم میں کم ہو گا، ابوجہل میں زیادہ تھا لیکن ہمارا عمل یہی ثابت کرتا ہے۔ کسی کا اقتباس تھا۔ ان پر کسی نے سوال کیا کہ علما بہت وعظ کرتے ہیں، اثر کیوں نہیں ہوتا؟ لوگوں میں تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ اس اللہ کے بندے نے بہت صحیح جواب دیا کہ ہمارا واعظ کہتا ہے اللہ عظیم ہے، اللہ کی بات مانو! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مانو، اللہ کی اطاعت کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو اچھی بات ہے اور ساتھ کچھ میری بھی مانو! جب یہ بات کہی جاتی ہے تو لوگ کھسک جاتے ہیں۔ کہتے ہیں تمہاری مانیں تو ہم بھی کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔ تمہاری بات ماننے کی بجائے ہم اپنی مرضی کریں تو بہتر ہے۔ اس نے کہا

اس وجہ سے واعظ کی بات کا اثر نہیں ہوتا اگر مولوی اسی بات پر رہتا کہ اللہ کی مانو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانو تو لوگ اس کی بات مان لیتے۔ بات خلوص سے کی جائے، دردِ دل سے کی جائے تو خالی نہیں جاتی! اللہ کا کوئی نہ کوئی بندہ اسے ضرور قبول کر لیتا ہے۔

یہ آیہء کریمہ اسی بات کا ذکر کر رہی ہے کہ اللہ نے تو انہیں حواس ظاہری دیے تھے، باطنی استعداد دی تھی وہ چاہتے تو اللہ کا قرب پا سکتے تھے۔ وہ انہوں نے ویسے چھوڑ دیا اور جب عذاب آیا تو مادی نعمتیں بھی چھن گئیں ان کے کام سماعت آئی نہ بصارت نہ دل کام آیا۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا جانتے بوجھتے انکار کرتے تھے۔ وہ اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔ یہ بات اللہ کو پسند نہیں۔

وہ اللہ کے مواخذہ کرنے کا، قیامت کے حساب کتاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ مذاق ان کے گلے پڑ گیا۔ قرآن حکیم ہمیں یہ واقعات سنا کر سبق دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ کریم نے حواسِ ظاہری عطا کیے ہیں ہم ان کا صحیح استعمال کریں۔ زبان گویائی کے لیے عطا کی ہے۔ اس سے اللہ کی تعریف بیان کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں۔ تلاوتِ قرآن کریں، تسبیح پڑھیں، دعا دیں، نصیحت کریں۔ اور اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لے، گالی دے، جھوٹ بولے تو اللہ کریم مواخذہ کر لیں گے۔ جس طرح ایک فوجی کو اسلحہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ مشق کرے، ٹریننگ حاصل کرے اور ملک کا دفاع کرے۔ اگر وہی فوجی اسلحہ لے کر ڈاکے مارے، ملک کو لوٹے تو کیا ہوگا؟ اس کی سزا عام آدمی سے کئی گنا زیادہ بڑھ جائے گی۔

اللہ کریم توفیق دیں ظاہری اور باطنی حواس سے فائدہ اٹھا کر قربِ الٰہی پائیں۔ دنیا بھی باعزت گزاریں اور آخرت کی سرخروئی نصیب ہو۔

سورۃ الاحقاف رکوع 4 آیات 27 تا 35

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾
فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ
وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا اِلٰى
قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِىْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَاۤ
اَجِيْبُوْا دَاعِىَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِىَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ
دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ
عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ
هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ
لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ
بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی تباہ کی ہیں اور بار بار (اپنی)
نشانیاں بھی ظاہر کیں تاکہ وہ رجوع کریں ﴿۲۷﴾ سو اللہ کے سوا جن کو ان لوگوں
نے (اللہ کا) قرب حاصل کرنے کے لیے (اپنا) معبود بنا رکھا ہے، انہوں نے ان
کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے اور یہ محض ان کا جھوٹ تھا اور ان کی
گھڑی ہوئی بات ﴿۲۸﴾ اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص آپ کی طرف
متوجہ فرمائے کہ قرآن سنیں پس جب وہ اس (قرآن) کے پاس آئے تو کہنے لگے
خاموش رہو پھر جب (قرآن) پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے اس کے
پاس گئے ﴿۲۹﴾ کہنے لگے اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے
جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل فرمائی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی
تصدیق کرتی ہے (اور) حق اور راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے ﴿۳۰﴾
اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ
وہ (اللہ) تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ
رکھیں گے ﴿۳۱﴾ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین
میں (چھپ کر یا بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتا اور اُس (اللہ) کے سوا اس کے کوئی
حامی بھی نہ ہوں گے ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں ﴿۳۲﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے
نہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا کرنے
میں تھکا نہیں وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے کیوں نہیں!
بے شک وہ ہر چیز پہ قادر ہے ﴿۳۳﴾ اور جس دن کافر آگ کے سامنے پیش کیے
جائیں گے (پوچھا جائے گا) کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کہیں گے ہاں! ہمارے پروردگار
کی قسم۔ ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) انکار کیا کرتے تھے تو (اس لیے) اب عذاب
(کے مزے) چکھو ﴿۳۴﴾ پس آپ صبر کیجیے جیسے اور باہمت پیغمبروں نے صبر کیا
تھا اور ان لوگوں کے لیے (عذاب کی) جلدی نہ کیجیے کہ جس روز یہ اس چیز کو دیکھیں
گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو (خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) رہے ہی

نہ تھے مگر گھڑی بھر دن یہ (قرآن) پیغام ہے۔ سو وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے ﴿۳۵﴾

تفسیر ومعارف

فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی تباہ کی ہیں اور بار بار (اپنی) نشانیاں بھی ظاہر کیں تا کہ وہ رجوع کریں۔

نزولِ قرآن کے وقت چونکہ پہلے مخاطب اہلِ مکہ اور اہلِ عرب تھے تو ان کی آبادیوں کے گرداگرد بے شمار تباہ شدہ اقوامِ عالم کے آثار اور نشانات موجود تھے۔ قرآن چونکہ ساری انسانیت کے لیے، سارے زمانوں کے لیے ہے تو سب کی عبرت کے لیے ایک ہی بات کافی ہے کہ عموماً ہر آبادی سے پہلے قبرستان آتا ہے۔ فرمایا، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ تمہارے اردگرد کتنے لوگ تھے۔ کتنی کرّوفر سے رہنے والے تھے۔ کہاں گئے، کیا ہوا؟ تمہارے اردگرد کتنی آبادیاں تباہ ہو چکی ہیں، کتنے لوگ لقمہء اجل بن چکے۔ دنیا کی ہر آبادی اپنے دامن میں بڑے بڑے قبرستان لیے بیٹھی ہے۔ ان میں سارے بنی آدم ہی دفن ہیں۔ تم کب تک رہو گے؟ زندگی کا سفر ہی یہی ہے۔ اگلی منزل قبر ہے۔ ہم نے یہ سارے دلائل بکھیر دیے ہیں تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں، رجوع الی اللہ کریں۔ حقائق کی دنیا میں آئیں۔ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھیں۔ عقیدے، نظریے اور کردار کے نتائج پر نظر کریں۔ وقتی لذات پر ہی نہ رہیں۔

فرمایا: فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾ سو اللہ کے سوا جن لوگوں کو ان لوگوں نے (اللہ کا) قرب حاصل کرنے کے لیے (اپنا) معبود بنا رکھا ہے، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی۔ بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے۔ اور یہ محض ان کا جھوٹ تھا اور ان کی گھڑی ہوئی بات۔

دنیا میں ایسے بڑے بڑے گمراہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیوی مال و دولت جمع کرنے کے لیے عجیب وغریب نظریے ایجاد کیے، فرقے بنائے اور لوگ ان کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں نے ان کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیے۔ اس طرح ان کا ایک طرح سے اقتدار قائم ہو گیا۔ جو وہ کہتے تھے، لوگ وہی کرتے تھے۔ بتوں کے پجاریوں کو یہ دھوکا دیا گیا کہ اس بُت کی پوجا کرو تو یہ اللہ کا قرب عطا کر دے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ دنیا کے کاموں میں ہر کوئی دھوکا کھانے سے بچتا ہے۔ دین کے معاملے میں اتنا لاپروا ہے کہ دھوکا کھا جاتا ہے۔ اسے کہا جائے کہ فلاں بُت

کو سجدہ کرو فلاں قبر پرست کو اتنے پیسے دے دو، فلاں کے قدم چوم لو تو یہ اللہ کو راضی کر لے گا۔تم بس چڑھاوے چڑھاؤ، نذر نیاز دو، بتوں کو سجدے کرو۔ اللہ کو یہ راضی کرلیں گے۔ فرمایا، جب موت آئی، برزخ میں داخل ہوئے تو وہ جنہیں وسیلہءقرب سمجھتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آئے۔

قربِ الٰہی کا دنیا میں ایک ہی راستہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا ہر نبیؑ معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے لیکن سارے دروازے بند ہو چکے۔ ایک ہی دروازہ باقی ہے وہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم!

فرمایا، جنہیں یہ اللہ کے علاوہ پوجتے تھے، جن کی غیر مشروط اطاعت کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ انہیں اللہ کا قرب دلا دیں گے وہ سب ان سے غائب ہو گئے۔ آج تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔ دراصل یہ ان کا محض وہم تھا۔ یہ اپنے آپ سے جھوٹ بولتے رہے۔ دنیوی کاموں میں تو پکے رہے۔ دین کے معاملے میں اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا! دنیا میں کوئی کہے کہ تم دفتر نہ جایا کرو، تمہاری تنخواہ گھر آ جایا کرے گی تو کوئی نہیں مانتا سب کو پتا ہے دفتر نہیں گیا تو غیر حاضری ہوگی، نوکری بھی جاتی رہے گی۔ دین کے معاملے میں اتنے سادہ بن جاتے ہیں کہ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ دین میں بھی اپنا کام خود کرنا ہے۔ دین کے معاملے میں بھی اسی چستی کی ضرورت ہے کیونکہ حیات بعد الموت حقیقت ہے۔ وہاں حقائق کا سامنا کرنا ہوگا۔ قصے کہانیوں کی باتیں کام نہیں آئیں گی۔ انسان تو اللہ کی اعلیٰ ترین مخلوق ہے، انسانی حواسِ ظاہری جیسے کسی اور مخلوق کے پاس نہیں۔ اور حواسِ باطنی تو صرف انسان کا خاصہ ہیں۔ ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق معرفتِ الٰہی کو پالیتا ہے۔ یہ تو انسان ہیں، جنات کو دیکھ لو!

جنات میں صرف روحِ حیوانی ہے:

فرمایا: وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص آپ کی طرف متوجہ فرمائے کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ اس (قرآن) کے پاس آئے تو کہنے لگے خاموش رہو۔ پھر جب (قرآن) پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے اس کے پاس گئے۔

جنوں کو اللہ کریم نے کیفیات باطنی کے حصول کی استعداد نہیں دی۔ وہ لطائف، کیفیات اور انوارات حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ صرف ظاہر کے مکلف ہیں۔ ایمان لائیں، شریعت کا اتباع کریں۔ ظاہری علوم حاصل کر سکتے ہیں۔ مدارس میں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ علما کی تقریر سن کر دین سیکھ سکتے ہیں، عمل کر سکتے ہیں۔

کیفیاتِ باطنی صرف انسان کا حصہ ہیں کیونکہ نبوت صرف انسانوں میں ہے۔ نبوت وہ نور ہے جو

استعدادِ معرفت دیتی ہے۔ معرفتِ الٰہی کی استعداد صرف نوع انسانی میں ہے۔ انسان کی روح عالم امر سے ہے۔ انسان کی روح میں عالم امر کے لطائف ہیں۔ صرف انسان ہی روحانی کمالات حاصل کر سکتا ہے کیونکہ صرف اسی میں عالمِ امر کی روح ہے۔ باقی ساری مخلوق میں صرف روحِ حیوانی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا کرم تو ایسا بحر بیکراں ہے کہ جنّات بھی مستفید ہوتے ہیں تو جو انسان ہو کر مستفید نہ ہو وہ کہاں کھڑا ہے؟

جنات بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے آسمان پر چلے جاتے تھے۔ آسمان میں اپنی نشستیں بنا لیتے پھر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے۔ کوئی سن گن پا لیتے تو زمین پر آتے اور عاملوں کو بتاتے۔ وہ جنّات اس ایک آدھ جملے کے ساتھ بیسویں باتیں اپنی طرف سے ملاتے اور لوگوں کو بتاتے۔

جب بعثتِ عالی ہوئی تو جنّات کا آسمانوں پر جانا روک دیا گیا۔ جو اوپر جاتا اس پر شہاب ثاقب لپکتا اور اسے جلا کر راکھ کر دیتا۔ ان میں ایک بے چینی پیدا ہوئی کہ دنیا میں ایسا نیا کام ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ تبدیلی آئی ہے تو انہوں نے طے کیا کہ مختلف جماعتیں بن کر زمین میں پھیل جاؤ اور تلاش کرو، اس کا کوئی سبب زمین پر ہوگا جس کے اثرات آسمان پر ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت وہاں پہنچی جہاں بطنِ وادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے اس وقت یہ جگہ شہر سے باہر تھی بعد میں وہاں مسجد بنا دی گئی۔ اس کا نام ہی مسجد جن ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد بار جنّات حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دین سیکھا اور ایمان لائے۔ جب بطنِ وادی میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن سنا تو ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ اور آرام سے سنو۔ چپ چاپ کھڑے ہوئے اور سنتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت مکمل ہوگئی تو وہ نہ صرف ایمان لائے بلکہ مبلغِ اسلام بن کر قوم کی طرف چلے گئے۔

مقامِ فکر ہے کہ جنّات میں لطائفِ ربانی نہیں۔ استعدادِ معرفت نہیں، نبوت نہیں لیکن جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے قرآن سنا تو ان کے دل بدل گئے۔ انسان، انسان ہو کر کیوں نہیں بدلتے؟

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ کہنے لگے اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل فرمائی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور) حق اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ انہوں نے جا کر اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! ہم ایک ایسی کتاب سے کلام سن کر آرہے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جو شرینی اور لذت تورات کے سننے سے ملتی تھی وہی اس کتاب کے سننے میں ہے۔ یہ اپنے سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ وہی

بات کہتی ہے کہ اللہ واحد و لاشریک ہے۔ وہ خالق، قادر، مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کتاب پوری زندگی کا نصاب بتاتی ہے۔ عقائد و نظریات میں اور اعمال و کردار میں حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ زندگی گزارنے کا بالکل ٹھیک سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ معیشت سے معاشرت تک۔ عدالت سے سیاست تک زندگی کے سب شعبوں میں حق کا راستہ دکھاتی ہے۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ (اللہ) تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔ جنات اپنی قوم کو دعوت دی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرلو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لو گے تو اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور تم ہمیشہ کے دردناک عذابوں سے بچ جاؤ گے۔

جنّات نجات پا کر عذاب سے بچ جائیں گے:

اس آیہء مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ جنات کو شریعت کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے لیکن جو شریعت کا اتباع کرے گا اس کو عذاب سے بچا لیا جائے گا اور جو اتباع نہیں کرے گا وہ عذاب پائے گا۔ جنت کی بشارت انہیں نہیں دی۔ انسانوں کی جہاں بھی بات کی گئی وہاں کافر، بدکار کو جہنم کی وعید سنائی گئی اور مومن نیکوکار کو جنت کی بشارت دی گئی۔ پورے قرآن کریم میں کہیں بھی جنات کو جنت کی بشارت نہیں دی گئی۔ اس لیے کہ جنات کی زندگی کو دوام نہیں ہے۔ جنات کی روح عالمِ امر سے نہیں ہے۔ بلکہ مادّی اجزا کے ملنے سے جو تبخیر، بخارات بنتے ہیں اسے روحِ حیوانی کہتے ہیں یعنی وہ روح جو حیات کو قائم رکھتی ہے۔ انسان کے علاوہ باقی ساری مخلوق میں روحِ حیوانی ہے۔ جنات کے وجود ختم کر دیے جائیں گے تو ان کی روحِ حیوانی بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اجزائے بدن سے ہی مل کر بنی تھی۔

انسان میں روحِ حیوانی کے ساتھ عالمِ امر کی روح بھی ہے۔ اسے فنا نہیں۔ روح نے باقی رہنا ہے تو اس کے ساتھ رشتہ کی وجہ سے بدن بھی باقی رہے گا۔ خواہ مادّے کی کسی شکل میں رہے۔ انسان کبھی فنا نہیں ہوگا۔ چونکہ جنوں میں نبوت نہیں ہے اس لیے وہ انوارات و کیفیات حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ ان انوارات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ بعض علمانے کمزور سا خیال ظاہر کیا ہے کہ جن بھی جنت جائیں گے لیکن ان کی دلیل وزنی نہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ جنات کی زندگی محض دنیوی زندگی ہے۔ جو اطاعت کرے گا وہ نجات پائے گا جو نہیں کرے گا وہ عذاب بھگتے گا۔

پھر انہوں نے کہا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہیں کرے گا وہ اللہ کے عذابوں سے بچ نہیں سکے گا۔ فرمایا: وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءُ ۚ أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین میں (چھپ کر یا بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتا اور اس (اللہ) کے سوا اس کے کوئی حامی بھی نہیں ہوں گے۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

جِنّات میں طاقت ہے کہ پل بھر میں ساری زمین پھر جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے اندر گھس جاتے ہیں، زمین کے اندر چلے جاتے ہیں۔ آسمانوں تک پرواز کر لیتے اور سمندروں کی تہہ میں اتر جاتے۔ انہوں نے اپنی قوم یعنی جنات سے کہا کہ تم میں جو یہ بھاگنے دوڑنے کی قوت ہے یہ تمہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتی۔ جہاں جاؤ گے اللہ ہی کے دائرہ اختیار میں رہو گے۔ بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لو۔

جِنّات کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔ خصوصاً ابلیس کو تو اللہ سے قیامِ قیامت تک کی مہلت دے دی۔ جب قیامت آئے گی اسے بھی موت آئے گی۔ اس کی اولاد بھی ہزاروں برس جیتی ہے۔ کتاب حیات الحیوان کے مصنف نے ایک حوالہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ضعیف جن حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ اور عرض کیا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھی جایا کرتا تھا۔ آپؑ نے فرمایا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاؤں تو آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچاؤں۔ آپ قبول فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم کون ہو، تمہاری عمر کتنی ہے؟ اس نے عرض کی میں ابلیس کا پوتا ہوں لیکن مجھے اللہ نے نورِ ایمان عطا کر دیا۔ مجھے اپنی عمر سالوں میں تو یاد نہیں البتہ مجھے وہ واقعہ یاد ہے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ میں اس وقت کھیلتا پھرتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ ان کے پاس جِنّات آئے۔ کسی شرعی مسئلے کے لیے انہیں ساتھ لے گئے جہاں جِنّات کا بادشاہ تھا، اس کے مصاحبین تھے۔ ایک انسان کو پکڑ کر وہاں لائے ہوئے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس شخص نے ایک سانپ کو مار دیا تھا وہ سانپ دراصل جن تھا جو سانپ کی شکل میں پھر رہا تھا تو اس نے سانپ سمجھ کر مار دیا۔ جِنّات چاہتے تھے کہ اس شخص کو قتل کر دیں اس کے لیے وہ شرعی دلیل چاہتے تھے۔ یہ مسلمان تھے اور چاہتے تھے کہ اس شخص کے ساتھ اسلام کے مطابق ہی معاملہ کیا جائے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک واقعہ بیان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا۔ بتایا کہ مدینہ منورہ میں ایک صحابیؓ باہر سے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے دیکھا کہ اہلیہ گھر کے باہر صحن میں کھڑی شور کر رہی تھی اور بے پردہ تھی۔ وہ بڑے ناراض ہوئے، اس نے اشارہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بڑا سانپ پھن اٹھائے صحن میں گھوم رہا تھا اور

خوب پھنکار رہا تھا انہوں نے تلوار کا وار کر کے سانپ کو دو ٹکڑے کر دیا۔ وہ سانپ جن تھا۔ جب انہوں نے سانپ کو مارا تو جنوں نے صحابیؓ کو شہید کر دیا۔ صحابہ کرامؓ انؓ کی میت بارگاہِ رسالت میں لے گئے اور عرض کی کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ اسے پھر سے زندگی دے دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ نے فرمایا، یہ شہید ہو گیا ہے۔ اسے شہید کے درجات مل گئے ہیں۔ اللہ قادر ہے۔ میں دعا کروں گا تو اللہ اسے زندگی عطا کر دیں گے لیکن تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ پھر وہ ایسی موت اور ایسے درجات پا سکے گا؟ صحابہؓ نے عرض کی پھر اس کے لیے یہی درجات ٹھیک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ آئیندہ جو جن کسی موذی جانور کی شکل میں متشکل ہو جیسے سانپ یا کوئی ایذا دینے والا جانور اور وہ انسانوں کے ہاتھوں مارا جائے تو اس کا کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ آئیندہ کے لیے یاد رکھا جائے کہ جنات انسانی آبادیوں میں سانپ اور دیگر موذی جانور بن کر داخل نہ ہوں۔ جو نظر آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے جب انہیں یہ واقعہ سنایا اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس شخص نے سانپ کو مارا ہے تو یہ اس کا شرعی حق تھا۔ آپ اس سے قصاص نہیں لے سکتے۔ اس پر ایک بوڑھا جن جو پاس ہی بیٹھا تھا، متوجہ ہوا۔ اس نے اپنی انگلیوں سے اپنی بھوئیں اٹھا کر آنکھیں کھولیں، مجھے دیکھ کر کہنے لگا آپ پر اللہ اپنا کرم فرمائے۔ آپ کے یاد دلانے پر مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا۔ جب یہ واقعہ ہوا تھا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں موجود تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھے بات یاد نہیں رہتی۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں، میں تابعی ہوں، میں نے صحابیؓ جن کو دیکھا ہے۔

سوچنے کی بات:

جنات کی عمریں طویل ہوتی ہیں لیکن ان میں دلوں کی روشنی، انواراتِ باری، جمالِ الٰہی، برزخ کی سیر، روحانی رابطے، عالمِ امر تک رسائی، استعدادِ معرفت۔ یہ ان کے حصے میں نہیں آئی۔ یہ صرف انسان کا حصہ ہے۔ سوچنے کی بات ہے جن کو یہ استعداد نہیں دی، وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو رہے ہیں اور یہ کفار و مشرکین، انسان ہو کر بھاگ رہے ہیں، یہ کیسے انسان ہیں؟ جنات نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم بھاگو گے بھی تو کہاں جاؤ گے؟ زمین میں، چھپو گے، سمندروں میں اتر جاؤ گے، پہاڑوں میں چھپ جاؤ گے، لیکن اللہ کی گرفت سے کیسے بچو گے؟ اللہ کی حکمرانی تو ہر جگہ ہے۔ اور جو بھاگے گا، اسے پناہ دینے والا، کوئی دوست، ہمدرد یا حمایتی نہیں ہوگا! ایسے لوگ بڑی واضح گمراہی میں ہوں گے۔

کفار و مشرکین کو وہم ہوتا ہے کہ مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر کیسے زندہ ہوں گے؟ یہ اسی لیے ہوتا ہے کہ

اللہ، قادرِ مطلق پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیوں کی پروا نہیں کرتے فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔۔۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا کرنے میں تھکا نہیں۔ اللہ کی کتنی وسیع کائنات ہے، اس میں کتنی مخلوق بستی ہے۔ آسمانوں کی الگ بستی ہے۔ ان کی زندگی الگ، موسم جدا، صحت بیماری فرق، غذا دوا کچھ اور! ان کی مصروفیات فرق ہیں اور کام الگ ہیں۔ ستاروں، سیاروں کی الگ دنیا ہے۔ زمین پر الگ جہان ہے، الگ ضرورتیں ہیں، الگ فرائض ہیں۔ ہر ذرّہ اس کی مخلوق ہے۔ ہر ذرّے میں حیات ہے۔ ہر قطرۂ آب میں سینکڑوں ذرّات ہیں جو مل کر پانی بنتے ہیں۔ ان کی جو جدید تصاویر آئی ہیں، دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ہر ایک کے نقش ونگار اور ڈیزائین الگ ہیں اور کیا خوبصورت صورتیں دی ہیں! یہی فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس قادرِ کریم نے ان گنت مخلوق پیدا کی ہے۔ آسمان میں بھی اور زمین میں بھی۔

وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾ اور ان کے پیدا کرنے میں تھکا نہیں۔ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ قادرِ مطلق جس نے کائنات کو عدم سے وجود بخشا۔ وہ تھک نہیں گیا۔ تم سب تو مر کر مادّے کی کسی شکل میں ہی رہو گے۔ اس نے تو تمہیں تب بنایا جب مادّہ بھی نہیں تھا تو اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ تمہیں کیوں شبہ ہے کہ تم دوبارہ زندہ نہیں ہو سکو گے۔ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ پکی بات ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے ہو جاتا ہے۔

انسان سوچے تو سہی کہ اللہ کریم نے انسان کی ہدایت کے لیے انبیاؑ مبعوث فرمائے۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے نبیؑ اللہ ہی کا پیغام پہنچاتے رہے اور منکرین اسے غلط کہتے رہے۔ ان کی حیثیت کیا ہے کہ ان کی بات مانی جائے۔ ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تو دین کے معاملے میں اپنی پسند سے کچھ نہیں فرماتے۔ ذرّہ برابر کلام نہیں فرماتے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم: 4) صرف وہی ارشاد فرماتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔ نبیؑ کے پاس تو وحی دلیل ہوتی ہے۔ ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ دنیا کے لیے تو ان کے قانون ہیں کہ جو چیز جس نے بنائی ہے اس نے اس کا مقصد بتایا ہے اس کے استعمال کا درست طریقہ مقرر کیا ہے۔ اس قانون کو تو مانتے ہیں۔ اسی پر عمل کرتے ہیں اور جس خالقِ کائنات نے کائنات بنائی ہے اس میں رہنے سہنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ اپنی معرفت کی استعداد دی ہے اس کے پیغام کو غلط کہتے ہو تو پھر سنو!

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور جس دن کافر آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (پوچھا جائے گا) کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کہیں گے ہاں! ہمارے پروردگار کی قسم۔ ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) انکار کیا کرتے تھے تو (اس لیے) اب عذاب (کے مزے) چکھو۔

سنو کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اللہ کے پیغام کو غلط کہنے والوں کو جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر پوچھا جائے گا، اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم تک پیغامِ حق پہنچا دیا تھا تو کیا یہ وہی بات نہیں جو انہوں نے بتائی تھی؟ کیا یہ آگ نہیں؟ کہیں گے کہ بالکل ایسا ہی ہے! ارشاد ہوگا آج اس انجام کو بھگتو۔ جب ایمان لانے کا وقت تھا تم کفر کرتے رہے۔ اللہ کی اطاعت کا مرحلہ آیا تو تم نے حرام کو حلال پر ترجیح دی۔ تم نے ایمان پر کفر کو ترجیح دی، اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی خواہشاتِ نفس کے اتباع کو ترجیح دی جس کا نتیجہ یہ ہے۔ اب ماننا تمہاری مجبوری ہے۔ جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر کیسے انکار کرو گے۔ اب اس عذاب کے مزے چکھو!

یہ تمہارے انکار کرنے کا انجام ہے۔ تم نے زندگی میں اپنے لیے جو راستہ چنا تھا یہ اس کی منزل ہے۔ ہر راستے پر چلنے والا بالآخر منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ تمہارا راستہ ختم ہوا اور تم اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ کسی نے تمہیں دھکیل کر جہنم میں نہیں پھینکا یہ تمہاری اپنی پسند تھی، اپنے نظریات دیکھو، اعمال دیکھو، اس کا نتیجہ دیکھو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، بے مثل و بے مثال ہیں:

فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ پس آپ صبر کیجیے جیسے اور باہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لیے (عذاب کی) جلدی نہ کیجیے کہ جس روز یہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو (خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر دن۔ یہ (قرآن) پیغام ہے۔ سو وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ جلیلہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ بھی صبر کیجیے جیسا کہ آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے کسی نتیجے کی بہت جلد امید نہ رکھیے۔ اس خطاب سے مراد یہ ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو اور تعلیم دی جارہی ہے، ساری امت کو!

ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادم ہونے کے دعویدار ہیں، ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچا رہے ہیں ہمارا رویہ یہ ہے کہ چند دن کی تبلیغ کے بعد کوئی ہماری بات نہ سنے تو ہم اس کے خلاف ہو جاتے ہیں، اس کے لیے بدخواہ ہو جاتے ہیں کہ ہماری بات نہیں سنتا تو اس کا بُرا ہو۔ ہمیں سمجھایا جا رہا ہے کہ تبلیغ کو سعادت سمجھو۔ تم نے بات پہنچا دی۔ تمہارا کام ہو گیا۔ نتائج کے لیے اللہ کے در سے امید رکھو۔ اپنی فکر کرو، اپنے آپ کو دین پر قائم رکھو۔ حق پر قائم رہنے کے لیے ہر دنیوی دکھ تکلیف کا مقابلہ کرو اور صراطِ مستقیم پر پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دو۔ حق پر جم کر زندگی گزارو۔ اندیشوں، وسوسوں، اوہام اور خیالات کی وجہ سے بھٹکنے نہ پاؤ کہ حق پر قائم رہوں گا تو فلاں، نوکری سے نکال دے گا۔ میں اس لیے شریعت چھوڑ دوں فلاں تکلیف دے گا۔ نہیں۔ حوصلہ کرو، صبر کرو، جم جاؤ اور نتائج کے لیے پریشان نہ ہو، جلدی نہ مچاؤ۔ نتائج اپنے وقت پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں بیج بوئے اور بیٹھ جائے کہ شام تک اس پر فصل اُگ آئے گی۔ ایسا تو نہیں ہوگا۔ ہر چیز ایک ترتیب، طریقے اور سلیقے سے نشوونما پاتی ہے۔ اپنا وقت لے کر تیار ہوتی ہے۔ دنیا کھیتی ہے، تم اس میں بیج بو رہے ہو۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھل لائے گا۔ اسے پکنے دو، انتظار کرو۔ دنیا کی زندگی کی حقیقت آخرت میں کھل جائے گی جب ایک نہ ختم ہونے والی زندگی سامنے آجائے گی۔ دنیا میں کوئی سو سال جی لے یا ہزار سال گنتی کے سال ہی ہوئے ان دنوں سے اس زندگی کی کیا مناسبت جنہوں نے کبھی ختم ہی نہیں ہونا۔ جب قیامت کو دیکھیں گے اور ابدی زندگی کا اندازہ ہو جائے گا تب انہیں سمجھ آئے گی کہ ہم تو دنیا میں پہر بھر ہی رہے ہوں گے۔

بلاغت، کلامِ الٰہی کا خاصہ ہے:

مختصر الفاظ میں مکمل بات سمجھا دینا۔ کسی پہلو سے تشنگی نہ رہنے دینا۔ بات کی گہرائی تک کو سمجھا دینا۔ بات کا مکمل احاطہ کر دینا۔ اسے دل تک پہنچا دینا۔ دلائل کے اعتبار سے مکمل ہونا۔ یہ بلاغت کلامِ الٰہی کا خاصہ ہے۔ اللہ کا پیغام، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہنچایا، زندگی کے ہر سوال کا بہترین جواب عطا فرمایا ہے۔ اللہ کا اس سے بڑا احسان کیا ہو سکتا ہے؟ جس نے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھام لیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ اسے کوئی خطرہ نہیں!

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۳۵ وہی تباہ ہوئے جنہوں نے بے راہ روی اختیار کی، فسق کا راستہ اپنایا۔ قرآن کے طرزِ حیات کو چھوڑا۔ قرآن کے عقائد و اعمال کے خلاف عقیدے اور اعمال ایجاد کیے۔

اللہ کریم نے بات پہنچانے کی انتہا کر دی، حد کر دی۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کمال کو پہنچا دیا۔ زندگی کی راہنمائی کر دی۔ عقیدے، نظریے، فکر اور سوچ کو مکمل راہنمائی دے دی۔ جینے مرنے کے سارے ضابطے بتا دیے۔ جو اس نظریے اور اس طرزِ حیات کو چھوڑے گا وہ تباہ ہوگا۔ صاف بات ہے، کوئی ابہام نہیں۔ اور وہی ہلاک ہوئے جنہوں نے اپنی مرضی کی اور نہ مانا۔ کائنات رب العالمین کی ہے۔ انہوں نے اس میں اپنی مرضی ٹھونسنا چاہی۔ یہ کوئی معمولی جرم نہیں۔ جو اللہ کے مقابلے میں آ گیا اور کہا اب (اللہ جل شانہٗ) کی بات نہیں چلے گی، میری چلے گی تو دیکھ لو! اس کا نتیجہ بھگتنا پڑ گیا۔

سورۃ محمد رکوع 1 آیات 1 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا
الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿٣﴾ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى
اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ
الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۭ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟
بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾
سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿١١﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا (اللہ نے) ان کے اعمال
برباد کردیے ﴿۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور وہ اس سب پر

ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے (اللہ نے) ان سے ان کے گناہ دور کردیئے اور ان کی حالت سنوار دی ﴿۲﴾ یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے جھوٹ کی پیروی کی اور یہ کہ جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں ﴿۳﴾ پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو گرفتار ہوں انہیں) مضبوطی سے قید کرلو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے (چھوڑ دو) اور یا معاوضہ لے کر، یہاں تک کہ لڑائی (فریق مقابل) اپنے ہتھیار پھینک دے یہ (حکم) ہے اور اگر اللہ چاہتے تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتے ولیکن تا کہ تم میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے (مقابلہ کروا کے) آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو وہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ فرمائیں گے ﴿۴﴾ ان کو سیدھے رستے پر چلائیں گے اور ان کی حالت درست رکھیں گے ﴿۵﴾ اور ان کو بہشت میں داخل فرمائیں گے جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے ﴿۶﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریں گے اور تم کو ثابت قدم رکھیں گے ﴿۷﴾ اور جو لوگ کافر ہیں تو ان کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال کو برباد کردیں گے ﴿۸﴾ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناپسند کیا سو اُس نے ان کے اعمال کو برباد کردیا ﴿۹﴾ تو کیا انہوں نے دنیا میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لیے ایسا ہی ہوگا ﴿۱۰﴾ یہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز اللہ ہے اور یہ کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں ﴿۱۱﴾

تفسیر و معارف

یہ سورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے نامِ نامی پر نازل ہوئی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامِ نامی

لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

کفار اور مومنین:

کفار اور مومنین، دو مختلف قومیں ہیں جو دو مختلف راستوں پر گامزن ہیں جن کی دو مختلف منزلیں ہوں گی۔ کفر کا خاصہ اللہ کی راہ سے روکنا ہے اور ایمان کا خاصہ، ایمان لانے اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی راہیں آسان کرنا ہے۔ فرمایا: اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ① جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا (اللہ نے) ان کے اعمال برباد کردیئے۔

جو لوگ انکار کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، ان کی نیکیاں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔ بعض کام ایسے ہیں جو فی نفسہٖ اچھے کام ہیں اور ہر قوم اسے نیکی سمجھتی ہے خواہ وہ مذہب حق ہو یا مذہبِ باطل۔ جیسے، غریب کی مدد کرنا، سڑک بنوا دینا، ہسپتال بنوا دینا، کنواں یا نہر جاری کروا دینا، پانی دستیاب کروا دینا۔ ایسے ہی کاروبار میں دیانت کرنا وغیرہ انہیں ہر کوئی نیکی سمجھتا ہے اور کافر، حالتِ کفر میں ایسی بھلائیاں کر گزرتا ہے۔ فرمایا، ان کے اعمال میں اگر کوئی بھلائی ہوگی تو آخرت میں کام نہیں آئے گی۔ وہاں گویا انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کو مانتا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آخرت کے بارے جو کچھ فرما دیا اس پر اس کا ایمان نہیں لہٰذا وہ آخرت کو جانتا نہیں نہ مانتا ہے۔ جب اس نے آخرت کے لیے کیا ہی نہیں تو آخرت میں اس کو کیا ملے گا؟ کافر جو بھلائی بھی کرتا ہے کسی دنیوی مقصد کے لیے کرتا ہے۔ نیکی بھی کرتا ہے تو شہرت مراد ہوتی ہے یا کسی بیماری سے نجات مقصد ہوتا ہے یا کوئی کاروباری منافع مقصود ہوتا ہے یا کوئی اور دنیوی طلب ہوتی ہے۔

یہ رسم اب ہم میں بھی دَر آئی ہے۔ ہم بھی اللہ کی رضا کے لیے کم سوچتے ہیں، دنیوی مقاصد کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں، کوئی وظیفہ بتائیں، پیسے زیادہ آجائیں، قرض اتارنے کا وظیفہ بتا دیں، فلاں مسئلہ حل ہو جائے وغیرہ۔

سب سے اعلیٰ وظیفہ:

میں عرض کرتا ہوں کہ سب سے بڑا، اعلیٰ، کارآمد اور کارگر وظیفہ، اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ یہ وہ وظیفہ ہے جو یقینی اثر کرتا ہے۔ وظیفہ کہتے ہیں اس کام کو جو کسی کی عادتِ ثانیہ بن جائے۔ جو مستقل طور پر کیا جائے، ضرور کیا جائے اور پکا طے ہو کہ روزانہ کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر انداز ایک وظیفہ ہے۔ ان اندازِ مطہرہ کو

اپنانے سے دنیا کے سب کام بہترین ہوجاتے ہیں اور آخرت کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ ورنہ دنیا کے کام تو ان کے بھی ہورہے ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے۔ وہ کون سے وظیفے کرتے ہیں؟ وہ حکومت بھی کررہے ہیں۔ ان کے پاس بے شمار دولت ہے، ان گنت نعمتیں ہیں وہ کوئی وظیفہ نہیں کرتے۔ وہ تو اللہ کو ہی نہیں مانتے!

المرشد پروگرام میں مجھ سے سوال کیا گیا "مجھے کوئی وظیفہ بتائیے؟ میں مقروض ہوگیا ہوں" میں نے کہا میرے پاس اس کا بہت اچھا وظیفہ ہے، اگر آپ کرسکیں تو! دو باتوں کا خیال رکھیں ایک یہ کہ اپنے اخراجات اپنی آمدنی کے مطابق کرلیں۔ دوسرا یہ کہ محنت کرکے، مشقت کرکے دیانتداری سے کام کریں۔ برکت ہوگی۔ قرض بھی اتر جائیں گے۔

ہوتا یہ ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں کماتا تو دس ہزار ہوں لیکن مجھے لوگ دیکھیں تو ایسا نظر آئے گویا میری آمدن لاکھوں میں ہے۔ اس کے لیے قرض لے کر گھر بناتے ہیں، اُدھار پر گاڑی لیتے ہیں، ادھار پر اعلیٰ لباس، جوتے اور اعلیٰ موبائل خریدتے ہیں۔ یہ غلط انداز ہے۔ یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے کہ سارا ماحول اسی پر چل رہا ہے۔ لوگوں میں اپنی حیثیت بنانے کے لیے یہ سب کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق رہن سہن کرلینے سے جہاں ہم خود سکون سے جی سکتے ہیں وہاں دوسروں کے لیے بھی حلال رزق کما کر رہنا سہنا آسان بنا سکتے ہیں۔

اللہ کی راہ سے روکنا کفر کا خاصا ہے:

اس آیۂ کریمہ نے انسانی فطرت کا تجزیہ کیا ہے کہ انسان خود جس کام کو پسند نہیں کرتا، جس کو نہیں اپناتا، کوئی دوسرا بھی کررہا ہو تو اس سے بھی نفرت کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے چھوڑو، یہ کیا کررہے ہو! ہر برائی کرنے والا یہی کہتا ہے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی اگر کسی برائی میں مبتلا ہے تو چاہتا ہے کہ کچھ دوسرے بھی اس میں اس کے ساتھی بن جائیں۔ اگر ایک مسلمان جس کا عقیدہ درست ہے، وہ بھی برائی کرنے پر اکتفا نہیں کررہا دوسروں کو شامل کرنے کا خواہش مند ہے تو کافر یقیناً اس میں آگے بڑھا ہوتا ہے۔

کافر صرف خود کفر نہیں کرتا بلکہ اپنے نظریے، سوچ اور کردار سے بعض اوقات عملی طور پر دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتا ہے۔ یہ عجیب قانونِ فطرت ہے کوئی جرم اور گناہ کبھی اکیلا نہیں رہتا۔ اپنے ساتھ دوسرے جرائم کو لے کر چلتا ہے۔ جیسے ایک شخص نے کم تولا، یہ گناہ ہے پھر وہ ساتھ میں جھوٹ بھی بولے گا کہ تول پورا ہے۔ مزید گناہ کرے گا جب اس پر قسمیں بھی کھائے گا۔ ہر گناہ اپنے ساتھ مزید جرائم چاہتا ہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر کافر ہی دین کے خلاف لیکچر دیتا ہے یا کتابیں لکھتا ہے۔ ایسا تو کوئی کوئی کرتا ہے،

اکثر کافر تو اپنا کام ہی کرتے ہیں لیکن کفر ایسی مصیبت ہے کہ کافر نہ صرف خود اللہ کی نافرمانی کرتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی دین کا راستہ، بھلائی کا راستہ اور اللہ کا راستہ روکنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ان کے کردار و اعمال ایسے ہیں کہ یہ اللہ کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں باطل کی پیروی کرنے سے ان کا ہر عمل دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝٢ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا ہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے (اللہ نے) ان سے ان کے گناہ دور کر دیے اور ان کی حالت سنوار دی۔

یہ دنیا عمل سے متعلق ہے۔ جس طرح کفر کے ساتھ اللہ کی راہ سے روکنا لازم و ملزوم ہے۔ ہر کافر خود بھی کفر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جتنا ممکن ہو دوسرے بھی کفر پر ہی آ جائیں اور جو یہ نہیں کر سکتا وہ نیکی کرنے والوں کو ناپسند ضرور کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے لیے لازم و ملزوم ہے کہ جو ایمان لاتا ہے اس کا کردار سنّت میں ڈھلتا چلا جائے۔ خطا ہو جانا، غلطی ہو جانا، وقتی طور پر کسی گناہ میں پھنس جانا، یہ ہو سکتا ہے۔ انسان میں بشری کمزوریاں ہیں، خواہشات ہیں، غلطی ہو سکتی ہے۔ مومن کی غلطی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو وہ کانٹا نکالتا ہے، رجوع الی اللہ کرتا ہے، توبہ کرتا ہے۔ غلطی سے باز آ جاتا ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسانی غلطی کے بعد توبہ کرے۔ اصلاح کرے۔

فرمایا، اور اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کا اندازِ بیان کس کمال کا ہے! ایمان کیا ہے، دین کیا ہے؟ طے ہو گیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، اسی کو ماننا ایمان ہے، وہی دین ہے۔

اپنے اپنے طور پر ماننا، ایمان نہیں، دینِ اسلام نہیں۔ دیگر مذاہب کے لوگ، جین مت، ہندو مت، یہ سب سورگ اور نرگ، جنت اور دوزخ کے قائل ہیں لیکن اپنے انداز سے مانتے ہیں۔ یہ مانتے ہیں کہ ایک مہا دیو ہے جو خدا ہے لیکن اپنے طور پر مانتے ہیں۔ جو ماننا اللہ کو قبول ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح مانے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ ہمارے فقہا، اللہ ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، نے فقہ کی کتابوں میں یہ اصول طے کر دیا ہے کہ جب بچے کو اللہ کا، ایمان کا تصور دیں تو اسے سمجھائیں، وہ کہے کہ میں اس اللہ کو ایسا مانتا ہوں، اس کی ذات و صفات پر ایمان لاتا ہوں جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں جو حضرت عبداللہ کے بیٹے ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے

جنہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ جو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ جیسا وہ منوانتے ہیں میں ویسا ہی مانتا ہوں۔

اسی آیہء کریمہ نے ثابت کر دیا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ سارے فرقے اسلام سے باہر ہیں۔ اسلام ایک سیدھا راستہ ہے۔ آیہء مبارکہ بتا رہی ہے کہ اسلام یہ ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم فرمایا وہی اسلام ہے، جو اس پر یقین رکھے وہ مسلمان ہے۔ اس میں اپنی طرف سے اٹکل پچو لگا کر معنی اور مفہوم بدل کر فرقہ بنایا جاتا ہے۔ وہ اسلام سے باہر نکل گیا۔ اب جو چاہے اس کا نام رکھ لے۔ اسلامی نام رکھنے سے وہ اسلام نہیں بنے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال دی۔ زمین پر ایک سیدھی لکیر کھینچی پھر اس کے دائیں بائیں بہت سی لکیریں بنا دیں فرمایا، یہ سیدھا خط صراط مستقیم ہے اور دائیں بائیں جو خط ہیں سب شیطان کے راستے ہیں۔ جتنے فرقے، اسلام کے نام پر بنتے ہیں، ہر فرقہ قرآن کی بات کرتا ہے تو یہ کیسے پتا چلے کہ قرآن کا حقیقی اور اصلی معنی کیا ہے؟ قرآن حکیم میں اس کا جواب یہ ہے: وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۔۔۔ وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ جو ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی جو معنی صحابہ کرامؓ نے سمجھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے روبرو اس پر عمل کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تصدیق فرمائی کہ یہی مراد تھا، یہ کام اسی طرح سے کرنا تھا، اگر اس معنی پر سب متفق ہو جائیں تو کوئی فرقہ نہیں رہے گا۔ جب سب اپنے اپنے معنی چھوڑ دیں، ہر فرقہ قرآن کی اسی تفسیر پر آ جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے سمجھایا۔ صحابہؓ نے سمجھا۔ اسی کے مطابق جنگیں کیں، صلح کی، شادیاں کیں، جنازے پڑھے، کاروبار کیے، عدالتیں لگائیں، جرائم پر سزائیں دیں، مالی معاملات کیے، پورا معاشرہ اس پر چلایا، حکومتیں کیں اور رہتی دنیا کے لیے مثالی اسلامی معاشرہ کے خدوخال قائم کیے قرآن حکیم نے صحابہؓ کو مثالی مسلمان قرار دے کر مہر قبولیت لگا دی۔

طے ہو گیا کہ اسلام ایک ہے کیونکہ اللہ نے اس پر اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شرط عائد کر دی ہے۔ اسے چھوڑ کر اگر کوئی دائیں بائیں نکلتا ہے تو اسلام اس کا ذمہ دار نہیں لہٰذا وہ فرقے اسلام سے باہر ہیں۔ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔

دورِ حاضر کی جدید بے دینی کی ایک شکل یہ ہے کہ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نبی کا کام، اللہ کی کتاب پہنچانا تھا۔ وہ پہنچا گئے۔ ہم جانیں اور یہ کتاب جانے۔ اس طرح وہ کتابِ الٰہی کو بغیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے سمجھائے سمجھنا چاہتے ہیں۔ سمجھنا تو دور کی بات ہے دراصل وہ کتابِ الٰہی کو من مانے معنی پہنانا چاہتے ہیں۔ انہیں پتا ہونا چاہیے

کہ یہ میرا اور آپ کا خط نہیں ہے کہ اس میں محض الفاظ ہوں اور کیفیات نہ ہوں۔ یہی ابجد، ا،ب،ج،د ہے۔ انہی حروف سے سارے الفاظ بنتے ہیں۔ انہی کے ذریعے جملے اور عبارت بنتی ہے۔ ایک ادیب انہی کی مدد سے لکھتا ہے اور جاہل انہی کی مدد سے خط میں اپنی ضرورت بیان کرتا ہے، اپنے حالات بیان کرتا ہے۔ بات تو ایک ہی ہے کہ ادیب نے بھی اپنے حالات لکھے، جاہل نے بھی لکھے لیکن عبارت پڑھ کر کتنا فرق محسوس ہوتا ہے۔ ادیب کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ اگر غم کی بات لکھی ہو تو پڑھنے والا دکھی ہو جاتا ہے، خوشی کی بات لکھی ہو تو خوشی محسوس کرتا ہے۔ جاہل غم کی بات لکھے تو ہنسی آ جاتی ہے۔ جیسے معروف بات ہے کہ کسی نے اپنے والد کو خط لکھا کہ ہم سب خیریت سے ہیں اور آپ کی نیک خیریت مطلوب ہے۔ بس یہ ہے کہ بابا جی کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، گائے چور لے گئے ہیں، گھر کی چھت گر گئی ہے، امی کو بخار ہے باقی سب خیریت ہے۔ اس نے تو دکھ کی بات لکھی لیکن جس نے سنی اس کی ہنسی روکے نہ رکی۔ بات ہنسی کی نہیں دکھ کی تھی لیکن لکھنے والے کا انداز یا اس کی اہلیت ایسی تھی! ایک مضمون نگار واقعہ قلمبند کرے تو آنسو چھلک پڑیں۔ وہی مضمون کوئی شاعر شعر میں ڈھال دے تو وہ مزید موثر ہو جاتا ہے! یہ فرق انسانوں کے کلام میں بھی ہے۔

جب اللہ کریم کلام فرماتے ہیں تو اس میں کس درجہ تاثیر ہوتی ہے! پھر خالق کا کلام سن کر اثر کیوں نہیں ہوتا، عذاب کی آیات سن کر کیوں رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، عطائے الٰہی کی آیات سن کر دل کیوں خوش نہیں ہوتا؟ کلامِ الٰہی میں تاثیر نہیں ہے یا ہم اس سے دور ہیں جو مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بیان فرماتے ہیں وہ کامل واکمل ہے، یقیناً اس میں تاثیر ہے۔ جب کوئی اس مفہوم سے ہٹ کر خود کوئی معنی پہنائے گا تو وہ تاثیر نہیں ہوگی۔ ایسا کرنا ظلم ہے اسی لیے اس کا نتیجہ ہلاکت ہوگا۔

اسی لیے قرآن نے پابندی لگا دی ہے کہ جب تم کہتے ہو کہ قرآن کو مانتے ہو تو کیا ویسا مانتے ہو جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم منوانا چاہتے ہیں؟ وہ مفہوم مانتے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے؟ اگر نہیں تو پھر نہیں مانتے ہو!

اسی آیہء مبارکہ کی ابتدا میں اللہ نے پہلے ہی بتا دیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ یہاں اٰمَنُوْا فرما دیا تھا پھر دوبارہ سے فرمایا وَاٰمَنُوْا ۔۔۔ یہ دوسری بار فرمانا اس بات کی وضاحت ہے کہ کیا مانا اور کیسے مانا؟ فرمایا شرطِ ایمان یہ ہے کہ ویسے مانو جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ ماننے، ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگا دی کہ اللہ کے احکام پر عمل کا طریقہ وہ ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا۔

یہی اسلام ہے۔ اسی لیے اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ جو جتنا جتنا باہر نکلتا گیا، اتنا ہی ایک CULT بنتا گیا، ایک فرقہ بنتا گیا۔

وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔۔۔ اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ جس طرح قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی طرح مفاہیمِ قرآن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ قرآن نے گواہی دی: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:3,4) اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ ان کا ارشاد تو وحی ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہتے۔ وہی کہتے ہیں جو وحیٔ الٰہی ہوتی ہے۔ وحی دو طرح کی ہے۔ قرآن وحیٔ متلو ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ حدیث وحی غیر متلو ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ یہ حدِ فاصل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ یہ قرآن ہے اور یہ حدیث ہے۔

جو شخص اپنے ایمان کی اس طرح سے اصلاح کر لیتا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں اور اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھال لیتا ہے تو اللہ کریم ان کی بھول چوک اور ان کی خطائیں، غلطیاں معاف فرما دیتے ہیں۔ ان کا حال سنوار دیتے ہیں۔ وہ دنیا ہو یا آخرت۔ دنیوی معاملات ہوں یا دینی معاملات، مادّی ہوں یا روحانی، دنیا کا مال و دولت ہو یا آخرت کی نعمتیں، اللہ کریم ان کے تمام معاملات درست فرما دیتے ہیں۔ کیا ایمان اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور وظیفے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

کافروں کے احوال درست نہیں ہوتے۔ کافروں کے ساتھ ایسا کیوں ہے؟ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳ یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے جھوٹ کی پیروی کی اور یہ کہ جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں۔

کافروں کے ساتھ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ انہوں نے حق کی پیروی نہیں کی۔ دامانِ رسالت کو نہیں تھاما۔ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے ان پر بے قراری، بے چینی، تباہی اور اخروی عذاب بھی آئیں گے اور مومن حق پر چلتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے ہے تو ظاہر ہے دونوں کے نتائج مختلف ہوں گے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو مثالیں دے کر، تاریخی واقعات بتا کر کردار اور ان کے نتائج واضح فرما دیتا ہے۔ دنیا میں ہر ہر چیز کی وضاحت کر کے راہنمائی فراہم کر دیتا ہے۔

کافر اسلامی ریاست پر چڑھ دوڑے تو۔۔۔:

فرمایا: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔۔۔ پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو گرفتار ہوں انہیں) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے (چھوڑ دو) یا معاوضہ لے کر، یہاں تک کہ لڑائی (فریق مقابل) اپنے ہتھیار پھینک دے۔

فرمایا، اگر کافر اسلامی ریاست پر چڑھ دوڑے۔ اسلام کی مخالفت میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے، کافروں سے مقابلہ آ جائے تو پھر کوئی لحاظ نہ کرو، گردنیں اڑا دو یہ وہ آیات ہیں جن کے بیان کرنے سے مسلمان بھی گھبراتے ہیں اور کفار نے تو ایک مہم کے طور پر پراپیگنڈا کیا ہوا ہے کہ جہاد تو فساد ہے۔ حق یہ ہے کہ کافر عملاً اسلامی ریاست کو تباہ کرنا چاہیں یا اس کی راہ روکنا چاہیں تو اس کے دفاع میں جہاد کیا جائے گا۔ عہدِ نبوی میں جتنے غزوات و سرایہ ہوئے سب دفاعی جنگیں تھیں۔ اہلِ مکہ نے تجارتی قافلہ بھیجا کہ ساری آمدن سے فوج بنا کر مدینہ منورہ کو تاراج کر دیں گے اس قافلے کو روکنے کی کوشش میں بدر کا معرکہ ہوا۔ اُحد میں کفار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ غزوۂ خندق میں بھی کفار حملہ آور ہوئے۔ ہرقل روم نے جب اعلان کیا کہ وہ اسلامی ریاست پر حملہ کرے گا تو مسلمان فوج اس کے جواب میں تبوک گئیں۔ عہدِ نبوی کے بعد خلافتِ راشدہ میں بھی تمام فتوحات دفاعی جنگوں کے نتیجے میں ہوئیں۔ جس ریاست نے اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کی کوشش کی اس کے دفاع میں وہ ریاست فتح ہوئی۔ جب فارغ البالی آ گئی تو فاروق اعظمؓ کے ایک جرنیل نے آپؓ کو لکھا کہ ہم فلاں ملک بھی فتح کر سکتے ہیں تو آپؓ نے جواباً لکھا کہ وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہے نہ ہی چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے اس لیے اس سے جنگ کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی مملکت کی حدود میں جس دین پر رہنا چاہے رہے۔ اللہ نے ہر ایک کو اجازت دی ہے ہاں! اگر اسلامی ریاست پر غلط نگاہ ڈالے گا تو مسلمان ضرور دفاع کریں۔

ایک فوجی افسر کو بھی یہ مغالطہ ہوا اور وہ کہنے لگے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم کے پاس طاقت ہوتی ہے وہ چڑھ دوڑتی ہے۔ جب مسلمانوں کے پاس طاقت تھی تو انہوں نے بھی دنیا فتح کی۔ میں نے کہا، آپ نے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ مسلمانوں نے جتنے علاقے فتح کیے وہ دفاعی جنگ تھی۔ جس ریاست نے اسلام پر حملہ کرنے کا سوچا اسے جواب دیا گیا۔ مسلمانوں سے جنگ کرتے ہوئے کفار نے اپنی ریاست کھو دی۔ یہ الگ بات ہے۔ مسلمان کافروں کی طرح علاقے فتح کرنے کی ہوس میں کسی ملک پر نہیں چڑھ دوڑے۔ جس نے اسلامی ریاست اور اسلام کو

نہیں چھیڑا اُسے مسلمانوں نے بھی نہیں چھیڑا۔

جہاد، جنگ سے الگ ہے:

اسلام نے جنگ کے بجائے فلسفہء جہاد دیا۔ جنگ ذاتی اَنا کے لیے،ظلم کرنے کے لیے، لوگوں کو مارنے کے لیے، علاقے ہتھیا لینے کے لیے ہے۔ جہاد ظلم روکنے کے لیے ہے۔ اللہ کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے بچانے کے لیے ہے۔ جہاد، جنگ سے بالکل الگ ہے۔ جنگ میں کوئی اخلاقی حدود قائم نہیں رکھی جاتیں جبکہ جہاد میں اصول ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جو مسلمانوں کو تنگ نہیں کرتا، اس کے ساتھ مسلمان تعرض نہیں کرتے۔ دوسری بات ہے کہ جب کوئی اسلام پر، اسلامی نظریات پر، اسلامی ریاست پر حملہ آور ہو تو اس سے بے جگری سے لڑا جائے گا۔ اس میں نرمی نہیں ہوگی۔ پوری شدت سے دفاع کیا جائے گا۔ اس بہادری پر اللہ کی مدد مسلمانوں کے ساتھ ہوگی۔ وہ یقیناً فاتح ہوں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی اصولوں کی پاسداری کرنا ہوگی۔ جو مسلمان پر تلوار نہ اٹھائے اس پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ عورتوں اور بچوں کو نہ مارا جائے۔ فصلیں برباد نہ کی جائیں، درخت نہ کاٹے جائیں۔ پانی اور خوراک کے ذخیروں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ ہاں! مسلمان سے جنگ کر کے وہ شکست کھا جائیں تو انہیں میدانِ جنگ میں قید کر لیا جائے۔

مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

اسلام پر طنز کرنے والوں کی اپنی تاریخ بتاتی ہے کہ جس علاقے پر وہ فتح پاتے اس کا وہ حشر کرتے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی یہ سزا دی ہے کہ میدانِ جنگ میں جو شکست کھا جائے گا وہ قیدی ہوگا۔ وہ خود قیدی ہوگا، اس کے بیوی بچے بھی قیدی ہوں گے۔ ان قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوگا کہ ان کی عزت محفوظ رہے گی۔ اس قیدی کی بیوی، اسی کے ساتھ ہوگی۔ اس کا کنبہ ایک ہی جگہ ہوگا۔ لیکن قیدی ہوں گے۔ اسلام کے خلاف صف آرا ہونے کے جرم میں صرف ان کی آزادی سلب ہوگی باقی انسانی حقوق بحال رہیں گے۔ اگر صرف اکیلی خاتون ہوگی تو وہ کسی ایک مجاہد کی کنیز ہوگی۔ ہر کوئی اس سے تمتع نہیں کر سکتا۔ تمام مرد قیدی غلام اور خواتین کنیزیں ہوں گی۔ غلام اور کنیز کے لیے اس کے مالک کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے۔ وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ جو کام کرنے کی اس میں سکت نہیں وہ کام اس سے نہ کروائے جائیں۔ اس کے ساتھ غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنے کی بہت ترغیب دلائی گئی۔ گناہوں کے کفارے کے طور پر آزاد کرنے پر عظیم

انعامات اور اللہ کی بخشش کی بشارتیں دی گئیں چنانچہ مسلمانوں نے دھڑا دھڑ غلام آزاد کیے اور چند سالوں میں کوئی غلام اور کنیز باقی نہ رہے۔

اسلام میں غلامی، جنگی صورت حال کے نتیجے میں ہوتی ہے اور اس کی اپنی شرائط ہیں کہ جو اسلام کے خلاف، اسلامی افواج کے خلاف میدان میں آیا اور شکست کھا گیا اس کا پورا خاندان قید کیا جائے گا۔ یعنی غلام وہی بنے گا جو مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شامل ہوگا۔ اس وقت کا امیر، موقع کے مطابق فیصلہ کرے گا کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے یا احسان کرتے ہوئے بغیر فدیہ لیے چھوڑ دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے دل اسلام کی سچائی قبول کر لیں۔ اور ایسا ہوا بھی! جو مسلمانوں کے غلام بنے اور آزاد کر دیے گئے تو ان میں کئی با صلاحیت لوگ جب ایمان لے آئے تو بعض فقہ کے امام بنے، بعض تفسیر اور حدیث کے امام بنے۔ غلام آئے تھے، مسلمان ہو کر ایسی تربیت پائی کہ حکمران بن گئے۔ برصغیر میں یکے بعد دیگرے چھ سات بادشاہ گزرے ہیں جو خاندانِ غلاماں کہلاتے ہیں۔ وہ قید ہو کر غلام بنے لیکن اسلامی معاشرے نے انہیں تمام انسانی حقوق دیے۔ معاشرے کے فعال فرد بنائے گئے، تربیت کے مواقع ملے اور ان کی شخصیت کے جوہر کھلے۔ دنیا کی کوئی اور قوم اپنی تاریخ سے یہ نکال کر دکھائے کہ ان کے غلاموں میں سے کون اس مرتبے اور مقام پر پہنچا؟

اسلام میں غلامی بھی شرائط کے ساتھ ہے۔ اس غلامی کو اہل مغرب کے ہاں رائج غلامی پر قیاس نہ کیا جائے۔ امریکہ نے جس طرح افریقہ سے لوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر، جہازوں میں بھر کر، امریکہ لے جا کر ان کی جانوروں کی طرح منڈیاں لگائیں، بولیاں لگا کر انہیں بیچا گیا۔ ان سے نفرت کی گئی، مظالم ڈھائے، مارا پیٹا، رسوا کیا گیا۔ یہ سب اسلام میں نہیں ہے۔ اسلام میں غلامی، کفار والی غلامی نہیں!

جہاد میں چونکہ بندے مارنا مقصد نہیں اس لیے فرمایا جب جنگ ختم ہو جائے اور ان کی کمر ٹوٹ جائے۔ اسلام پر حملہ آور ہونے کی طاقت ان میں ختم ہو جائے تو پھر ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے تاریخ اسلامی میں یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی حیاتِ طیبہ میں چوراسی کے قریب غزوات و سرایہ ہیں۔ ان میں چودہ سو کے قریب کافر ہلاک ہوئے، قریباً دو سو مسلمان شہید ہوئے۔ بندے مارنا مقصد نہیں تھا، باطل کو روکنا مقصد تھا۔ قتل و غارت گری مقصد نہیں تھی، کفر کا راستہ روکنا اور اسلامی ریاست کا دفاع مقصود تھا۔ اس پر تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جتنے علاقے فتح کیے کہیں کسی جگہ ظلم، ناانصافی نہیں ہوئی بلکہ انصاف اور حسن سلوک ہوا! مسلمان جزیرۂ عرب سے نکلے، برصغیر افغانستان سے ہوتے ہوئے، پورا چین گزار کر چین کے مشرقی کنارے، برلبِ سمندر صحابہ کرامؓ کے مزارات اور مسجد کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ ہسپانیہ اور افریقہ تک فتوحات ہوئیں۔ کسی علاقے

میں تلاش کر کے بتا دیں کہیں کسی پر ظلم ہوا ہو؟ جبکہ غیر اسلامی لشکر جہاں سے گزرے بستیوں کو کھنڈروں میں تبدیل کرتے گئے۔ کسی خاتون کی آبرو محفوظ رہی نہ بچے اور بوڑھے۔ جانوروں، پانی کے ذخیروں تک ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہے۔ جو قیدی بنائے ان کے ساتھ کتنا غیر انسانی سلوک کرتے رہے۔

جہاد، مومن کے لیے امتحان اور۔۔۔:

فرمایا: ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ۔۔۔ یہ (حکم) ہے اور اگر اللہ چاہتے تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتے ولیکن تا کہ تم میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے (مقابلہ کروا کے) آزمائے۔

اگر اللہ چاہتے تو کافروں کو ویسے ہی ہلاک کر دیتے۔ جو اسلام کے مخالف اٹھتے ان پر طوفان آجاتے، زمین میں دھنس جاتے یا کوئی اور عذاب آجاتا لیکن اللہ تمہارا امتحان لیتا ہے کہ تم اپنے دعوئے ایمان میں کس درجے پر ہو اور کافر کو بھی موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ کفر سے توبہ کر کے اسلام کی حقانیت کو پہچان لے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو وہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ فرمائیں گے۔ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ اُن کو سیدھے راستے پر چلائیں گے اور ان کی حالت درست رکھیں گے وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ اور ان کو بہشت میں داخل فرمائیں گے جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے۔

اللہ قادر ہیں، سب کچھ ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ وہ جسے چاہیں ہلاک کر دیں، اس کے لیے کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ کفار سے مقابلہ تو تمہاری سعادت ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، غازی بنو، شہید ہو جاؤ، تمہاری نیکیوں پر ثمر لگے، تمہاری اخروی اور دائمی زندگی سدھر جائے، سنور جائے، بہترین ہو جائے۔ جو اللہ کی راہ میں اس طرح ڈٹ جائیں کہ مرنے مارنے سے دریغ نہ کریں تو ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں ہوں گے۔ اور جو شخص جان جیسی پیاری چیز اللہ کے لیے دینے پر آجاتا ہے اس کے لیے باقی احکام کی تعمیل کیا مشکل ہے؟ اس کا ثمر یہ ہے کہ اللہ انہیں ہدایت پر قائم رکھتے ہیں۔ جہاں ہر نیکی کا اجر ملے گا وہاں دنیا میں ایک انعام بھی ضرور ملتا ہے کہ ہر نیکی پر مزید نیکی کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اور اللہ کریم دنیا و آخرت میں ان کے سارے معاملات درست کر دیتے ہیں۔ اور انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے جس کی نعمتوں کے بارے انہیں دنیا میں بتایا گیا تھا۔

اللہ تمہاری مدد کریں گے۔۔۔:

فرمایا: یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ﴿۷﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریں گے اور تم کو ثابت قدم رکھیں گے۔

اے میرے ایمان دار بندو! اگر تم اللہ کے دین کی خدمت کرو گے، اللہ کے دین کو اپناؤ گے، اس پر عمل کرو گے، قولی فعلی، عملی طور پر دین کا دفاع کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ تمہاری جان، مال، اولاد، کاروبار، زندگی، موت، مابعد الموت ہر جگہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ تمہیں یہ انعام دے گا کہ تم حق پر جم جاؤ گے اور کبھی متزلزل نہ ہو گے حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

بھلا اس سے بھی بہتر کوئی وظیفہ ہوگا؟ سب سے اچھا وظیفہ شریعت مطہرہ پر عمل ہے۔ خود کو اس میں ڈھالو، اللہ وعدہ فرمارہے ہیں کہ تمہارے سب کام سنوار دیں گے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر ایک ایک مسئلے کے لیے وظیفے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا وظیفہ کیوں نہ کیا جائے جو سب مسائل کے حل کے لیے کافی وشافی ہے! یہ آیات مبارکہ واضح کر رہی ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم معاشی اور سیاسی امور میں کفار کی پیروی کر رہے ہیں اس لیے وہ ہم پر غالب ہیں۔ حیرت ہے کہ کافروں کی تہذیب کو، معیشت کو پسند کرتے ہیں، اس پر چلنا فخر کا باعث سمجھتے ہیں اور پھر دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہماری دنیا بھی سنوار دے اور آخرت بھی! یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ کریم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ کافر اور مومن دو نظریات ہیں، دو راستے ہیں ان کی دو مختلف منزلیں ہیں۔ کافر کی پیروی کر کے اللہ کی رضا کی منزل نہیں مل سکتی!

فرمایا: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّہُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَہُمْ ﴿۸﴾ اور جو لوگ کافر ہیں تو ان کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال کو برباد کر دیں گے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَرِہُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَہُمْ ﴿۹﴾

جنہوں نے کفر کیا، انہوں نے اپنی ہلاکت کو آواز دی۔ وہ اپنی بربادی کا خود ہی سبب بن گئے۔ اللہ کا کچھ بگاڑ سکے نہ اس کے نظام کو، اپنے آپ کو برباد کر لیا اور بالفرض ان سے کوئی بھلائی کا کام ہوا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔ آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا۔ ہاں! دنیا میں اس کا اجر ضرور ملتا ہے لیکن دنیا تو چند روزہ ہے، دنیا کا فائدہ ملا بھی تو کیا ملا؟

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ ۫ وَلِلْکٰفِرِیْنَ اَمْثَالُہَا ﴿۱۰﴾ تو کیا انہوں نے دنیا میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو

گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی۔ اور کافروں کے لیے ایسا ہی ہوگا۔

یہ لوگ تو روئے زمین پر پھرتے رہتے ہیں۔ کیا انہوں نے پہلی قوموں کے آثار نہیں دیکھے؟ کتنی عظیم سلطنتیں گزری ہیں۔ بڑی مضبوط حکمرانی رہی ہے۔ وسیع ریاستیں تھیں، ان کے عالیشان محلات تھے، طاقتور فوج اور لاؤ لشکر تھے، بھرے ہوئے خزانے تھے۔ ماہرینِ علوم وفنون تھے ان کی بنائی ہوئی شاہکار عمارتیں اور ان کے کھنڈرات زمین پر عبرت کا نشان بنے کھڑے ہیں۔ یہ کفر پر جم گئے تو اللہ نے انہیں برباد کر دیا۔ کفر کا یہی انجام رہا ہے۔ کافروں سے اسی طرح کا سلوک ہوگا۔ کفر کے پودے پر یہی پھل لگے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ یہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز اللہ ہے اور یہ کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

ایسا اس لیے ہے کہ کافروں نے اللہ کی حفاظت میں آنا نہیں چاہا اور محروم ہو گئے۔ ایمان لانے والے ایمان لا کر اللہ کی حفاظت میں آ گئے۔ دراصل جو ایمان لے آتا ہے اس کا اللہ مالک ہے۔ مالک اپنے مملوک کا ہر طرح سے دھیان رکھتا ہے۔ کھانے پینے، لباس، تعلیم، صحت ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی زندگی میں سکون مہیا کرتا ہے۔ اس کی آخرت سنوارتا ہے۔

کافروں کا مالک کوئی نہیں۔ انہوں نے مالک کا در چھوڑ دیا اور دوسرا کوئی ایسا ہے نہیں جو مخلوق کا مالک ہو! باقی ساری دنیا خود مخلوق ہے۔ وہ مخلوق کی مالک کیا بنے گی! یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ جو ایمان لاتا ہے اس کا تو اللہ مالک ہے اور جو کفر کرتا ہے اس کا کوئی مالک ہی نہیں۔ اسے کون سنبھالے گا، اس کی نگہداشت کون کرے گا، اس کی مدد کون کرے گا، اس کے دنیا وآخرت کے دکھ سکھ کا ذمہ دار کون ہوگا؟ کوئی بھی نہیں!

سورۃ محمد رکوع 2 آیات 12 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ
اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ
كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ
طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ
وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى
اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ
ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، ایسے باغوں میں داخل

فرمائیں گے جن کے تابع نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا کے) فائدے اٹھاتے ہیں اور وہ اس طرح کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ﴿۱۲﴾ اور بہت سی بستیاں آپ کی اس بستی سے جس کے رہنے والوں نے آپ کو بے گھر کر دیا ہے، طاقت میں بڑھی ہوئی تھیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو کوئی ان کا مددگار نہ تھا ﴿۱۳﴾ بھلا جو شخص اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہو وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جن کی برائیاں اُن کو بھلی معلوم ہوتی ہوں اور جو اپنے نفس کی خواہشوں پر چلتے ہوں ﴿۱۴﴾ جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہوں گی جو خراب نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں ایسے دودھ کی ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ایسی شراب کی ہوں گی جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہوگی اور بہت سی نہریں بالکل صاف شہد کی ہوں گی اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی کیا یہ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر دے گا ﴿۱۵﴾ اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہلِ علم سے کہتے ہیں کہ آپ نے ابھی کیا فرمایا تھا؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور یہ اپنے نفس کی خواہشوں پہ چلتے ہیں ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ راہ پر ہیں (اللہ) ان کو زیادہ ہدایت دیتے ہیں اور ان کو پرہیزگاری عطا فرماتے ہیں ﴿۱۷﴾ تو کیا یہ قیامت کو دیکھ رہے ہیں کہ ان پر اچانک آ جائے سو اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں تو جب یہ (قیامت) ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو اس وقت ان کو نصیحت کہاں سے ہوگی ﴿۱۸﴾ پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے سے باخبر ہیں ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

ایمان اور عمل صالح:

اللہ کریم نے پورے قرآن کریم میں جہاں ایمان والوں کا ذکر فرمایا ہے ساتھ عملِ صالح کی قید لگائی ہے کیونکہ ایمان لانا یا ماننا مکمل ہی تب ہوتا ہے جب اس پر اتنا یقین ہو کہ وہ عمل میں ڈھل جائے۔ یہاں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے تقاضے پورے کیے یعنی اپنی عملی زندگی کو ان تقاضوں کے مطابق بسر کیا۔ اور زندگی میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾

بے شک ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے تابع نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ (دنیا کے) فائدے اٹھاتے ہیں اور وہ اس طرح کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

یقیناً اللہ جل شانہٗ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے مطابق اعمال میں کوشاں رہے، انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔ جنت بجائے خود مطلوب نہیں ہے۔ جنت بھی غیر اللہ ہے۔ اللہ کے علاوہ ہے لیکن قرآن میں جگہ جگہ اس کی تعریف بھی کی گئی ہے اس کے حصول کے لیے کوشش کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہے۔ رضائے باری کی سند ہے۔

جنت کی نعمتیں ایسی ہیں جو جنت سے خاص ہیں۔ ویسی نعمتوں کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر بتایا گیا کہ دنیا میں جہاں پانی ہو وہیں باغ لگ سکتا ہے۔ جنت میں جنتی جہاں باغ لگانا چاہے گا پانی وہاں پہنچ جائے گا۔ جنت کی نہریں، جنت کے باغوں کے تابع ہیں۔

رہ گئے کافر، دنیا میں جو کفر کرتے ہیں۔ اپنی مرضی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ جائز ناجائز، حلال، حرام کی پروا کیے بغیر کماتے کھاتے ہیں۔ کافر کی زندگی، جانور کی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح جانور زندگی گزارتے ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں، ٹھکانے بناتے ہیں بچے پالتے ہیں، زندگی بسر کر کے مر جاتے ہیں۔ جسے اللہ نے انسان تخلیق کیا اس کے لیے تو یہ کوئی انسانی زندگی نہیں۔ جو حیوانوں کی طرح جیئے وہ شرفِ انسانی سے محروم ہو جاتا ہے۔ کافر بھی اللہ کی

کائنات میں کھاتا پیتا ہے، بچے پالتا ہے، دولت جمع کرتا ہے، اقتدار کے مزے لیتا ہے۔ جانوروں کی زندگی تو صرف دارِ دنیا کی زندگی ہے۔ انسان کی زندگی تو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ انسان ہو کر کافر نے ابدی زندگی کو ضائع کر دیا اور دارِ دنیا کی زندگی کو ہی پسند کر لیا۔ دنیوی مفادات کا اسیر اور حرص و ہوا شکار ہو گیا۔ اگر اس نے جانوروں جیسی زندگی بسر کی تو اپنی عاقبت ضائع کر دی۔ اپنا بہت ہی بڑا نقصان کر دیا۔ یہی دنیوی زندگی، آخرت کے حصول کا سبب ہے۔ وہ اس نے من مانی کر کے گزار دی۔

دین، دنیا سے الگ نہیں ہے۔ دنیا کے کاموں کو اللہ کے حکم اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ضابطوں کے مطابق کرنا ہی دین ہے۔ دنیا کے کام جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع ہو جاتے ہیں تو یہی دنیا، دین بن جاتی ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے اور کافر کا دین بھی دنیا ہے۔ یعنی کافر دین کے نام پر جو رسوم انجام دیتا ہے وہ بھی حصولِ دنیا کے لیے ہوتی ہیں۔ فلاں بت کی پوجا کرو تو دنیا کا فلاں کام ہو جائے گا۔ فلاں رسم کرنے سے فلاں ضرورت پوری ہوگی۔

فرمایا، کافر، جانوروں کی طرح پیٹ بھرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جانوروں نے اگر پیٹ بھرا اور مر گئے تو ان کی زندگی ختم ہوگئی۔ میدانِ حشر میں ساری مخلوقات کے ساتھ یہ بھی جمع تو ہوں گے لیکن پھر فنا کر دیے جائیں گے۔ ان کی آخرت کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ انسان کو تو ہمیشہ رہنا ہے۔ جس نے ایمان قبول نہیں کیا، کردار کو دین کے مطابق نہیں ڈھالا اور دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کرتا رہا۔ اسے دولت بھی مل گئی، اقتدار بھی مل گیا، اولاد بھی ہو گئی، صحت سے بھی لطف اٹھاتا رہا لیکن مر کر کہاں جائے گا؟ زندگی کا وقت تو اس نے ضائع کر دیا۔ آخرت بنائی ہی نہیں جس کے بنانے کا وقت دنیا میں تھا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں دوزخ میں رہنا پڑے گا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناقدری کی سزا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

اور بہت سی بستیاں آپ کی اس بستی سے جس کے رہنے والوں نے آپ کو بے گھر کر دیا ہے، طاقت میں بڑھی ہوئی تھیں۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تو کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بیت اللہ سے خاص محبت تھی لیکن مشرکینِ مکہ نے حالات اس قدر تنگ کر دیے کہ مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ حتّٰی کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی ہجرت کرنا پڑی اور اللہ کریم نے مدینہ منورہ کو یہ اعزاز بخشا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں جلوہ افروز ہو گئے۔

فرمایا، یہ اپنی قوت پر ناز نہ کریں نہ یہ سمجھیں کہ ان کے پاس مال و دولت ہے، اقتدار ہے، فوجی طاقت ہے، ان کا معاشرہ ہے تو انہوں نے اس بَل بُوتے پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ کام وہ اپنی طاقت سے کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں تو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناقدری کی سزا دی ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ سے لے جا کر مدینہ منورہ میں رونق افروز فرما دیا۔ ان کی طاقت ہے ہی کیا؟ یہ اپنے سے پہلی قوموں سے عبرت حاصل کر لیں۔ ان سے پہلے ان سے بہت زیادہ طاقت ور قومیں گزری ہیں۔ نامور بادشاہ اور حکمران گزرے ہیں۔ ان کی فوج، لاؤ لشکر، خزانے، دولت، محلات سب تباہ ہو گیا۔ ان پر جب عذابِ الٰہی آیا تو وہ سب مارے گئے آج ان کی قبروں کے نشان بھی نہیں ملتے تو ان کفار و مشرکینِ مکہ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تو اللہ کا حکم تھا اور مشرکین کے لیے محرومی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کریم مدینہ منورہ لے گئے۔

شاہ عبدالحق دہلویؒ نے 'جذب القلوب الی دیار الحبیب' میں مدینہ منورہ کے فضائل درج کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں جلوہ افروز ہیں اور صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیھم اجمعین کی ایک کثیر جماعت اس زمین میں آرام فرما ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق، جب اللہ کریم انسانی خمیر تیار فرماتے ہیں تو اس کے وجود کی بنیادی مٹی جہاں سے لی جاتی ہے وہیں اس کی قبر بنتی ہے۔ فرماتے ہیں، مدینہ منورہ کے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کے لیے جو مقدس جماعتِ صحابہؓ پیدا فرمائی، ان میں سے اکثریت کے وجود کی جو اساس یا بنیاد تھی وہ مٹی خاکِ مدینہ منورہ کی تھی۔ فرماتے ہیں، مدینہ منورہ کے دیگر فضائل بہت ہیں لیکن یہ ایک فضیلت بے مثل ہے!

یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کافروں کے ڈر سے ہجرت فرمالی یا اللہ کریم کافروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے (معاذ اللہ!) اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ بات یہ نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ جب انہوں نے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی قدر نہ کی تو اللہ نے بطور سزا انہیں رفاقتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم سے محروم کر دیا۔

اور یہ شرف مدینہ منورہ کے انصار صحابہؓ کو نصیب ہوا۔ انصارِؓ مدینہ مشرکینِ مکہ سے چھپ کر مکہ مکرمہ کے مقام عقبہ میں پہنچے۔ اپنے دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں بچھا دیے۔ دامن کھول دیے، استدعا کی کہ حضورا صلی اللہ علیہ وسلّم آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں، مدینہ کو منور فرمائیں۔ پہلے انصار صحابہؓ نے عقبہ میں بیعت کی جو بیعت عقبہ اوّل تھی پھر عقبہء ثانیہ کی۔ انصارؓ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کر رہے ہو، جانتے ہو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

انصارؓ نے عرض کی، ہم جانتے ہیں کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب، ساری دنیا کا کفر ہمارا دشمن ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پوری دنیا کے کفر کو للکار رہے ہیں۔ ہم اپنی جان لڑا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کا حق ادا کریں گے۔ اگر ساری دنیا بھی ہم پر الٹ پڑی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت اپنی جانوں اور اپنی اولاد سے بڑھ کر کریں گے۔ اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر نچھاور کریں گے اور یہی ہماری خوش نصیبی ہوگی! مکہ مکرمہ شہرِ عظیم ہے۔ دنیا کی بنیاد وہاں سے اٹھائی گئی۔ بیت اللہ شریف وہاں ہے۔ مرکزِ تجلیات باری ہے، اللہ کی ذاتی تجلیات کا مہبط ہے۔ اس کے باوجود اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ سے مدینہ منورہ لے گئے جنہوں نے قدر کی انہیں شرف بخش دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ کے لیے وہاں جلوہ افروز ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو اس کے بعد اہلِ مکّہ سکھ کا سانس نہ لے سکے۔ مرتے ہی رہے۔ قحط سالیاں آئیں، تکلیفیں، مصیبتیں آئیں، بدر میں مارے گئے، احد میں رسوا کن شکست ہوئی۔ خندق میں مار کھائی اور بالآخر مکہ فتح ہوگیا کفر و شرک کا نام مٹ گیا۔

جو اپنی مرضی سے جینا چاہے گا اس کی یہی سزا ہوگی:

یہ تو پہلے بھی ہوسکتا تھا۔ اللہ کریم کفار کو ہلاک کر سکتے تھے لیکن اللہ نے انہیں انوکھی سزا دی۔ رفاقتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم سے محروم کر دیا! آج اگر کوئی اپنی زندگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کا لحاظ نہیں کرتا اور اپنی مرضی سے جینا چاہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو ہمیں اندازہ نہیں ہوتا۔ اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے پیش ہوں گے تو وہاں معیتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کام آئے گی۔ فی الحال تو بندہ سمجھ رہا ہے کہ اس نے رشوت لے لی، خوب مزے کیے، کسی نے پکڑا بھی نہیں۔ فلاں سے سفارش کروا کے عہدہ لے لیا، لوگوں کا حق مار کر دولت لوٹ لی تو یہ عہدے دولت کب تک کام آئیں گے؟ اس عارضی دنیا کے محدود وقت میں ہی کام آئیں گے۔ اللہ کے سامنے پیشی کے وقت یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ دنیا میں تمہارے پاس کتنی دولت تھی، کتنے اختیارات تھے؟ پوچھا یہ جائے گا کہ اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں سے تمہارے دامن میں کیا ہے؟ نتائج اس پر مرتب ہوں گے۔

قرآنِ حکیم تاریخ کی کتاب نہیں کہ تاریخ بیان کرتا رہے۔ قرآن جب گزشتہ اقوام کے حالات بیان کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ قرآن پڑھنے والے اسے خود پر لاگو کر کے دیکھیں کہ اپنی زندگی میں کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کو داخل کیے ہوئے ہیں؟ جب کام کرنے لگتے ہیں تو کیا یہ خیال آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق ہی کروں، خلاف نہ کروں؟ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں تو ہم نے بھی

اہلِ مکہ کے منکرین کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناقدری کی! اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات کو تمہاری زندگی سے نکال دے۔ جس طرح اہلِ مکہ نے، نہ ماننے والوں نے ناقدری کی اور صحبتِ رسالت سے محروم ہو گئے۔ اسی طرح جو بھی اپنی زندگی سے عظمتِ رسالت کی اہمیت کو نکال دے گا وہ برکاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے محروم ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع نہ کرنا، عظمتِ رسالت کے انکار کے مترادف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کا احساس جب دل میں نہیں رہتا تب کہتا ہے کہ ''میری زندگی ہے میں اسے اپنی مرضی سے جیئوں گا''۔ اسے یہ حق کیسے حاصل ہو گیا؟ اے انسان! تم تو خاکی ذرات کی صورت میں زمین میں منتشر تھے۔ تمہیں، اللہ نے وجود دیا، اس میں عالمِ امر کی روح پھونکی۔ بچے سے جوان کیا۔ بااختیار بنایا۔ جب تمہیں اختیار ملا تم نے کہا یہ میری زندگی ہے! کب تک تمہاری ہے؟ جب ٹانگیں چلنے سے جواب دے جائیں گی، دماغ سوچنے سے رہ جائے گا، جب بات کرتے ہوئے زباں لڑکھڑانے لگے گی تب سمجھ آئے گی کہ یہ میری ہوتی تو میرے پاس رہتی۔ جب موت آئے گی تو پتا چلے گا کہ زندگی کس کی دی ہوئی تھی! اپنی ہوتی تو کوئی جانے دیتا؟ چند روز جو تمہارے پاس ہیں، اس میں کہتے ہو، میری زندگی اپنی ہے میں مرضی سے جیوں گا۔

برکاتِ نبوت کے بغیر زندگی عذاب ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ برکاتِ نبوت سے محروم ہو کر اس دنیا میں بھی کوئی پرسکون نہیں رہ سکتا۔ کوئی خوش حال نہیں رہ سکتا خواہ اس کے پاس اقتدار ہو، دولت ہو۔ اس کی زندگی دکھوں سے بھری رہتی ہے۔ گزشتہ اقوام کے نافرمان لوگ عذاب کا شکار ہوئے اور نابود کر دیے گئے۔ مکہ کے کفار و مشرکین بھی اسی طرح نابود ہوئے کہ ان کا نشان تک باقی نہیں۔

دو مختلف نظریات، دو مختلف انجام:

دنیا میں ازل سے دو ہی طبقے ہیں۔ دو ہی قومیں ہیں۔ مومن اور کافر۔ قرآنِ حکیم نے یہ دو قومی نظریہ بار بار بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ بھلا جو شخص اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہو وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جن کی برائیاں ان کو بھلی معلوم ہوتی ہوں اور جو اپنے نفس کی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

فرمایا، جو ایمان لائے یعنی اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کو قبول کیا وہ مومن ہیں۔ جس نے انکار کیا وہ کافر ہے۔ کفر کی اگرچہ بے شمار اقسام ہیں لیکن بنیادی طور پر دو ہی نظریات ہیں اور ان کے دو مختلف انجام ہیں۔ امام سیوطیؒ نے ایک قول نقل کیا ہے اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کہ کفر ایک قوم ہے۔

فرمایا، دینِ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جس پر عقلی دلائل موجود نہ ہوں۔ دین ہر طرح کے دلائل دیتا ہے۔ اللہ تو قادر ہے۔ حکم دے دیتا کہ ایسا کرو اور اس پر کوئی دلیل بھی نہ دیتا تو وہ خالق و مالک ایسا کرسکتا تھا لیکن اس نے دین دلائل کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ انسانی مزاج، نیکی اور اچھائی کو پسند کرتا ہے۔ انسانی عقل دین کے دلائل کو قبول کرتی ہے اور دین کے احکام انسانی عقل کو مطمئن کرتے ہیں۔ اللہ نے یہ نعمت ہر انسان کے لیے کھلی رکھی۔ اللہ کریم سب کے ربّ ہیں۔ سب کو پیدا فرمایا، زندگی دی تو سب کو زندگی گزارنے کا اسلوب بھی سکھایا۔ انسان کے علاوہ سب کو نظم و ضبط کا فطری طریقے پر پابند کردیا۔ انسان کو ہدایت کے راستے بنادیے۔ ایمان اور کفر دونوں کے انجام سے آگاہ کردیا۔ بااختیار بنا کر فیصلہ کرنے کا موقع دیا۔ اپنی عظمت کو پہچاننے کی استعداد دی اور اطاعت کا راستہ بتا کر اس کا انتخاب انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اللہ کریم نے راہنمائی کا پورا حق ادا کردیا۔

فرمایا، ایک طبقہ جو اللہ کی طرف سے واضح اور روشن دلائل پر زندگی گزارتا رہا۔ زندگی کی مہلت کو اطاعتِ الٰہی میں صرف کرتا رہا اور دوسرا طبقہ جس نے برائی اختیار کی، برے اعمال کیے، اللہ کی نافرمانی کی، انبیاؑ سے منہ موڑا، اللہ کی کتاب کے خلاف زندگی گزاری، اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتا رہا، کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے لہٰذا دونوں کا انجام اپنا، اپنا ہوگا۔ جنہوں نے اطاعت واتباع کیا، ایمان ویقین کے ساتھ اعمال صالح کیے وہ جنت میں جائیں گے۔ اور جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے بھٹک کر زندگی گزارتے رہے وہ جہنم میں جاگریں گے۔

فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔۔۔ جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہوں گی جو خراب نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں ایسے دودھ کی ہوں گی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ایسی شراب کی ہوں گی جو پینے والوں کے لیے بہت لذیذ ہوگی اور بہت سی نہریں بالکل صاف شہد کی ہوں گی اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی۔

جنت کیا ہے جس کا وعدہ اللہ نے اپنے متقی بندوں سے کر رکھا ہے؟ وہ ایک ایسا عالم ہے جہاں کی نعمتیں بے مثل ہیں۔ دنیا کا پانی چند دن کھڑا رہے تو خراب ہوجاتا ہے جنت کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا۔ جنت کی نہریں ایسی ہیں جن کی دنیا میں کوئی مثال نہیں۔ ان کے پانی کا رنگ ہی بدلے گا نہ ذائقہ خراب ہوگا۔ تروتازہ پانی رواں رہے گا۔

دنیا میں دودھ ایک نعمت ہے۔ غذا بھی ہے اور دوا بھی لیکن کچھ دیر تازہ رہتا ہے پھر بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ جنت میں دودھ کی فراوانی ہوگی، نہریں ہوں گی اور وہ دودھ کبھی خراب نہیں ہوگا۔ اس کے بارے دنیا میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ کتنا نفیس، لذیذ، صحت افزا اور خوش کن ہوگا۔ اور دیگر مشروبات ہوں گے جو پینے والوں کے لیے راحت افزا ہوں گے۔ ایسی لذت کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور شفاف شہد کی نہریں ہوں گی۔ دنیا میں پانی، دودھ اور شہد ایسی نعمتیں ہیں جو بہت مفید ہیں لیکن کیا شہد ہر ایک کو میسر ہے؟ یہ تمام نعمتیں اہلِ جنت کے لیے نہروں کی صورت میں میسر رہیں گی اور پھلوں کی کثرت ہوگی۔ ہر طرح کا پھل ہوگا اور خوب ہوگا!

ان سب نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ کی بخشش ہے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے انہیں نصیب ہوگی۔ جنت کی سب سے بڑی نعمت رضائے باری ہے۔ اللہ کی بخشش ہے۔ اللہ نے ان کی اطاعت قبول فرمائی۔ زندگی کو اللہ کے دین پر گزارنے کے لیے جو محنت کی اسے پسند فرمایا اور ان پر رحم فرما کر انہیں جنت میں پہنچا دیا تو پھر کہاں اہلِ جنت اور کہاں اہلِ دوزخ!

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَآءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ کیا یہ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر دے گا۔

اللہ کے نافرمانوں کا طبقہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ جہنم میں جو پانی پلایا جائے گا وہ کس قدر کھولتا ہوا ہوگا کہ حلق سے اترتے ہی انتڑیاں کاٹ دے گا۔ علمائے تفسیر لکھتے ہیں کہ جیسے ہی وہ پانی ان کے ہونٹوں کے قریب لایا جائے گا اس کی گرمی سے چہرے کی کھال اس میں گر جائے گی انہیں مجبوراً پینا پڑے گا۔ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (الواقعۃ:55) تو ایسے پیو گے جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ پیاس کے مارے یہی پانی پینا پڑے گا۔ جیسے ہی کھال گرمی سے گر جائے گی اور انتڑیاں کٹ جائیں گی ویسے ہی نئی کھال بن جائے گی، نئی انتڑیاں بن جائیں گی۔ یہ دائمی عذاب ہوگا۔

منافقین کا کیا حال ہوگا؟ اس لیے کہ: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۔۔۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہلِ علم سے کہتے ہیں کہ آپ نے ابھی کیا فرمایا تھا؟

یہ ایسے لوگ تھے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں آتے تو بڑے غور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے۔ جب محفلِ نبوی سے باہر جاتے تو مسلمانوں سے کہتے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں، پتا نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں! کیسی عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ ہمارے دل کو

نہیں لگتیں۔تم سمجھا سکتے ہو تو ہمیں سمجھاؤ!

ان کا یہ کہنا اس لیے تھا کہ ان بدبختوں نے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو نہیں تھاما۔اور جو کوئی جان بوجھ کر، دیکھتے، جانتے ہوئے دامانِ رسالت پناہی چھوڑتا ہے اس کے لیے فرمانِ الٰہی ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور یہ اپنے نفس کی خواہشوں پر چلتے ہیں۔

جس طرح کے ان کے جرائم ہیں ویسی ہی انہیں سزا دی جاتی ہے۔ان کے گناہوں اور جرائم کی وجہ سے ان کے دلوں پر مُہر کر دی جاتی ہے۔ یہ وہ بدبخت ہیں جنہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامانِ رحمت چھوڑا تو اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ ان کے دل سمجھنے کی استعداد سے محروم ہو گئے۔ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے۔ انہیں ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم گویا سنائی نہیں دیتے۔ سنا، ان سنا برابر ہو جاتا ہے۔ جب کسی کے دل پر مہر ہو جائے تو بندہ خواہشاتِ نفس کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔ جانوروں جیسی زندگی گزارتا ہے۔ بھوک لگی، کھا لیا۔ جائز ناجائز، پاک پلید کی کوئی تمیز نہیں۔ جس بات کی خواہش پیدا ہوئی وہ پوری کر لی۔ نیند آئی سو گئے۔ آنکھ کھل گئی اٹھ گئے۔ جھوٹ بول لیا، گالی دے دی، جو جی میں آیا کرتے رہے۔

یہ صرف ایک اسی عہد کی بات نہیں۔ آج بھی ایک طبقہ ہے جو اعلانیہ کہتا ہے چھوڑو ان مولوی صاحبان کو۔ پتا نہیں کیا باتیں کرتے ہیں۔ پندرہ سو سال پرانی بات لے کر بیٹھے ہیں۔ یہ باتیں تو آج زمانے کا ساتھ ہی نہیں دے سکتیں۔ ان کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ آیہء مبارکہ دے رہی ہے کہ جو دامنِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام تھامتے ہیں، ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ جو نہیں تھامتے ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ ہمارے معاشرے میں یہ سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔ بے شمار لوگ، لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟

درندوں کی دنیا میں بھی بھیڑیے گلّہ بنا کر رہتے ہیں۔ شیروں کے بھی گروہ ہیں تو انسان، اکٹھے کیوں نہیں رہ سکتے؟ اس لیے کہ جب یہ خواہشاتِ نفس کے اسیر ہو گئے تو ان کا نفس انہیں اکساتا ہے کہ دوسروں کو مٹا دو اور یہ اپنے کسی مادّی فائدے کی خاطر دوسروں کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی تک کو زمین جائیداد کے حصول کے لیے مار دیتا ہے۔ یہ اس کی خواہشِ نفس تھی۔ اگر دین کا اتباع کرتا تو اپنا حصہ لیتا، اس پر قانع رہتا۔ بھائیوں کو ان کا حق دیتا لیکن جس نے بھائی کو قتل کر دیا اور زمین ہتھیالی اس کا مطلب ہے کہ اس کا دل دین سے خالی تھا۔ ایسے لوگ خواہشِ نفس کے پیچھے زندگی ضائع کر دیتے ہیں اور بُرے انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ جس طرح اطاعتِ الٰہی کا نتیجہ جنت

ہے، مغفرت ورحمت کا حصول ہے اسی طرح خواہشاتِ نفس کی پیروی کا نتیجہ جہنم اوراس کے عذاب ہیں۔ جس طرح برائیاں کرتے چلے جانا اور کبھی توبہ نہ کرنا دلوں پر مہر لگنے کا سبب ہے۔ ہر گناہ مزید گناہ کا سبب بنتا ہے۔ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے بیسیوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں یعنی ہر گناہ کا فطری تقاضا ہے کہ ایک اور گناہ کیا جائے۔ اسی طرح ہر نیکی دوسری نیکی کی توفیق کا سبب بنتی ہے فرمایا، یہی بات نہیں کہ جو گناہ کرتے ہیں، انہیں بڑی سخت سزا دی جاتی ہے بلکہ: وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی وَّاٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ ﴿۱۷﴾ اور جولوگ راہ پر ہیں (اللہ) ان کو زیادہ ہدایت دیتے ہیں اور ان کو پرہیز گاری عطا فرماتے ہیں۔ جولوگ نیکی پر ہوتے ہیں انہیں نیکی کی توفیق ارزاں کر دی جاتی ہے۔ جو یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں دین کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے وہ ایک نیکی کرتے ہیں ہم انہیں نیکیوں کی مزید توفیق دے دیتے ہیں، نیکی کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔ انہیں پاکیزگی، تقویٰ، پاک دامنی عطا کر دیتے ہیں۔ عربی لفظ تقویٰ کا جب اردو میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو پرہیز گاری کے علاوہ کوئی متبادل لفظ نہیں ملتا۔ اردو کے دامن میں اس کا متبادل لفظ اور کوئی نہیں لیکن یہ لفظ تقویٰ کا مفہوم کماحقہٗ ادا نہیں کرتا۔ تقویٰ دراصل ایک کیفیت کا نام ہے۔ جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا تعلق قائم ہو جائے کہ ان کی ناراضگی کا شائبہ بھی ہو تو بندہ لرز جائے۔ جب ایسا رشتہ بن جائے کہ مجھے سب کچھ اللہ کریم سے مل رہا ہے، اسے ناراض نہیں کرنا، ایسا تعلق ہو، اس کا اتنا لحاظ ہو، اس کی اتنی پاسداری ہو کہ میں نے اس کی نافرمانی نہیں کرنی۔ تقویٰ اس کیفیت کا نام ہے کہ یہ سمجھ آ جائے کہ جو نعمت مل رہی ہے۔ اللہ سے مل رہی ہے۔ زندگی اس کی عطا ہے۔ وجود اس کی عطا کردہ نعمت ہے۔ سب اسی کا ہے، اسی نے دیا ہے، وہی دیتا رہے گا۔ اسی سب سے کچھ ملنے کی امید ہے۔ میں اسے ناراض نہیں کر سکتا۔

اللہ کریم کے ہر انداز میں کرم اور رحم پنہاں ہوتا ہے۔ اللہ کریم انبیاء کے ذریعے دنیا میں بتا دیتے ہیں کہ اپنے اختیار کو درست طریقے سے استعمال کرو۔ تمہارے فیصلے کے نتیجے میں تمہیں وہی ملے گا جس کا تم نے فیصلہ کیا تھا۔ ان آیاتِ مبارکہ میں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کا صرف یہی قانون نہیں ہے کہ گناہ کرتے کرتے، گناہ کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے اور وہ ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ یہ بھی اللہ کریم کا قانون ہے کہ جو نیکی اپناتے ہیں، نیکی کرتے ہیں، ہم ان کے دل روشن کر دیتے ہیں اور ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں۔ انہیں نیکیوں کی مزید توفیق عطا کر دیتے ہیں۔ اور بندے کی اللہ کریم سے ایک خاص نسبت ہو جاتی ہے۔ جسے تقویٰ کہتے ہیں۔

قیامت اچانک آئے گی:

فرمایا: فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰی لَهُمۡ اِذَا

جَآءَتۡهُمۡ ذِكۡرٰىهُمۡ ﴿۱۸﴾ تو کیا یہ قیامت کو دیکھ رہے ہیں کہ ان پر اچانک آ جائے۔ سو اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں تو جب یہ (قیامت) ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو اس وقت ان کو نصیحت کہاں سے ہوگی۔

فرمایا، بے دین اور کافر کیا قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت آئے گی تو توبہ کر لیں گے؟ موت آئے گی تو دیکھا جائے گا! قیامت تو اچانک آ جائے گی۔ اور توبہ کی فرصت نہیں ہوگی۔ موت بھی آ جاتی ہے تو توبہ کی فرصت نہیں ملتی۔ جب عمل کی مہلت ہی ختم ہو گئی تو اصلاح کس طرح کریں گے؟ فرمایا، قیامت کی نشانیاں تو تمہارے سامنے موجود ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اللہ نے اپنا آخری نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا میں مبعوث فرما دیا۔ اب کوئی نئی رسالت نہیں ہوگی۔ اللہ کی آخری کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہو چکی۔ اب کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی تو اس مہلت کا فائدہ اٹھالیں۔

ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ارشاد کردہ نشانیوں کو اپنے ارد گرد پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے لیے بھی یہی زندگی کی مہلت ہے، اس وقت اصلاح کر لیں پھر اصلاح کی مہلت باقی نہ رہے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی کا مفہوم ہے موت ایک چھوٹی سی قیامت ہے۔ موت آتی ہے تو اصلاح کی مہلت ختم ہو جاتی ہے پھر توبہ کر کے کوئی کیا کرے گا؟ جب نزع کا عالم طاری ہو جائے یا برزخ کھل جائے یا فرشتے نظر آ جائیں تو پھر کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ علما فرماتے ہیں کہ مومن گناہگار اس وقت بھی توبہ کر لے تو قبول ہو جاتی ہے۔ ایمان کی دولت اتنی عظیم ہے، اس کا اتنا لحاظ اور اکرام کیا جاتا ہے کہ مومن کو فرشتے نظر آ جائیں، حجابات ہٹ جائیں، برزخ واضح ہو جائے اور وہ اس وقت بھی توبہ کر لے تو مومن کی توبہ اس وقت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ کافر کی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فرعون کے واقعے میں ملتا ہے کہ جب فرعون نے عذاب دیکھ لیے تو کہا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سوائے اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔۔۔ فرمایا گیا: آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (یونس: 91) (فرمایا) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ اب مانتا ہے! جب ملک الموت سامنے ہے، برزخ کھل گیا ہے، عذاب کے فرشتوں کو دیکھ رہا ہے۔ جب فرصت تھی تو تو انکار کرتا رہا۔

یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ جب قیامت آ جائے گی تو پھر کون انہیں نصیحت کرے گا، کون ان کا بہی خواہ ہوگا، کون سمجھائے گا کہ یہ کام نیکی ہے اور یہ برائی ہے۔ دین سیکھنے اور نیکی کرنے کا وقت بیت چکا ہوگا۔

اور: فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔۔۔ پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ جان لیجیے کہ یہ قطعی بات ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔ عبادت، غیر مشروط اطاعت کا نام ہے۔ بے چون و چرا اطاعت صرف اللہ کی ہوگی۔ فرمایا: وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ ۔۔۔ اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

انبیا علیھم السلام خطا سے پاک ہیں:

اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیائے کرامؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ عصمت خاصہ ءنبوت ہے۔ نبیؐ سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے مخاطب ہو کر فرمانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی خطاؤں کی معافی مانگیں، اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ترکِ اولیٰ کا صدور ہے۔

انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام دو طرح کے کام کرتے ہیں۔ اللہ کی وحی کے حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ بعض امور کی تفصیل میں انبیائے کرامؑ اجتہاد سے فیصلہ کرتے ہیں جو یقیناً اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اجتہاد میں کبھی کہیں نبیؐ سے ترکِ اولیٰ کا صدور ہو جاتا ہے۔ یعنی جو زیادہ مناسب بات تھی وہ رہ جاتی ہے۔

اجتہاد کی فضیلت میں ہے کہ عام مجتہد کے اجتہاد میں اگر غلطی ہو جائے تو بھی اسے اجتہاد کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ لیکن نبیؐ کی شان کے خلاف ہے کہ اجتہاد میں ترکِ اولیٰ بھی ہو جو کبھی انبیاؑ سے ہو جاتا ہے۔ جیسے بدر کے قیدیوں کے بارے بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ بعض نے عرض کی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فطری شفقت اور رحم دلی کے باعث فدیہ لینے والی بات قبول فرمالی۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ ان قیدیوں کی سزا یہی تھی کہ انہیں قتل کر دیا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فدیہ لینے والا راستہ اختیار کیا تو وہ بات ترکِ اولیٰ تھی یعنی پہلی رائے زیادہ مناسب تھی۔ فدیہ لے کر چھوڑ دینا غلط نہیں تھا۔ یہ بھی صحیح تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو کیا وہ ٹھیک کیا ہے لیکن ویسا کرتے تو بہت زیادہ ٹھیک ہوتا!

یہ ہے ترکِ اولیٰ کا صدور جس پر اللہ کریم ذَنْب کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ ماوشما کو، کسی بندے کو اجازت نہیں کہ وہ اس لفظ کو نبیؐ کے بارے استعمال کرے۔ کوئی شخص بارگاہِ رسالت کے لیے یہ لفظ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم کی شان بلند ہے۔ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے جیسے چاہے ارشاد فرمائے۔ وہ فرما سکتا ہے۔ اور اس آیہ ءمبارکہ کا یہی مفہوم ہے کہ جو کوئی ترکِ اولیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے کہیں ہوا ہے تو اس کی معافی چاہیں۔

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی۔ اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے سے باخبر ہیں۔

اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرما رہے ہیں کہ آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ خطائیں ہم کریں اور بخشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مانگیں! وہ ہستی، صلی اللہ علیہ وسلّم کتنی ہمدرد، مہربان اور کریم ہے کہ غلطی ہم کرتے ہیں، بخشش اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مانگتے ہیں۔ اللہ خود کتنے کریم ہیں کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ میرے ایمان دار بندوں سے جو کوتاہی،

سستی، غلطی ہو جاتی ہے اس کے لیے اپنے ربّ سے بخشش مانگیں۔ اللہ کا کرم بھی ناپیدا کنار سمندر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفقت کی بھی کوئی حد نہیں کہ خطائیں ہم کریں اور ہماری بخشش کی دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کریں۔

بخشش کا راستہ بارگاہِ رسالت سے ہو کر جاتا ہے:

یہاں بخشش کے لیے ایک چیز کی قید ہے، ایک شرط رکھی گئی ہے۔ بخشش کی دعا کن لوگوں کے لیے کرنے کا حکم آیا ہے؟ فرمایا مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے۔ یعنی اللہ کے ایمان دار بندوں کے لیے۔ ایمان دار بندے، مومن لوگ وہ ہیں جن کا عقیدہ درست ہو، عمل شریعت کے مطابق کرتے ہوں۔ اس کے باوجود غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں، کوتاہی بھی ہو جاتی ہے، کچھ اعمال چھوٹ جاتے ہیں۔ ان کے لیے بخشش کی دعا فرمانے کا حکم ہے۔ اور جس کی زندگی ہی بے مہار ہو جو خواہشاتِ نفس کے پیچھے دوڑ رہا ہو، یہ نعمت اس کے لیے نہیں ہے۔ یہ ان مرد و خواتین کے لیے ہے جو رضائے باری کے لیے رات دن کوشاں رہتے ہیں۔

یاد رہے! بخشش کا راستہ بارگاہِ رسالت سے ہو کر جاتا ہے۔ نجات کی امید اتباعِ رسالت میں رکھی جائے۔ مخالفت کر کے نجات پانا ممکن نہیں۔ اور یہ امر ہر لحہ ملحوظِ خاطر رکھو کہ اللہ کریم تمہارے ہر حال سے، تمہارے رہنے سہنے، چلنے پھرنے، ہر ٹھکانے سے بخوبی واقف ہیں کوئی اس کی نگاہ سے چھپا ہوا نہیں۔ زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ پچاس ساٹھ۔ ستّر اسّی میں جب بھی توبہ کر لے اللہ قبول فرما لیتے ہیں۔ سارے گناہ معاف کر کے دامانِ رسالت سے وابستہ کر دیتے ہیں لیکن یہ موقع تب تک ہے جب تک زندگی ہے۔ موت آ جائے گی تو دارالعمل ختم ہو جائے گا اس انتظار میں نہ رہو کہ موت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ اس وقت کیا کر لو گے؟

سورۃ محمد رکوع 3 آیات 20 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ
تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ
عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ
وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

اور ایمان والے لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟ سو جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے، تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان کو دیکھتے ہیں وہ آپ کی طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو پس ان کے لیے خرابی

ہے ﴿۲۰﴾ فرمانبرداری اور اچھی بات کہنا (خوب ہے) پھر جب (جہاد کا) فیصلہ پکا ہو گیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا ﴿۲۱﴾ (اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم کو اقتدار مل جائے تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو ﴿۲۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر ان کو بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ﴿۲۳﴾ تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر ان کے قفل لگ رہے ہیں ﴿۲۴﴾ بے شک جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے شیطان نے انہیں یہ کام خوبصورت کر کے دکھایا اور انہیں لمبی عمر کا وعدہ دیا ﴿۲۵﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہیں ﴿۲۶﴾ سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے، ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے ﴿۲۷﴾ یہ اس لیے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضگی کا سبب تھا یہ اُسی پر چلے اور اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے، تو اُس نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا ﴿۲۸﴾

تفسیر و معارف

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝۲۰ اور ایمان والے لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟ سو جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان کو دیکھتے ہیں وہ آپ کی طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پس انکے لیے خرابی ہے۔

مومنین تو وحی کے انتظار میں رہتے تھے کہ ہر وحی انوارات وتجلیات باری کی امین ہوتی۔ اپنے ساتھ برکات لاتی، انعامات باری ہوتے۔ ہر وحی کسی نہ کسی عمل کا حکم لاتی، عمل کی راہیں کھلتیں اور قربِ الٰہی نصیب ہوتا۔ مومنین کو تو

اس لیے یہ انتظار رہتا تھا کہ کوئی نئی صورت نازل ہو، اس پر عمل کی توفیق نصیب ہو اور اس سے برکات حاصل کی جائیں۔ لیکن منافقین کا حال بالکل الٹ تھا۔ جب جہاد کی آیات نازل ہوتیں تو منافق، گھبرائے ہوئے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس طرح دیکھ رہے ہوتے تھے گویا ان پر موت کی غشی طاری ہو۔

قرآنِ حکیم کی ساری آیات تین طرح پر تقسیم ہیں۔ اکثر تعداد آیات محکمات کی ہے۔ محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں منسوخ ہونے والی کوئی آیت نہیں۔ یہ آیات جب سے نازل ہوئیں تب سے قیامت تک اپنی اصل صورت میں موجود ہیں۔ جہاد کی آیات بھی محکمات میں سے ہیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جو منسوخ ہوئیں۔ ان کی جگہ اللہ کریم نے کوئی نئی آیت نازل فرمائی یا آیت موجود رہی حکم منسوخ کیا گیا یا آیات اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔ اصطلاحاً اس آیت کو ناسخ کہتے ہیں جو پہلے والی کو منسوخ کرتی ہے۔ انہیں ناسخ و منسوخ کہا جاتا ہے۔ یہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ مثال کے طور پر رجم کا حکم قرآن کی آیت تھی۔ وہ آیت منسوخ ہو گئی لیکن رجم کا حکم باقی رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس حکم کو نافذ فرمایا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں نافذ العمل رہا اور قیامت تک کے لیے رجم کا حکم موجود رہے گا۔ تیسری قسم کی چند آیات وہ ہیں جنہیں متشابہات کہتے ہیں۔ جن کے معنی سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان آیات پر ایمان رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا باقی قرآن پر۔ ان کی تلاوت ضروری ہے کہ یہ قرآن ہیں۔ مثلاً یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (الفتح:10) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ یہ تشریح کرنا کہ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے؟ یہ ممکن نہیں۔ اس لیے علما یہاں معنی بعید مراد لیتے ہیں یعنی کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے تو اس سے مراد اس کی تائید کرنا ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کے ساتھ اللہ کی پوری مدد ہے یا جیسے تمام حروفِ مقطعات۔ الٓمّٓ (البقرۃ:1) یا عٓسٓقٓ (الشوریٰ:2) یہ بھی متشابہات میں سے ہیں۔

دوسری اور تیسری قسم کی آیات کم ہیں۔ باقی سارا قرآن آیاتِ محکمات میں سے ہے جن کے معنی واضح ہیں، جن کا مفہوم ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور جن پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے۔ جہاد کی آیات آیاتِ محکمات میں سے ہیں یعنی نزولِ آیت سے لے کر قیامت تک یہ حکم قائم و دائم ہے اس پر عمل ہوتا رہے گا۔

اس کی تعبیرات اور تشریحات میں لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ جہاد، فساد کی ضد ہے۔ اسلامی جہاد یہ ہے کہ جہاں فساد ہو اسے ختم کرنے اور روکنے کے لیے کوشش کی جائے۔ اگر زبانی سمجھانے سے فساد رک جائے تو زبانی سمجھانا جہاد ہے۔ مقابلے کے لیے تلوار اٹھانا پڑے تو تب تک جہاد ہوگا جب تک وہ برائی رک نہیں جاتی۔ لوگ اس سے باز آ جائیں گے تو امن ہو جائے گا۔ جہاد کا مقصد امن قائم کرنا ہے۔ ظلم و زیادتی کو روکنا، برائی کو روکنا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ میدان جہاد میں جنگ جہادِ اصغر ہے اور اپنے نفس کے خلاف

چلنا۔ اللہ کریم کی اطاعت کو نفس پر مقدم رکھنا جہادِ اکبر ہے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جنگ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ کتنے فوجی ہیں جو فوج میں عمر گزار کر پھر گھر آ جاتے ہیں کیونکہ ان کی پیشہ ورانہ مدتِ ملازمت میں لڑائی کا موقعہ ہی نہیں آیا۔ وہ ٹریننگ لیتے رہے۔ مشقیں کرتے رہے لیکن جنگ کا موقع نہ آیا۔ لیکن اپنے آپ کو برائی سے روکتے رہنا۔ اللہ کی نافرمانی سے روکتے رہنا لحہ لحہ کا جہاد ہے۔ ساری زندگی کی بات ہے۔ اسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ جہاد اپنے آپ سے شروع ہوتا ہے۔ برائی کو بُرا بندہ کیا مٹائے گا؟ جو خود برا ہے وہ تو برائی کا سبب بنتا ہے، اس کی وجہ بنتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح شروع کرے تو جہادِ اصغر بھی کرے گا۔

مومن اور منافق کا فرق:

جہاد کی آیات پر جو لوگ پریشان ہوتے تھے انہیں قرآن نے منافق کہا ہے۔ مکہ مکرمہ میں کلمہ پڑھنا گویا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ دنیا بھر کی تکلیفیں، مصیبتیں، کفر کی مخالفت، ایذائیں اور جان کا اندیشہ۔ یہ سارے خطرات درپیش تھے اس لیے وہاں کوئی منافق نہیں تھا۔ مدینہ منورہ میں جب ریاستِ اسلامی قائم ہوگئی تو کچھ ایسے لوگ بھی آ گئے جن کے دلوں میں ایمان تو نہیں تھا لیکن انہوں نے اسلامی ریاست سے مفاد حاصل کرنے کے لیے بظاہر کلمہ پڑھ لیا۔ نمازیں بھی پڑھتے رہے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں تھا۔

فرمایا، جب جہاد کی بات آتی ہے تو مومن اور منافق کا فرق سامنے آ جاتا ہے۔ مومن خوش ہوتا ہے۔ اسے پتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان بھی چلی گئی تو حیاتِ دوام مل جائے گی۔ جان تو ایک دن ویسے بھی جانی ہے۔ موت نے تو آنا ہے۔ زندگی نے تو ختم ہونا ہے۔ اگر جہاد میں شہادت نصیب ہوگئی تو ہمیشہ کی حیات مل گئی۔ مومن اس پر خوش ہوتا ہے اور منافق جس کے دل میں نفاق کا مرض ہے وہ موت سے پہلے موت کے خوف سے مرتا رہتا ہے۔

اطاعتِ الٰہی غیر مشروط ہے:

فرمایا: طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔۔۔ فرمانبرداری اور اچھی بات کہنا (خوب ہے) اللہ کی بارگاہ میں بہانے نہیں چلتے۔ اللہ کی بارگاہ کا تو ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اطاعتِ الٰہی کا راستہ۔ اطاعتِ الٰہی غیر مشروط ہوتی ہے، بلاچون وچرا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہوتی کہ یہ ہو تو نماز پڑھوں گا اور یہ نہ ہو تو نہیں پڑھوں گا۔ نماز تو فرضِ عین ہے۔ بلا عذرِ شرعی کسی پر معاف نہیں ہے۔ جب تک ہوش حواس قائم ہیں، فرض ہے۔ بہت سی رعایتیں ہیں۔ وضو نہیں کر سکتا، تیمم کر لے۔ کھڑا نہیں ہو سکتا، بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ نہیں سکتا، لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے لیکن چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

عہدِ حاضر میں اللہ کی عبادت کے ساتھ شرائط جوڑ لی گئی ہیں۔ جو چند روز نمازیں پڑھ لے اس کا خیال ہوتا ہے کہ اب وہ نمازیں پڑھتا ہے لہٰذا اب دنیا میں وہ ہونا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں نمازیں پڑھتا ہوں پھر بھی میری دکان نہیں چلتی۔ میں تہجد بھی پڑھتا ہوں، میرے بیٹے کو نوکری نہیں ملتی، عبادت کرتا ہوں لیکن گھر والے بیمار ہو گئے ہیں۔ بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ نمازیں اور تہجد پڑھتے ہو تو کیا اللہ پر احسان کرتے ہو؟ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ نماز اور تہجد کی توفیق دے رکھی ہے۔ صحت، بیماری، روزگار، جوانی، بڑھاپا، زندگی اور موت تو اللہ کے فیصلے ہیں۔ کیا تہجد پڑھ کر تم اللہ کے قائم مقام ہو جاؤ گے، اس کی کائنات چلانے لگ جاؤ گے؟ نماز پڑھ کر اللہ کے بندے بنو گے یا خود خدا بن بیٹھو گے؟ عبادات تو مزید بندگی پیدا کرتی ہیں۔ اطاعت گزار بناتی ہیں۔ عبادات سے کوئی کائنات کا مالک تو نہیں بن جاتا!

آج لوگ سوال کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم سے ایسا کوئی وظیفہ بتائیں جس سے ساری خواہشات پوری ہو جائیں۔ قرآن خواہشات کی پیروی سے ہٹا کر اطاعتِ الٰہی پر لانا چاہتا ہے اور آج کا مسلمان قرآن کا وظیفہ پڑھ کر خواہشات پوری کرنا چاہتا ہے۔ عجیب مسلمانی ہے، سوچ کا عجیب انداز ہے، کمال ہے! یہ نقلی پیروں اور جعلی علما نے لوگوں کو سکھا دیا ہے کہ فلاں آیت پڑھو تو فلاں کام ہو جائے گا اور فلاں آیت پڑھو تو وہ کام ہو جائے گا۔

آج لوگوں کے یہی سوال ہوتے ہیں۔ کسی نے پوچھا، قرآن کی کون سی آیت کو کثرت سے پڑھنا چاہیے؟ میں نے کہا سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ الناس تک سارا قرآن کثرت سے پڑھو۔ یہ آیات، اللہ کا کلام ہے۔ یہ آیات راہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ کی پہچان بتاتی ہیں کہ اللہ کے ساتھ تمہارا ایمان کیسا ہونا چاہیے۔ اللہ کی اطاعت کن اعمال سے ہوتی ہے۔ کون سی باتیں، اللہ کی نافرمانی میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ زندگی کی کتاب ہے۔ جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اطاعت اور نافرمانی کی تعیین کرتی ہے۔ یہ اس لیے تو نہیں ہے کہ ہماری خواہشاتِ نفس پوری ہوتی رہیں۔ قرآن اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتے، خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ دراصل خواہشات کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ بھی قلب کے امراض میں سے ایک مرض ہے کہ دین کو دنیا کا ذریعہ بنایا جائے۔ قرآنی آیات کو دنیوی مقاصد کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ یہاں تو ایک ہی طریقہ چلتا ہے: طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔۔۔ جو حکم اللہ کی طرف سے آئے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئے سرِ تسلیم خم ہے۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

فرمایا جا رہا ہے کہ اطاعت کرو، اعتراض نہ کرو۔ قرآنِ حکیم کو سمجھو پھر خوش دلی سے اس پر عمل کی کوشش کرو۔

جس کے دل میں مرض ہو، وہ احکام الٰہی کو بوجھ اور مشکل سمجھتا ہے۔ جب جہاد کی بات آ جائے۔ جان دینے کی بات آ جائے، وقت دینے اور مال قربان کرنے کا وقت آ جائے تو ان پر وہ ہیبت طاری ہو جاتی ہے جیسے موت کے وقت بندے پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے صرف تباہی ہے۔ جو اطاعتِ الٰہی سے جی چراتے ہیں وہ اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ اللہ کے ہاں تو اطاعت کے سوا کچھ قبول نہیں۔

فرمایا: فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ پھر جب (جہاد کا) فیصلہ پکا ہو گیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب یہ طے ہو گیا کہ برائی کو روکنے کے لیے اب عملاً جہاد بالسیف کرنا پڑے گا۔ یہ کفار زبان سے، سمجھانے سے ماننے والے نہیں۔ انہیں روکنے کے لیے جہاد و قتال کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جب یہ بات طے ہو گئی تھی تو پھر اللہ سے سچ بولتے۔ اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ معبودِ برحق ہیں تو پھر بے چون و چرا اللہ کی اطاعت کرتے۔ جب دعویٰ کیا تھا کہ ہم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے۔ اپنی بات کو سچا کرتے۔ اسی میں ان کی بھلائی تھی۔

جہاد سے جی چرانے سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور بے دین لوگ حکمران بن جاتے ہیں۔ فرمایا: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ (اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم کو اقتدار مل جائے تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ فرمایا، ایسے لوگوں کو جن کی بات میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی سچ نہیں ہے، زبانی کلمہ پڑھتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے۔ اگر ایسے لوگوں کو دنیا میں اقتدار مل جائے تو یہ زمین پر فساد پھیلائیں گے۔ رشتوں کو توڑنے کا، قطع رحمی کا سبب بنیں گے۔ جب یہ بااختیار ہوں گے تو لوگوں کے حقوق چھینیں گے۔ صرف لوگوں کے ہی نہیں اپنوں کے بھی چھینیں گے، کسی سے رعایت نہیں کریں گے۔ ان کے سبب روئے زمین پر فساد پھیلے گا ان کا اثر نیچے تک آئے گا۔ بہن کا مال بھائی کھا جائیں گے۔ بھائی دوسرے بھائیوں کا مال کھا جائیں گے۔

ہماری بدنصیبی کہ آج ہمارا حال یہی ہے۔ حاکم لوٹتا ہے، تو اس کے کارندے اور ماتحت لوٹتے ہیں۔ اسی طرح ہوتے ہوتے عام آدمی بھی اس لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو جاتا ہے ایک ٹھیلے والا بھی کوشش کرتا ہے کہ تازہ سبزی کے دام لے کر کچھ پرانی سبزی تازہ میں ملا کر دے دے۔ جتنا جس سے ہو سکتا ہے، برا کرتا ہے، ہر آدمی دوسرے کا حق چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ برائی کی جڑ اوپر ہوتی ہے۔ یہ فساد اوپر سے شروع ہوتا ہے۔ حکمران طبقے سے شروع ہوتا ہے اور نیچے تک اثر جاتا ہے۔

رحمتِ الٰہی سے محروم لوگ:

فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر ان کو بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

اللہ نے نفاق کا معیار یہ بتایا ہے کہ یہ زبانی ایمان لاتے ہیں اسے عمل سے سچ ثابت نہیں کرتے۔ ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ لعنت، ضد ہے رحمت کی۔ لعنت کا مطلب ہے رحمت سے محروم۔ یہ رحمتِ الٰہی سے محروم لوگ ہیں۔ ان کی منافقت کی وجہ سے اللہ ان کے کانوں کو بہرہ کر دیتا ہے یعنی آوازیں تو سنائی دیتی ہیں، مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ آنکھیں بھی اندھی ہو جاتی ہیں عبرت نہیں حاصل کرتے۔ اپنے اردگرد ہی دیکھ لیتے۔ برے لوگوں کے کردار کے برے نتائج دیکھتے تو عبرت حاصل کرتے! رحمتِ الٰہی سے محروم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اردگرد کتنا قرآن بیان ہوتا ہے، کتنی حدیث بیان ہوتی ہے۔ کتنے بیان تفسیر اور کتنے حدیث کی شرح پر ہوتے ہیں، کتنی دعوت الی اللہ ہوتی ہے، کتنی کتابیں چھپتی ہیں، اخبار، رسالے، ٹی وی نشریات کتنا دین کے بارے بتاتے ہیں؟ معاشرے میں ایک گونج ہوتی ہے، تبدیلی نہیں آتی، کردار نہیں بدلتے، اصلاح نہیں ہوتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ انہیں سنائی ہی نہیں دیتا۔ آواز تو سنائی دیتی ہے، بات دل میں نہیں اترتی۔ بات دل میں نہ اترے تو بندہ عمل نہیں کرتا۔ اس کا سننا ایسے ہے گویا اس نے سنا ہی نہ ہو۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر ان کے قفل لگ رہے ہیں۔

یہ کتاب، کتابِ حیات ہے۔ زندگی کا پروگرام دیتی ہے۔ آخرت کی کامیابی اور جنت میں داخلے کی ضمانت دیتی ہے۔ یہ اللہ کی رضا، اس کی خوشنودی پانے کا نسخہ بتاتی ہے۔ یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچانے والی کتاب ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت میں پہنچانے والی کتاب ہے اور یہ لوگ اس کے ذریعے بھی اپنی دنیا ہی تلاش کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی قرآن میں غور کیا ہے، آیات کے مفاہیم سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ انہوں نے کبھی قرآن کھول کر زندگی کی راہ تلاش نہیں کی، اس کے لیے کبھی کھول کر نہیں دیکھا۔ کھولتے ہیں تو دنیوی مفاد کے لیے قرآن سے وظیفے تلاش کرتے ہیں۔ انہیں دین نظر نہیں آتا۔ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بے شک جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے شیطان نے انہیں یہ کام

خوبصورت کر کے دکھایا اور انہیں لمبی عمر کا وعدہ دیا۔

اللہ کریم نے راہِ ہدایت واضح کر دی۔ قرآن نے صاف صاف بتا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی بھی ارشاد فرما کر قرآن کی پوری تفسیر بیان فرما دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حیاتِ طیبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے متعلق کچھ بتائیے؟ آپؓ نے نہایت بلیغ اور جامع جواب ارشاد فرمایا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن (امام احمد بن حنبل، مسند عائشۃ الصدیقہ) قرآن پڑھو، جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا ہر لمحہ قرآن کی عملی تفسیر و تعبیر ہے۔

فرمایا، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے باوجود اس پر نہیں آتے عملاً نہیں مانتے۔ شیطان نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ انہیں لمبی لمبی امیدیں دلا دی ہیں کہ ایسا کرو گے تو اتنی دولت ملے گی، اقتدار ملے گا، مزید دولت ملے گی۔ انہیں موت بھول جاتی ہے۔ آخرت بھول جاتی ہے۔ یہ اتنا بھی نہیں کرتے کہ اردگرد دیکھ کر اپنے سے پہلے حکمرانوں کا انجام ہی دیکھ لیں کہ وہ دولت لوٹ کر یہیں چھوڑ گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہیں۔

قرآن نے کیسے منافقانہ روش کو کھول کر بتا دیا کہ منافق مفادات کا اسیر ہوتا ہے۔ زبانی جو کچھ کہتا ہے دل سے اس کا انکاری ہوتا ہے۔ ظاہراً اسلام کا لبادہ اوڑھ کر دنیوی فوائد حاصل کرتا ہے۔ باطناً اسلام سے دور ہوتا ہے۔ دل سے منافق ہوتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کے پاس جاتا ہے جو دل سے، قرآن سے نفرت کرتے ہیں۔ ان میں بھی اپنی عزت قائم رکھنا چاہتا ہے اور اسلام کا لبادہ اوڑھنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اس کا نفاق چھپا رہے۔

اس عہد میں علمائے یہود کہا کرتے تھے کہ علم تو ہمارے پاس ہے۔ اہلِ علم تو ہم ہیں۔ انقلاب کی بنیاد تو اہلِ علم پر ہوتی ہے۔ لوگوں کی راہنمائی کرنے والے، انہیں کسی کام پر آمادہ کرنے والے اہلِ علم ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننے والے تو ان پڑھ اور غریب لوگ ہیں۔ یہ کیسے انقلاب لا سکتے ہیں، ہمارے تعاون کے بغیر انقلاب کیسے آسکتا ہے؟ قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ یہ منافقین ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جو اسلام سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں، ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے۔ ساری باتیں نہیں مان سکتے۔ اگر ساری مان لیں تو ہماری منافقت ظاہر ہو جائے لہٰذا بظاہر ہم ان کے ساتھ نماز روزہ کریں گے لیکن اندر اندر تمہاری باتیں مانیں گے۔

آج کے عہد میں اسی بات کو ایک نیا نام دیا گیا ہے۔ **اتحاد بین المذاہب**۔ سچ اور جھوٹ، حق اور باطل میں اتحاد کیسا؟ رات اور دن کا، آگ اور پانی کا اتحاد ممکن نہیں تو ایمان اور کفر میں کون سا اتحاد ممکن ہے؟ اسلام کسی کو زبردستی ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ دعوتِ الی اللہ دے کر آزاد کر دیتا ہے۔ کوئی ایمان لانا چاہے، ٹھیک ہے۔ نہ لانا چاہے تو کفر پر رہے۔ اس کے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے۔ اس کی زندگی کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہیں تو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے!

اتحاد بین المذاہب تو ممکن ہی نہیں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کو ماننے والا اور اللہ کی عظمت کا منکر متحد ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا اور نبوت کا منکر متحد ہوں۔ ایسا ممکن ہی نہیں۔ افسوس ہے کہ دورِ حاضر کا مسلمان اس منافقانہ طرزِ عمل کا شکار ہو رہا ہے۔ بہت سی باتیں جن میں یہود و نصاریٰ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ فرمایا، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ باتیں، یہ سوچیں، یہ افکار، یہ اعمال اللہ سے چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں ضرور پتا چلے گا۔ فرمایا: **فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ** ۞٢٧ سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے، ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ** ۞٢٨ یہ اس لیے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضگی کا سبب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے تو اس نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔

جو لوگ بظاہر مسلمان بنے رہے۔ اندر سے ایمان نہ لائے۔ کافروں اور منافقین کا کردار اپنائے رکھا اس لیے کہ کفار میں بھی عزت بنی رہے اور کلمے سے اظہارِ وابستگی بھی رہے۔ انہیں تب پتا چلے گا جب جان نکالنے والے فرشتے ان کے چہروں پر اور ان کی پشت پر ماریں گے۔ اس وقت پتا چلے گا کہ انہوں نے اپنے لیے کیا منتخب کیا! اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں وہ کام پسند تھے جن میں اللہ کی ناراضگی تھی اور وہ کام انہیں پسند ہی نہیں تھے جن میں اللہ کی رضامندی تھی۔ اللہ کی رضامندی کے کاموں سے انہیں نفرت تھی اور جن کاموں سے اللہ نے منع فرمایا تھا وہ کام یہ بہت دل لگا کر کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں انہوں نے اگر کوئی نیکی کی تھی تو وہ بھی ضائع ہوگئی۔ نیکی کی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان اطاعت کا نام ہے۔ اطاعت گئی تو ایمان خطرے میں ہے۔ ایمان گیا تو اعمال گئے۔ اگر اتفاقاً ان سے کوئی بھلا کام بھی ہوگیا تھا تو وہ بھی اکارت گیا!

سورۃ محمد رکوع 4 آیات 29 تا 38

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰہُ اَضۡغَانَہُمۡ ﴿۲۹﴾ وَ لَوۡ
نَشَآءُ لَاَرَیۡنٰکَہُمۡ فَلَعَرَفۡتَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ؕ وَ لَتَعۡرِفَنَّہُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ
وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰہِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ
وَ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ وَ نَبۡلُوَا۠ اَخۡبَارَکُمۡ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ
سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ لَنۡ
یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا
اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ لَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ﴿۳۴﴾
فَلَا تَہِنُوۡا وَ تَدۡعُوۡۤا اِلَی السَّلۡمِ ٭ۖ وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ٭ۖ وَ اللّٰہُ مَعَکُمۡ وَ لَنۡ
یَّتِرَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا
وَ تَتَّقُوۡا یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ وَ لَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ ﴿۳۶﴾ اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡہَا
فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَ یُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ ﴿۳۷﴾ ہٰۤاَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ
لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ فَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَ مَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ
عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ الۡغَنِیُّ وَ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا
غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾

کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ اللہ ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہیں کریں گے ﴿۲۹﴾ اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے تو آپ اُن کو اُن کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور آپ انہیں ان کے اندازِ گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تم سب کے اعمال سے واقف ہیں ﴿۳۰﴾ اور ہم تم سب لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تا کہ جو تم جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور تمہارے حالات کو پرکھیں ﴿۳۱﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر راستہ واضح ہو چکا تھا یہ لوگ اللہ کا ہرگز کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور وہ (اللہ) ان کی کوششوں کو مٹا دیں گے ﴿۳۲﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت ہونے دو ﴿۳۳﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے پھر وہ کافر ہی مر گئے تو اللہ ان کو کبھی نہ بخشیں گے ﴿۳۴﴾ سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہیں اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کریں گے ﴿۳۵﴾ یہ دنیا کی زندگی محض اک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو وہ تم کو تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا (یعنی اجر دولت کی بناء پر نہیں ملے گا) ﴿۳۶﴾ اگر وہ (اللہ) تم سے یہ (یعنی تمہارے مال) طلب کرے پھر اس میں شدت کر دے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ﴿۳۷﴾ ہاں تم ایسے ہی لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے سو بے شک وہ خود سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ (اللہ) تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا فرما دیں گے پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ﴿۳۸﴾

تفسیر و معارف

منافقین کا تذکرہ جاری ہے۔ اللہ نے اس روش کو اسلام دشمنی قرار دیا ہے۔ بظاہر مسلمان اور نیک بنے رہنا، اندر سے دین کے خلاف برائی پر راضی ہونا۔ یہ پسند کرنا کہ میری کافروں میں عزت ہو، کافروں جیسا نظر آؤں، کافروں جیسی باتیں کروں، کافروں کو خوش رکھوں۔ اسلام کھرے پن کا نام ہے۔ یہ شان، اللہ کریم کی ہے کہ وہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کھرا رشتہ رکھو۔ وہ کہتا ہے، بندے! تو میرا دوست ہے یا میرا دشمن ہے۔ تو میرا اطاعت گزار ہے تو میرا دوست ہے۔ تیرا ایمان خالص ہے۔ اگر تیرے ایمان اور عقیدے میں کھوٹ ہے، تُو زبانی کہتا ہے، دل سے نہیں مانتا نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے پھر تو میرا دشمن ہے۔

دنیا کے فرعونوں پر بھی جب کڑا وقت آئے تو وہ بھی لوگوں سے کہتے ہیں، جیسا کہ گزشتہ دنوں ایک بڑے ملک کے صدر نے ساری دنیا کے لوگوں سے تقاضا کیا۔ اس کا یہ نعرہ بہت گونجا "YOU ARE EITHER WITH US OR AGAINST US" یعنی تم ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف ہو۔ ہمارے دوست ہو یا ہمارے دشمن ہو۔ درمیان میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ کہنا صرف اللہ کو سزاوار ہے۔ یہ اللہ کریم کی شان کے شایان ہے۔ بندے کی یہ شان نہیں کہ وہ بندوں سے اس کا تقاضا کرے۔

فرمایا: اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰہُ اَضۡغَانَہُمۡ ﴿۲۹﴾ کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ اللہ ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہیں کریں گے۔ فرمایا، یہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے یہ کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے دل میں چھپا بُغض ظاہر نہیں کریں گے۔ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ یہ چیزیں بالآخر طشت از بام ہوجاتی ہیں۔ اللہ، ان کی دشمنی کو دنیا میں ظاہر کردیں گے۔ منافق کے لیے اللہ کا اصول ہے کہ اس کا پول دنیا میں ہی کھل جاتا ہے۔

وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَیۡنٰکَہُمۡ فَلَعَرَفۡتَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّہُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے تو آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے۔ اور آپ انہیں ان کے اندازِ گفتگو سے پہچان لیں گے۔

اور اللہ تم سب کے اعمال سے واقف ہیں:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو ارادۂ الٰہی ہوتا ہے، اس کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے: اِذَآ

اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس 82) جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس چیز کو فرمادیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ جب ارادۂ الٰہی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو منافقین کے بارے بتا دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں چہروں سے پہچان لیتے۔ علما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو منافقین کی پہچان عطا کر دی گئی تھی۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اخلاقِ کریمانہ تھا کہ انہیں برداشت کرتے تھے اور نام لے کر ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ ان منافقین کو اکثر مومنین بھی جانتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ کریمی:

مدینہ منورہ میں منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبیّ تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بار بار دھوکا دیا۔ ہر لمحہ طعن و تشنیع کرتا رہا۔ احد میں اپنے ساتھی لے کر الگ ہو گیا وہ مرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا کُرتا مبارک اس کے لیے دیا کہ اسے اس میں دفن کیا جائے۔ اللہ کریم نے فرمایا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا اخلاقِ کریمانہ تو آپ کا اسلوبِ زندگی ہے لیکن آپ ان کے لیے دعا مت کیجیے۔ میں انہیں ہرگز نہیں بخشوں گا۔ خواہ آپ ان کے لیے ستر بار بھی بخشش کی دعا مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرض کی بارِ الٰہا! ستر سے زائد بار دعا کر دوں گا تو پھر، ارشادِ باری ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ان کے لیے دعا نہیں کریں گے نہ ان کے جنازے میں تشریف لے جائیں گے نہ ان کی قبر پر قدم رنجہ فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دنیا میں کسی کا احسان رہنے نہیں دیا۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی احسان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کا بدلہ دے دیا۔ بدر کا واقعہ ہے کہ جب بدر کے قیدی آئے اور حضرت عباسؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا تھے اور اس وقت بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالف ہو کر آئے تھے وہ بھی قید ہو گئے۔ اُن کا کرتا پھٹ گیا۔ حضرت عباسؓ بڑے قدآور اور مضبوط آدمی تھے۔ ان کا لباس نہ رہا اور انہیں کسی کا کرتا پورا بھی نہ آیا تو عبداللہ بن اُبیّ جو قدآور اور مضبوط قد کاٹھ کا بندہ تھا۔ اس نے اپنا کرتا حضرت عباسؓ کے لیے دیا تھا۔ اس کا یہ احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس دن اتارا کہ وہ جب مرا تو اس کے کفن کے لیے اپنا کرتا مبارک عطا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجدِ نبوی میں صحابہؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ زندگی میں جس شخص نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے، میں نے اسے، اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے ابوبکر صدیقؓ کے۔ اس کے احسانات اتنے ہیں کہ اس کا بدلہ اللہ ہی دے گا۔

عبداللہ بن اُبیّ وہ بد بخت تھا کہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قمیص مبارک ہی اس کے کام آئی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم

کی دعا! بلکہ اللہ نے آئیندہ، منافقین کا جنازہ پڑھنے سے ہی روک دیا۔ منافقانہ روش کتنی بد بختی پر منتج ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنا چاہیے!

فرمایا، اللہ کریم سب کے اعمال کو خوب جانتے ہیں۔ دنیا میں ہر ایک کی آزمائش کی جاتی ہے، دنیا ہے ہی آزمائش کی جگہ۔ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اور ہم تم سب لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ جو تم میں جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کو معلوم کریں اور تمہارے حالات کو پرکھیں۔ اللہ نے دنیا میں ہر ایک کو آزمایا ہے۔ سب کو آزمایا جائے گا۔ حتّٰی کہ جہاد کرنے والے، صبر کرنے والے نتھر کر سامنے آجائیں۔ پتا چلے کہ اطاعتِ الٰہی کرنے والے کون ہیں اور کون محض نمائشی کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ واضح ہو جائے کہ کون محض کلمہ گو ہے اور کون ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت خلوصِ دل سے کرتا ہے۔ اطاعتِ الٰہی پر استقامت دکھاتا ہے۔ دکھ، بیماریاں، تکلیفیں سہتا ہے۔ دامنِ اطاعت ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ارشاد ہے کہ ہم تمہیں تمہارے ہر حال کو پرکھیں گے۔ تمہیں آزادی دے کر بھی دیکھیں گے، قید اور مجبور کر کے بھی پرکھیں گے۔ صحت دے کر آزمائیں گے اور بیماری بھیج کر بھی آزمائیں گے۔ اقتدار دے کر بھی آزمائش کریں گے اور اقتدار چھین کر بھی پرکھیں گے کہ ہر حال میں کس کی اطاعت کرتے ہو!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر راستہ واضح ہو چکا تھا۔ یہ لوگ اللہ کا ہرگز کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور وہ (اللہ) ان کی کوششوں کو مٹا دیں گے۔

کفر ایسی مصیبت ہے کہ جس کے گلے پڑ جاتا ہے وہ چاہتا ہے دوسرے بھی ایسے ہو جائیں۔ ہر کافر اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ فرمایا، جو لوگ خود کفر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اطاعتِ الٰہی پر لوگوں پر طعن کرتے ہیں۔ عبادت پر طنز کرتے ہیں۔ ایسا ماحول بناتے ہیں کہ نیکی کرنا دشوار ہو جائے وہ اپنی کوششوں میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ نیکی اور عبادت حق ہے۔ اللہ حق کو قائم رکھتے ہیں۔ باطل اسے مٹا نہیں سکتا البتہ باطل کی کوششوں کو نیکی ملیامیٹ کر دیتی ہے۔

دورِ حاضر:

اس آیۂ کریمہ کے اصول کو مدنظر رکھیں اور ارد گرد دیکھیں۔ کس طرح دینی احکام سے روکنے کی مہم چلائی جاتی

ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قربانی کے جانور پر پیسے ضائع کرنے کی بجائے وہی پیسے غریبوں میں بانٹ دیے جائیں تو کتنے غریبوں کا کام بن جائے۔

عبادت، نیکی اور اطاعت کے احکام مقرر کرنا، یہ ہم نے طے کرنا ہے یا اللہ کریم نے۔ جس ربّ نے قربانی کو دین کا شعار بنایا ہے، جس نے قربانی کا حکم دیا ہے کیا اس نے کہا ہے کہ قربانی کی بجائے اتنی رقم غریبوں میں بانٹ دو۔

یہی لوگ ذرا اپنے ذاتی اخراجات کو دیکھیں۔ ایک ایک لاکھ کا موبائل سیٹ خریدتے ہیں اس پر اتنی رقم خرچ کرنے کی بجائے سستا سیٹ خرید لیں اور باقی رقم غریبوں کو بانٹ دیں! کروڑوں کی گاڑیاں ہیں، وہاں بچت کر کے کچھ لاکھ غریبوں میں بانٹ دیں۔ ان کی خواتین اپنے میک اپ، ہیئر سٹائل، لباس اور دیگر پارٹیوں پر لاکھوں خرچ کرتی ہیں۔ ان جگہوں پر کم خرچ کر کے پیسے بچا کر غریبوں میں بانٹ دیں۔ ان جگہوں پر کوئی دانشور یہ نہیں کہتا۔ صرف قربانی ہی انہیں فالتو خرچ لگتا ہے۔ قربانی کے لیے کہتے ہیں، قربانی نہ کرو، یہ پیسے غریبوں میں بانٹ دو۔ گویا غریبوں کے پروردگار یہ ہیں! یہ فیصلہ کرنا کہ کون سا کام عنداللہ مقبول ہے کون سا نہیں؟ یہ اللہ کا کام ہے۔ کیا شریعت بنانے والے یہ ہیں کہ بندوں کے لیے عبادات اور احکام مقرر کریں؟ قربانی چونکہ عبادت ہے اس لیے اسی پر قدغن لگاتے ہیں کہ اسے چھوڑ دو اور اتنی رقم غریبوں کو دے دو۔ کفار کی یہ عادت ہے کہ کفر اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب بنتا ہے۔ یہ دوسروں کو بھی نیکی کرنے سے روکتے ہیں۔

عہد حاضر کے کلمہ گو کے لیے پیغام ہے کہ کفر کرنے والوں کی روش اختیار نہ کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی۔ پھر بھی یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ انہیں جو سزا ہوگی اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا! قرآنِ کریم کی ہر آیت حق کی طرف دعوت دیتی ہے۔ غور و فکر سے متوجہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ مسلمانوں کو کافروں کے اعمال اور انداز اس لیے بتائے جاتے ہیں کہ وہ ان سے بچیں اور خود کو مسلمان کہلوانے کے بعد کافروں کی روش نہ اپنائیں۔ یاد رکھیں! کافرانہ کردار کا نتیجہ بھی وہی ہوگا۔ جو ماضی میں ہوتا آیا ہے۔ فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَكُمۡ ﴿۳۳﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت ہونے دو۔

ایمان والوں سے خطاب ہے کہ سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت بلا چون و چرا کرو۔ جو حکم ہے اسے مِن وعَن مانو۔ اس کی تاویلیں نہ گھڑو، اپنی عقل اور رائے کو داخل نہ کرو، اس میں میخ نہ لگاؤ۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں ہے۔ کہاں سے پتا چلے گا کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ سے، اعمالِ حسنہ سے، ارشاداتِ عالیہ سے پتا چلے گا کہ اللہ کا حکم کیا ہے! اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خلوصِ دل سے کرو۔ بغیر حیل و حجت کے کرو۔ سوچ، گفتار، عمل اور کردار میں سیدھی سیدھی اطاعت کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری نیکیاں تمہارے منہ پر مار دی جائیں گی۔ مسلمان ہو کر یہ کہنا کہ قربانی کی جگہ غریبوں کو پیسے دے دیے جائیں اسے بظاہر نیکی سمجھا جا رہا ہے لیکن اس کہنے کے سبب تمہاری نیکیاں رائیگاں چلی جائیں گی۔ اللہ سب کا ربّ ہے اس نے غریبوں کے لیے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ صدقاتِ واجبہ اور صدقات نافلہ رکھے ہیں۔ ہر مالدار کے مال میں محروم لوگوں کا حق رکھا ہے۔ ان احکام کی تعمیل کرو۔ مزید مدد کرنا ضروری ہو تو اپنے ذاتی اخراجات سے بچت کر کے دو۔ ایثار کرو۔ اپنے قیمتی لباس، مہنگے جوتوں، جرابوں، پرفیوم، موبائل، گھڑیوں سے بچت کر کے دو۔ ہزاروں روپے باہر کے کھانوں پر خرچ کرتے ہو اس میں سے دو۔ ایک گھر میں کئی کئی گاڑیاں ہیں، وہاں ایثار کرو۔ اطاعتِ الٰہی میں تاویلیں نہ گھڑو۔ جو حکم ہے اس کی تعمیل خلوصِ دل سے کرو ورنہ جن کاموں کو تم نیکی سمجھتے ہو وہ باطل ہیں۔ اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے پھر وہ کافر ہی مر گئے تو اللہ ان کو کبھی نہ بخشیں گے۔

سب کے فیصلے تو قیامت کو ہوں گے لیکن شہید کا فیصلہ اللہ نے دنیا میں سنا دیا ہے کہ میں ان سے ہمیشہ راضی رہوں گا۔ یہ مرتے ہی نہیں، زندہ رہتے ہیں لیکن لوگوں کو ان کی زندگی کا شعور و ادراک نہیں۔ اسی طرح یہ فیصلہ بھی یہیں سنا دیا کہ جو بھی کفر اور شرک پر مرے گا اللہ اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ان کی بخشش کی کوئی توقع نہیں۔

کفار کے سامنے کم ہمتی نہ دکھاؤ:

فرمایا: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۔۔۔ سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ۔ مسلمانو! ڈھیلے نہ پڑو، گھبراؤ نہیں، کمزور نہ پڑو۔ کمزور پڑ کر انہیں صلح کی طرف مت بلاؤ۔ کفار کے سامنے کم ہمتی نہ دکھاؤ۔ یہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے، جو لوگ جو قومیں، جو حکمران، کفار سے ڈرتے ہیں، ان کی خوشامد کرتے ہیں، ان سے مانگتے ہیں، ان کا صدقہ اور خیرات قبول کرتے ہیں۔ ان کی اترن پہنتے ہیں۔ ان کی تہذیب اور طور اطوار کو اپنا کردار بنا لیتے ہیں، یہ ان کی بات نہیں ہے! یہ ان کی بات ہے جو زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزارتے ہیں۔ انہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ کم ہمت نہ بنو۔ کمزور بن کر انہیں صلح کی دعوت نہ دو، ان کے سامنے ڈھیلے نہ پڑو کہ گویا تم ان کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتے۔ کمزوری مت دکھاؤ۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ مار دیں گے تو شہید ہو جاؤ گے۔ شہادت تو تمہاری منزل ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اور تم ہی

غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہیں اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کریں گے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ ہماری ضمانت ہے کہ فتح تمہاری ہوگی اس لیے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہیں۔ جب تمہارا ایمان درست ہے، تمہارا کردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے تابع ہے پھر تمہیں کمزوری دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ڈٹ کر رہو، کافروں کی منتیں کر کے زندگی نہ گزارو، ان سے دب کر نہ رہو، انہیں راضی نہ کرو۔ اپنے دین پر رہو، اسی کے مطابق کام کرو۔ اگر کافر تمہیں دبانا چاہیں گے تو فتح تمہاری ہوگی۔ اللہ تمہارے ساتھ ہیں وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کمی نہیں کریں گے۔ تم اللہ پر اعتبار کرو گے تو اللہ تمہارے اعتبار کو جھوٹا نہیں پڑنے دیں گے!

دنیا کی زندگی کا کیا ہے؟ عارضی وقت ہے گزر ہی جائے گا! اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْــَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ یہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل تماشا ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو وہ تم کو تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا (یعنی اجر دولت کی بناء پر نہیں ملے گا)

جس زندگی میں دین نہ ہو وہ کھیل تماشا ہے۔ اس کا کوئی حاصل نہیں! کھیل تماشا کیا ہے؟ جیسے بچے چور سپاہی کھیلتے ہیں۔ ایک چور بن جاتا ہے، دوسرا مجسٹریٹ، تیسرا سپاہی، کچھ گواہ بن جاتے ہیں کوئی جج بن جاتا ہے۔ عدالت لگ جاتی ہے۔ کھیلتے رہتے ہیں۔ جب کھیل ختم ہوتا ہے تو کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ بچے، بچے ہی رہتے ہیں۔ کوئی جج نہیں ہوتا نہ مجرم نہ تھانیدار۔ اسی طرح جو دین سے نکل جائے اس کی زندگی محض بچوں کا کھیل ہے۔ امیر ہو گئے، حکمران بن گئے، یہ کر لیا، وہ کر لیا آخر انجام کیا ہوا؟ کھیل ختم! اصلیت سامنے آ گئی۔ آخرت کے لیے دنیا میں کچھ کیا ہی نہیں تو دنیا کے امیر آخرت میں تہی دست ہیں۔

جو ایمان لائیں، ایمان پر قائم رہیں، اللہ سے تعلق کھرا رکھیں، اللہ کی رضا جوئی کے کام کریں تو اللہ کریم بے شمار انعامات عطا فرمائیں گے۔ زندگی کا مقصد حاصل ہوگا۔ اللہ کی رضا نصیب ہوگی، اللہ کا قرب نصیب ہوگا اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کی بے پناہ نعمتیں حاصل ہوں گی۔

یہ بھی یاد رہے کہ جنت قیمتاً نہیں خریدی جاتی۔ اللہ کریم تم سے اس کی کوئی قیمت نہیں مانگتے کہ اتنے کروڑ دو تو جنت ملے گی۔ جنت محض عطائے باری ہے!

اگر اللہ کریم جنت کی بھی قیمت رکھ دیتے تو انسان ایسا دنیا پرست ہے کہ یہ اس سے بھی گھبرا جاتا۔ بخل کرتا۔ اللہ کریم نے اس کی کوئی قیمت نہیں رکھی، فرمایا ہے کہ اطاعت کرو اور انعام پاؤ۔ زندگی میں حلال کماؤ۔ کما کر اچھا کھاؤ۔

اچھا پہنو، اچھے گھر بناؤ، اولاد پالو۔ سب سہولتیں حاصل کرو لیکن دوسروں سے نہ چھینو۔ ناجائز وسائل سے نہ حاصل کرو۔ بس اتنی سی بات ہے! جنت رضائے الٰہی کا مظہر ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ اللہ بطور انعام دیتے ہیں۔ فرمایا: یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ اگر وہ (اللہ) تم سے یہ (یعنی تمہارے مال) طلب کرے پھر اس میں شدت کردے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہاری ناگواری ظاہر کردے۔

ہاں! اللہ نے تمہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی دعوت دی ہے۔ فرمایا: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ۔۔۔ ہاں! تم ایسے ہی لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرتا ہے سو بے شک وہ خود سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہیں اور تم سب محتاج ہو۔

انفاق کیا ہے؟

انفاق فی سبیل اللہ یہ ہے کہ اللہ کریم نے جو نعمتیں دی ہیں انہیں دوسروں تک پہنچایا جائے۔ رزق دیا ہے تو حلال ذرائع پر خرچ کریں۔ علم دیا ہے تو اسے اللہ کی رضا کے لیے دوسروں تک پہنچائے۔ طاقت دی ہے تو دوسروں کی مدد کرے۔ اقتدار دیا ہے تو عدل کرے۔ انفاق سے مراد صرف اللہ کی راہ میں پیسے دینا ہی نہیں ہے بلکہ حلال کمانا اور جائز امور پر خرچ کرنا بھی انفاق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ مومن حلال کما کر اپنے بیوی بچوں کو جو روزی کھلاتا ہے، ان کے اخراجات پورے کرتا ہے وہ سارا صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ عرض کی گئی کہ یہ کرنا تو اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کے ذمہ ایک فرض تھا۔ فرمایا، فرائض پورا کرنا ہی عبادت ہے! اس کے ذمہ جو تھا اس نے ذمہ داری سے پورا کیا۔ یہ باعثِ ثواب ہے۔ یعنی مومن حلال کما کر بچے پالتا ہے تو اسے عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ والدین کی خدمت کرتا ہے تو اللہ کریم ثواب دیتے ہیں۔

تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہیں کرتے۔ اپنی مرضی سے کروڑوں خرچ کردیں گے اللہ کے حکم پر خرچ کرنے میں بخل کریں گے۔ ایسا کرنے والا کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ اپنے آپ پر بوجھ لادتا ہے۔ اسے اس کی جوابدہی خود ہی کرنی ہوگی۔ یہ کافر کا وطیرہ ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنے طریقے سے خرچ کرتا ہے۔ کہتا ہے، میرا مال ہے میں جیسے چاہوں خرچ کروں۔ اسے کہا جائے کہ اللہ کے حکم پر خرچ کرو، غریبوں کو دو تو بخل کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، تم سب فقیر و محتاج ہو۔ غنی صرف اللہ کی ذات ہے۔ تم اپنے وجود کی ہر

ضرورت میں ہر لمحے اللہ کے محتاج ہو۔ پانی، ہوا، زندگی، صحت، روزی رزق ہر جگہ اور ہر آن اللہ کے محتاج ہو تو کس بات پر اکڑتے ہو؟

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ (اللہ) تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا فرمادیں گے پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ فرمایا، اگر تم اللہ کی نافرمانی پر ہی ڈٹے رہو گے، روگردانی کرتے رہو گے، پیغامِ الٰہی کی پروا نہیں کرو گے تو وہ قادر ہے۔ وہ کسی اور کو ایمان کی توفیق عطا فرمادے گا۔ جو احکام الٰہی کی پاسداری میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ ثابت ہوا کہ دین کی خدمت کرنا، دین پر قائم رہنا، انعاماتِ الٰہی میں سے ہے۔ یہ سعادت ہے۔ جو اسے چھوڑے گا اپنا ہی نقصان کرے گا۔ جو دین چھوڑے گا اپنی ہی تباہی کا سامان کرے گا۔ اللہ اس قوم کی جگہ کسی اور کو ایمان عطا کردے گا۔ تاریخ کے دامن میں بڑی مثالیں موجود ہیں۔ عرب سے اسلام پھیلا اور سمرقند اور بخارا تک پہنچا۔ پھر رفتہ رفتہ مسلمان حکمران اور عوام عیاشیوں میں پڑ گئے۔ بدعتوں میں پھنس گئے۔ دین چھوٹ گیا اور بے دینی رہ گئی تو اللہ نے تاتاری مسلط کردیے اور ایسے مسلط کیے کہ انہوں نے ساری ریاستوں کو تباہ و برباد کردیا۔ جنگل اور شہر جلا ڈالے۔ انسانوں کا اتنا قتلِ عام کیا کہ ان کے سر کاٹ کر مینار بنائے۔ خصوصاً مسلمانوں کے لیے قہر الٰہی بنے رہے۔ انہوں نے علاقے تاراج کردیے۔ اسلام نہیں مٹا سکے۔ بدکار لوگ مٹ گئے اللہ نے تاتاریوں کو کلمہ پڑھنے کی توفیق دے دی۔ وہ خود مسلمان ہو گئے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

ہے عیاں شورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اللہ کریم فرمارہے ہیں اگر تم نافرمانی کرو گے تو تم نابود ہو جاؤ گے اور اللہ تمہاری جگہ کسی اور کو نورِ ایمان عطا کردے گا۔ وہ دین پر جم جائیں گے۔ دین پر عمل کریں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے۔

سورۃ الفتح رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۟ۙ۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا
تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۟ۙ۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ
نَصْرًا عَزِيْزًا ۳ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا
اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۟ۙ۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا
عَظِيْمًا ۟ۙ۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ
الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۷ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۟ۙ۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّاَصِيْلًا ۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ
اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ
عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۱۰

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی ﴿۱﴾ تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں
معاف فرمادیں اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دیں اور آپ کو سیدھے راستے

پر چلائیں ﴿۲﴾ اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائیں ﴿۳﴾ وہی تو ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے۔ اور آسمانوں اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۴﴾ تاکہ اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل فرمائیں جن کے تابع نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اُن سے اُن کے گناہوں کو دور کردیں اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ﴿۵﴾ اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دیں جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں۔ ان پر بُرا وقت پڑنے والا ہے اور اللہ ان پر غضب ناک ہوئے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۶﴾ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اور اللہ غالب، حکمت والے ہیں ﴿۷﴾ بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والے اور خوش خبری دینے والے اور (انجامِ بد سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے ﴿۸﴾ تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور ان (پیغمبر) کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس (اللہ) کی تسبیح میں لگے رہو ﴿۹﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (واقعی میں) اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے تو (بیعت کے بعد) جو عہد کو توڑے، تو توڑنے والے کا وبال خود اُسی پر ہے اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس کا (بیعت میں) اللہ سے عہد کیا ہے تو وہ اسے عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ فتح شروع ہوتی ہے۔ یہ اُن سورتوں میں شمار ہوتی ہے جو مدینہ منورہ میں بعد از ہجرت نازل ہوئیں۔ اس کا نزول صلح حدیبیہ پر ہوا۔ حدیبیہ کا مقام جدہ سے مکہ مکرمہ جانے والی پرانی سڑک پر واقع تھا۔

مختصراً واقعہ حدیبیہ:

یہ واقعہ سن 6 ہجری میں پیش آیا۔ مختصراً واقعہ یہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مع صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، عمرہ ادا فرمایا اور احرام سے فارغ ہو کر بعض نے سر منڈوائے، بعض نے حلق کروایا اور قربانی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بیت اللہ میں داخل ہو گئے اور بیت اللہ کی چابی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ آئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا خواب بیان فرمایا تو صحابہ کرامؓ کو بھی شوق ہوا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بیت اللہ شریف سے بہت اُنس اور بے حد محبت تھی۔ چونکہ بیت اللہ سے صحابہ کرامؓ کو بھی محبت تھی تو سب نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خواب تو وحیٔ الٰہی ہے لہٰذا عمرے کے لیے جانا چاہیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارادہ فرمالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ چودہ سو صحابہ کرامؓ بھی تیار ہو گئے۔ سب کے پاس صرف تلواریں تھیں اور تلوار تو ایک عام شۓ تھی جو ہر عرب ہر وقت ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اسلحہ یا اہتمامِ جنگ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے قربانی کے جانور بھی ساتھ تھے راستے میں ذوالحلیفہ کے مقام پر سب نے احرام باندھ لیے۔ دوسری طرف جب اہلِ مکہ کو اطلاع ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ عمرہ کے لیے آرہے ہیں۔ اُنہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر اُنہیں عمرہ کرنے دیا گیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ ہم کمزور ہو گئے یا اُن سے دب گئے۔ انہوں نے اس میں اپنی بڑی سبکی محسوس کی کہ اتنی جنگوں اور لڑائیوں کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے صحابہؓ مکہ آئیں اور عمرہ کر کے چلے جائیں۔ سب نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو روکنا چاہیے۔ اہلِ مکہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور طائف کا بنو ثقیف قبیلہ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو پتا چلا کہ آگے اہلِ مکہ کا لشکر خیمہ زن ہے۔ اہلِ مکہ کے سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جو فنِ حرب کے ماہر تھے اور اُس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر کفار کے مقابلے میں صف بندی کا حکم دیا۔ دریں اثنا ظہر کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے امامت فرمائی اور تمام صحابہ کرامؓ نے ظہر ادا کی۔ اہلِ مکہ دیکھتے رہے جب مسلمان فارغ ہو گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ جب یہ سب سجدے میں پڑے تھے تو ہمیں ان پر یلغار کر دینی چاہیے تھی۔ انہوں نے کہا خیر ہے ابھی ان کی اگلی نماز کا وقت آجائے گا تو حملہ کرلیں گے۔ اُسی وقت جبرائیل علیہ السلام صلوٰۃ الخوف کے احکام لے کر نازل

ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کفار کے ارادوں سے باخبر کیا کہ کفار چاہتے ہیں کہ آپ سارے نماز میں مصروف ہوں تو یہ آپ پر حملہ بول دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھائیں تو لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دو رکعت ادا کریں جبکہ آدھے محاذ پر پہرہ دیں۔ پھر باقی آدھے لوگ محاذ پر چلے جائیں اور پہرہ دینے والے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دوگانہ ادا کریں تو ان غازیوں کی دو رکعت بھی چار شمار ہوں گی۔ یہ حکم وہیں نازل ہوا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ بھی ہوا کہ پانی پر کفار قابض تھے اور جہاں مسلمان تھے وہاں ایک کنواں تھا جس میں بہت کم پانی رستا تھا جو ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کُلّی کر کے لعاب دہن کنویں میں ڈلوایا اور اپنا تیر دیا کہ کنویں میں گاڑ دو۔ یہ عمل ہوتے ہی اُس میں اوپر تک پانی لبالب بھر گیا اور صحابہ کرامؓ نے منڈیر پر بیٹھ کر برتن بھرے۔ خود بھی سیر ہوئے۔

اہلِ مکہ سے وفود کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔ پہلے بدیل بن ورقا (جو بعد میں مسلمان ہوئے) حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی کہ قریشِ مکہ پوری قوت سے مقابلے کے لیے نکل آئے ہیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ داخل نہیں ہونے دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے ذریعے اہلِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔ ہم حرم کی حاضری کے لیے آئے ہیں عمرہ کریں گے، قربانی کریں گے اور چلے جائیں گے۔ قریش ہمارے ساتھ جنگ کر کے پہلے ہی کمزور ہو چکے ہیں اگر وہ چاہیں تو ہمارے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیں اور جنگ سے باز رہیں۔ ہمیں اور باقی عرب قبائل کو چھوڑ دیں۔ اگر وہ ہم پر غالب آ گئے تو قریش کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر ہم اُن قبائل پر غالب آ گئے تو قریش کو اس دوران تیاری کا وقت مل جائے گا پھر قریش کی مرضی، وہ چاہیں تو مسلمان ہو جائیں یا چاہیں تو جنگ کر لیں۔ بہرحال اس صلح کے عرصے میں قریش کو اپنی قوت محفوظ رکھ کر اسے بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔ بدیل بن ورقا نے واپس آ کر قریشی سرداروں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ پیغام رکھا تو اہلِ مکہ نے قبول نہ کیا تب عروہ بن مسعود ثقفی جو بنو ثقیف کے سردار تھے اور معقول آدمی تھے اُنہوں نے کہا کہ یہ بات معقول لگتی ہے لہٰذا مجھے جا کر بات کرنے دو۔ وہ اہلِ مکہ کی طرف سے سفیر بن کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اپنی گزارشات پیش کیں۔ اس دوران وہ صحابہ کرامؓ کے حالات کا بغور جائزہ بھی لیتے رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں صحابہؓ ایسے بیٹھتے ہیں جیسے وہ پتھر کے بت ہوں بلکہ ایک خوبصورت محاورہ یہاں بتایا جاتا ہے کہ جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ اگر ہلیں گے تو وہ اڑ جائیں گے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جب تھوک مبارک پھینکتے ہیں تو صحابہؓ اسے نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ ہاتھوں پر لے کر اپنے

چہروں پر جسم پر مل لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے ہیں تو پانی کا ایک قطرہ بھی کوئی زمین پر نہیں گرنے دیتا۔ سب اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں چہروں پر اور جسم پر مل لیتے ہیں۔

علامہ باذل ایرانی نے اسے حملہء حیدری میں یوں منظوم کیا ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوں اندازد آب دہن
برآں آب خوں مے کند انجمن
گیرند مالند برچشم و رو
وزاں آب تازہ کند آبرو

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب لعاب دہن پھینکتے ہیں تو اس پر صحابہؓ یوں جھپٹتے ہیں گویا ایک دوسرے کا خون کر دیں گے اسے لیتے ہیں اور آنکھوں اور چہرے پر ملتے ہیں اور اسے اپنی آبرو کا سبب اور قابلِ فخر سمجھتے ہیں۔

سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے چہروں پر نور آئے گا۔ یہ ہماری آبرو کا سبب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب لب مبارک وا کرتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس جا کر اہلِ مکہ سے کہا کہ تم جانتے ہو میں بڑے بڑے شہنشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں اور میں نے شاہی اُمرا اُن کے آداب وقواعد اور شاہی رعب داب دیکھے ہیں۔ مگر جو محبت اور ادب کا قرینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ہے وہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ یہ چودہ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں شہید ہو جائیں گے لیکن اُنہیں چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم انہیں عمرہ کرنے دو۔ اگر اس میں تمہاری ضد ہے تو پھر ان سے معاہدہ کر لو۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم لڑو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ جب عروہ کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی جماعت کو ساتھ لے کر واپس چلے گئے۔ بہرحال سفارت چلتی رہی بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا کہ وہاں جا کر روسائے بلکہ سے بات کریں کہ ہمیں صرف عمرہ کرنا ہے اور حرم کا داخلہ تو سب کے لیے عام ہے۔ اس میں تو دوست دشمن کی کوئی تمیز نہیں اور حرم سے روکنا شرافت نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہوئے) نے اُنہیںؓ اپنی پناہ میں لے لیا اور اُنہیں لے کر مکہ کے سرداروں کے پاس گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے ایک ایک سردار تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا مگر سب نے آپؓ کی بات کو رد کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اُن ضعفاء مسلمین سے ملے جو مجبوری و معذوری کے باعث ہجرت نہ کر سکے تھے اور انہیں تسلی دی کہ اللہ جلد ان کے لیے آسانی فرما دیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دعوت دی گئی کہ آپؓ تو مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں آپؓ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو روک دیا ہے میں بھی طواف نہیں کروں گا۔ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم طواف نہ کریں چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے طواف نہیں کیا۔ حالانکہ جو باہر سے حدِ حرم میں جاتا ہے اُس پر عمرہ واجب ہو جاتا ہے لیکن انہوں نے نہیں کیا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ عبادت صرف وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں کی جائے۔

آج کل تو یہ ایک رواج ہو گیا ہے کہ جو چاہتا ہے اپنی طرف سے ایک کام شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے یہ نیکی ہے، عبادت ہے۔ یاد رہے کوئی نیکی، نیکی نہیں ہے جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہ ہو اور کوئی عبادت عبادت نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع نہ ہو۔ عبادت اطاعت کے لیے ہے۔ بحث و تمحیص یا نئی ایجادات کے لیے نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین رات مکہ مکرمہ میں رہے۔ دریں اثنا قریش نے تقریباً ستر آدمی گھات لگانے کو بھیجے جنہیں صحابہ کرامؓ نے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایک چھوٹی سی جھڑپ بھی ہوئی۔ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور چند اور مسلمانوں کو وہاں روک لیا۔ یہاں حدیبیہ میں یہ خبر اُڑی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ کو جمع فرما کر موت پر بیعت لی۔ حدیبیہ میں پہلی دفعہ موت پر بیعت لی گئی۔ موت پر بیعت یہ تھی کہ جنگ کی صورت میں موت تک سب لڑیں گے، آخری آدمی اور آخری تلوار تک اہلِ مکہ سے لڑیں گے۔ کوئی میدان سے بھاگے گا نہ صلح کرے گا۔ اس بیعت کا ذکر دو مرتبہ اس سورت میں فرمایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بیعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرمایا اور اپنا ہاتھ مبارک اپنے دوسرے ہاتھ مبارک میں لے کر فرمایا یہ عثمانؓ کی طرف سے بیعت ہے۔ اہلِ مکہ کو خبر ہوئی تو وہ مرعوب ہو گئے اور بالآخر بات یہی پہنچی کہ معاہدہ کیا جائے اور اُس کی شرائط رکھی گئیں۔ اہلِ مکہ نے اپنے نمائندے سہیل بن عمرو کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف پیغام دے کر بھیجا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط اور تحریر:

صلح کی پہلی شرط تو یہ رکھی گئی کہ امسال (اس سال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہء کرامؓ واپس چلے جائیں اور اگلے سال تشریف لا کر عمرہ کریں۔ قربانی کے جانور لائیں، قربانی کریں اور تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کریں۔ اسلحہ میں

صرف تلوار ہی ساتھ لائیں۔ سہیل بن عمرو (جو بعد میں مسلمان ہوئے) سے کافی بات چیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس شرط کو قبول کر کے صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ معاہدہ لکھا جانے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا لکھو بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ اہلِ مکہ کے نمائندے سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا۔ اُس نے کہا ہم رحمان رحیم کو نہیں جانتے ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ ہمارے رواج کے مطابق باسمك اللّٰهم لکھا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ مٹا کر بِاسۡمِكَ اللّٰھُم لکھ دو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔ اس پر بھی اُس نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا اور معاہدے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یہاں محمد بن عبداللہ لکھیں اور ہمارا لکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، مٹا کر اس طرح لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں نے لکھ تو دیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامِ نامی مٹانے کی جرأت میری نہیں ہے۔ میں نہیں مٹا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کاغذ لے لیا اور اپنے دستِ شفقت سے مٹا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُمی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا نامِ نامی لکھ دیا۔ محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان یہ معاہدہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دس سال اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ مسلمان حملہ کریں گے نہ اہلِ مکہ کریں گے۔ باقی عرب قبائل آزاد ہوں گے وہ چاہیں تو اہلِ مکہ کے ساتھ الحاق کر لیں اور چاہیں تو مسلمانوں کے ساتھ کر لیں۔ اس میں ایک کڑی شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے گا تو مسلمانوں کو واپس کرنا پڑے گا لیکن کوئی اسلام ترک کر کے مدینہ سے بھاگ کر مکہ آجائے گا تو مشرکین اُسے واپس نہیں کریں گے۔ صحابہ کرامؓ اس شرط پر بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، جان تو ایک دن دینی ہے تو آج کیوں نہ دے دی جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہاں! بے شک میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا ہم حق پر ہیں؟ فرمایا، بے شک ہم حق پر ہیں تو کہنے لگے پھر ہم یہ دب کر صلح کیوں کریں، ہم شہید کیوں نہ ہوں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے صلح قبول فرمائی جس میں بظاہر مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی تھی۔ دریں اثنا ابوجندل رضی اللہ عنہ جو سہیل بن عمرو کے ہی بیٹے تھے، اسلام لانے کی پاداش میں اُن کے باپ سہیل بن عمرو نے اُنہیں قید کر رکھا تھا اور ایذائیں دیتا تھا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے پناہ میں لے لیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ابوجندل چندے صبر کرو اللہ کریم تمہارے لیے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بہت

جلد راستہ کھول دیں گے۔ تم آزاد ہو جاؤ گے، صبر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُنہیں واپس کر دیا۔ یوں شرط کا امتحان فوراً ہی آ گیا۔ معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا سر منڈوا دو قربانیاں یہیں کر دو اور احرام کھول دو۔ صحابہ کرامؓ کی غم و رنج سے یہ حالت تھی گویا سکتے میں آ گئے ہوں۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ام المومنین اُم سلمہؓ کے پاس خیمے میں تشریف لے گئے۔ انہوںؓ نے مشورہ دیا کہ صحابہؓ غم کے باعث اس حال میں ہیں۔ آپ باہر تشریف لے جائیں سب کے سامنے حلق کروائیں تو یہ از خود کروائیں گے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے اپنا حلق کرایا قربانی دی اور احرام کھول دیا۔ یہ دیکھتے ہی سب صحابہ کرامؓ ایسا ہی کرنے لگے۔ کسی نے بال کٹوائے کسی نے منڈوائے، قربانیاں کیں اور احرام کھول دیے اور واپسی شروع ہوئی۔ اس دوران مسلمانوں کا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ راستے میں عسفان کے مقام پر قیام ہوا تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، کھانے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک اور معجزہ ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چادر بچھا کر حکم دیا کہ جو پس خوردہ کسی کے پاس ہے۔ کھجور، روٹی کا ٹکڑا یا کوئی کھانے کی بچی کھچی چیز یہاں لا کر ڈال دے۔ چنانچہ اُس چادر پر سب جمع کر دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعا فرمائی اور سب کو کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھی کھانے سے بھر کر واپسی گھر تک کے لیے ذخیرہ کر لو۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور راشن کے سارے برتن بھی بھر لیے لیکن کھانا جوں کا توں موجود رہا۔ اسی واپسی کے سفر میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔

فتح مبین:

فرمایا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی ہے۔ مسلمانوں نے بظاہر دب کر صلح کی تھی اور اہلِ مکہ بھی بہت نازاں تھے کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی کہ ہم نے اُنہیں عمرہ بھی نہیں کرنے دیا اور شرائطِ صلح بھی اپنی مرضی کی رکھیں۔ اللہ کریم نے سورۂ فتح نازل فرمائی۔ فرمایا، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے بہت بڑی، واضح اور روشن فتح جسے دنیا تسلیم کرے گی عطا کر دی ہے۔ صحابہ کرامؓ پریشان تھے کہ ہمیں شکست ہو رہی ہے لیکن اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو فتح دی ہے۔ دنیا میں بعض باتیں ہمیں ناپسند ہوتی ہیں لیکن نتیجتاً وہ مفید ثابت ہوتی ہیں جبکہ باتیں ہماری پسندیدہ اور محبوب ہوتی ہیں لیکن نتیجتاً رسوائی اور نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ یہاں بظاہر ایسا لگتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے لیکن اللہ کریم نے اسے فتح مبین قرار دیا۔ ایسی روشن فتح جسے کائنات مانے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فتح ہوئی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی برکات کا ظہور ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب واپس مدینہ منورہ تشریف لائے خیبر جانے کا حکم ہو گیا خیبر تشریف لے گئے اور خیبر فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامالِ غنیمت اور اسلحہ بھی آیا اور یہود کی سازشیں بھی ختم ہو گئیں۔ جب امن قائم ہو گیا

تو قبائلِ عرب میں سے بے شمار وفود آئے جن میں بعض خوش نصیب قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہوں نے صلح کے معاہدے کر لیے کہ ہم جزیہ دیں گے ہمیں سہولیات دی جائیں۔ یہ کام دو سال جاری رہا۔ فتح خیبر کا واقعہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔ فرمایا، ایک تو یہ ظاہری فتح ہے کہ اسلام کے نفاذ کی راہ ہموار ہو گئی حملہ آوروں کے روز کے حملوں کا خطرہ ٹل گیا چنانچہ مدینہ منورہ میں سکون سے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جائے گی۔

اس فتح کا دوسرا پہلو یہ ہے، فرمایا: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔۔۔ تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دیں۔ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پچھلی یعنی جو آج تک ہو چکیں اور اگلی سے مراد جو وصالِ مبارک تک ہوں گی، سب معاف فرما دیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ عصمت نبوت کا خاصہ ہے۔ معصوم سے مراد ہی یہ ہوتی ہے کہ اُس سے خطا ہو نہیں سکتی، گناہ تصور نہیں ہوتا۔ یہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطاب ہے اور اللہ کریم نے 'ذَنْبُ' کا لفظ استعمال کیا ہے تو اللہ کریم کر سکتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام سے اجتہاداً بعض اوقات ترکِ اولیٰ کا صدور ہو جاتا ہے۔ ایک معاملے کی دو صورتیں ہیں، دونوں جائز ہیں لیکن ایک زیادہ مناسب ہے دوسری اُس سے کم مناسب ہے۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے اجتہاد میں دوسری صورت اختیار فرما کر ہجرت کر لی اگر نہ کرتے تو وہ مناسب تھا لیکن کرنا گناہ نہیں تھا۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے بعد جب قیدی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اُن سب کو قتل کیا جائے اور جس کا جو رشتہ دار ہے وہ اُسے قتل کرے۔ بعض صحابہؓ کا مشورہ تھا کہ ان سے رعایت کی جائے اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چھوڑنے والی بات پسند فرمائی اور اُس پر عمل فرمایا۔ اس پر بعد میں اللہ کریم کا ارشاد نازل ہوا کہ بہتر یہ تھا کہ اُن کو قتل کر دیتے یعنی زیادہ مناسب بات قتل کرنا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ترکِ اولیٰ کو اپنی خطا سمجھتے تھے جبکہ ترکِ اولیٰ خطا تو نہیں تھی۔ مجتہد مصیب الی اللہ ہوتا ہے اور اُسے اجتہاد کا ثواب ملتا ہے۔ یہاں اُن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ترکِ اولیٰ کا صدور ہو گیا پہلے ہوا یا آئیندہ ہو گا سب معاف کر دیے گئے۔ ایک نعمت تو یہ عطا ہو گئی۔ دوسرا، فرمایا:

اللہ کریم نے اپنی نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر تمام کر دیں:

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ۔۔۔ اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دیں۔ اللہ کی بارگاہ سے جتنے انعامات، جتنی نعمتیں جتنے درجات بندہ لے سکتا ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا کر دیے گئے۔ اللہ کریم نے اپنی نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر تمام کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي

اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (بخاری، الجامع صحیح) فرمایا، میں تو بانٹنے پر ہوں، تقسیم کرنے والا ہوں قاسم ہوں، اللہ عطا کیے جارہا ہے۔ دینے والا ربِّ جلیل ہے میں بانٹ رہا ہوں۔ فرمایا، جتنی نعمتیں کوئی قیامت تک حاصل کرتا ہے، علوم دین کے خزانے ہوں یا مراقبات اور مقامات ہوں، ولایت کی منازل یا مناصب ہوں، دین و دنیا و آخرت کی ہر بھلائی جو مخلوق کو پہنچ سکتی ہے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جھولیِ اقدس میں ڈال دی۔ اب ساری کائنات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خوشہ چیں ہے۔ جسے لینا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہی لینا ہے۔ یہ تصور ہی نہیں رہتا کہ جس کام کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نہ دیں وہ نیکی ہو۔ وہ ہی نیکی ہے جو دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم سے آئے۔

ریاستِ اسلامی کا قیام اور نفاذِ اسلام، اللہ کی عظیم نعمت:

فرمایا: وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲﴾ اور آپ کو سیدھے راستے پر چلائیں۔ اللہ کا نبیؐ تو ہوتا ہی ھادی و مہدی ہے اور شروع سے ہی سیدھے راستے پر ہوتا ہے۔ یہاں صراطِ مستقیم سے مراد ہے کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم چاہتے ہیں کہ صحیح اسلامی ریاست بھی بن جائے جس میں اسلام نافذ ہو اور لوگوں کے لیے اسلام پر عمل کی آزادی ہو۔ کسی کی رخنہ اندازی یا دخل اندازی کا خدشہ نہ رہے اور نہ ہی کوئی حملہ آور باقی رہے۔ فرمایا، یہ اتنی بڑی فتح ہے کہ اس نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامن میں ڈال دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقصد یا مِشن (MISSION) کو مکمل کر دیا کہ ریاستِ اسلامی کی بنیاد پڑ گئی۔ اب نفاذِ اسلام بھی ہو جائے گا۔ فرمایا: وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿۳﴾ اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کریم کی مدد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہے چنانچہ یہ دیکھا گیا کہ اس کے بعد فتوحات شروع ہوئیں۔ دو سال کے عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بین الاقوامی سطح پر حکمرانوں کو دعوتِ حق کے نامہء مبارک بھیجے۔ بعض خوش نصیبوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی جبکہ بعض نے قبول تو نہ کیا مگر احترام ضرور کیا۔ ایک بد بخت خسرو پرویز البتہ ایسا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نامہء مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا، اُس کی بے حرمتی کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُس گستاخی کی اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جس طرح اس نے میرے خط کے ٹکڑے کیے ہیں اللہ اُس کی بادشاہی کے ٹکڑے کر دے۔ چنانچہ اُس کے بیٹے شیرویہ نے اُسے قتل کر دیا اور خود حکمران بن گیا لیکن غلطی سے زہر کھا کر مر گیا۔ اُس کے بعد ایک عورت کو حکمران بنایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس ملک کی سربراہ عورت ہوگی وہ ملک کبھی فائدے میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ہاتھوں سارا ایران فتح ہو گیا۔ یہ وہ ریاست تھی جس کے بارے میں مؤرخ لکھتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا آباد

ہوئی تو سب سے پہلے جو حکومت بنی وہ ایران کی تھی۔ مسلمانوں کی فتح تک اس کی حکومت مسلسل ایک ہی خاندان میں رہی۔ اتنی طویل، مستحکم، لاؤ لشکر، قلعوں اور خزانوں والی حکومت لیکن اس نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہء مبارک پھاڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس ملک کے ٹکڑے کر دے اور یوں اُس کی بادشاہت ریزہ ریزہ ہو گئی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وطنِ عزیز میں پرویز نام رکھنا عام ہے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہے کہ نام 'محمد پرویز' بھی رکھتے ہیں حالانکہ پرویز تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔

نزولِ سکینہ:

فرمایا: هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔۔۔ وہی تو ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی۔ فرمایا، اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نوازا اتنی عنایات، اتنے انعامات اتنی نعمتیں عطا کی ہیں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں رضی اللہ عنہم کو بھی اپنی عطا سے یاد رکھا اور اُن کے قلوب میں تسلی نازل فرما دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی جبکہ مکہ والوں کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اُن کے ساتھ بنو ثقیف بھی شامل ہو گئے جو خود ایک لشکر تھے لیکن مسلمانوں پر گھبراہٹ نہیں آئی۔ فرمایا، اللہ نے اُن کے دلوں میں تسلی ڈال دی۔ یا اللہ! یہ تسلی ڈالنے سے کیا اُن کے دلوں سے صرف کفار کا ڈر نکلنا مراد ہے؟ فرمایا، نہیں، یہ بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جو سکینہ نازل فرمائی تھی اُس کا کام یہ تھا، فرمایا: لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ۔۔۔ تا کہ اُن کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے۔ وہ پہلے بھی ایماندار ہیں لیکن اِس نزولِ سکینہ سے اُن کے ایمان مزید بلند ہو گئے، بڑھ گئے اور مضبوط ہو گئے۔ اللہ کریم خود گواہی دے رہے ہیں کہ ان خادمانِ رسالت میں تو پہلے ہی بہت زیادہ اور مضبوط ایمان تھا جسے ہم نے اُن رضی اللہ عنہم پر سکینہ نازل کر کے کروڑوں، اربوں گنا بڑھا دیا۔ افسوس کہ آج کل ایسے طبقے پیدا ہو گئے ہیں جو پوچھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایمان تھا بھی یا نہیں؟

فرمایا: وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۴﴾ اور آسمانوں اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب جاننے والے حکمت والے ہیں۔ یہ مشرکین، کفار اور غیر اسلامی قوتیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے دین کے خلاف کیا فوج لائیں گی! کائنات کے سارے لشکر تو اللہ کے قبضہء قدرت میں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر اللہ کو محض اہلِ مکہ کی تباہی مقصود ہوتی تو آسمانوں اور زمینوں کے سب لشکر اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں کوئی عذاب مسلط کر دیتا لیکن یہاں اہلِ ایمان پر کرم کرنا مطلوب تھا کہ اللہ کریم ہر شے کا علم رکھنے والے حکمت والے ہیں۔

اہلِ ایمان پر اللہ کا کرم:

فرمایا: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔۔۔ تاکہ اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل فرمائیں جن کے تابع نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کریم چاہتے ہیں کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنی بخشش سے نوازیں۔ انہیں ہمیشہ قائم رہنے والوں باغوں میں داخل فرمائے۔ اُن جنتوں میں داخل فرمائے جن کے تابع نہریں جاری ہیں۔ دنیا میں باغ نہروں کے تابع ہوتے ہیں۔ جہاں پانی جا سکتا ہے وہاں باغ لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں پانی نہیں جاتا وہاں باغ نہیں لگ سکتا۔ فرمایا، جنت میں جہاں باغ لگاؤ گے وہاں پانی پہنچ جائے گا۔ خواہ کوئی پہاڑ کی چوٹی پر باغ لگائے پانی وہاں پہنچے گا اس لیے کہ جنت کے باغوں کے تابع نہریں چلتی ہیں۔ فرمایا: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔۔۔ پھر وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں بیماری کا کوئی خطرہ ہے نہ بڑھاپے اور کمزوری کا اور نہ ہی وہاں سے نکالے جانے یا موت کا کوئی خطرہ ہے۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ جن کا ایمان درست ہوگا عقیدہ صحیح ہوگا اور کوشش بھی صحیح ہوگی، فرمایا: وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۔۔۔ اور اُن سے اُن کے گناہوں کو دور کر دیں۔ اُن لوگوں سے اگر غلطیاں بھی ہو گئیں تو اللہ کریم معاف فرما دیں گے۔ بتقضائے بشریت ان سے جو کوتاہیاں ہوئیں، جو غلطیاں ہوئیں وہ بھی معاف فرما دیں گے۔ فرمایا: وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

ساری زندگی کامیابی تلاش کرتے ہو اصل کامیابی یہ ہے کہ تم اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤ۔ دنیا میں کوئی بھوکا رہا یا پیٹ بھر کر کھانا کھاتا رہا تو اس سے کیا فرق پڑا؟ کسی نے ریشمی لباس پہن لیا اور کسی نے کھدر پہن کر گزارا کیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کسی نے سونے کے زیورات پہن لیے، کوئی نہیں پہن سکا۔ یہ کامیابی نہیں ہے کہ تم حکمران بن گئے بادشاہ بن گئے، کامیابی یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں تم سرخرو ہو گئے تم جیت گئے۔

وطنِ عزیز اور نفاذِ اسلام:

اللہ کریم اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی زیادتی کی بشارت دے رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ زمین و آسمان کے سارے لشکر اُسی کے ہیں۔ جنہیں مومنین کی مدد کے لیے جب چاہے بھیج دینے پر قادر ہے۔ یہاں ایک سوال دل میں آتا ہے کہ وطنِ عزیز کو بنے پون صدی ہو گئی۔ ہمارے بزرگوں نے محنتیں کیں، بے شمار لوگوں نے ہجرت کی اور راستے میں جانیں دیں، عزتیں پامال ہوئیں۔ ہم نے یہ نعرہ بنا لیا تھا پاکستان کا مطلب کیا؟

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه لیکن اتنی قربانیوں کے باوجود اسلامی نظام نافذ نہیں ہوا نہ ہی اسلام آیا۔ یہ کیوں نافذ نہیں ہو سکا؟ میری رائے میں ہم نفاذِ اسلام میں مخلص نہیں ہیں۔ اگر ہمارا خلوص اور ایمان حدیبیہ والا ہوتا، ہمارا یقین اور محبت صحابہ کرامؓ جیسی مثالی محبت ہوئی تو کب کا نافذ ہو چکا ہوتا۔ اس لیے کہ سارے لشکر تو اللہ کے ہیں۔ ہم کہتے ہیں اسلام نافذ کرو لیکن دراصل نفاذِ اسلام کی راہ میں ہم خود حائل ہیں۔ ہم خود اسلام پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ ہمیں اللہ پر یقین ہے نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر اور نہ ہی دین پر۔ ہر بندہ نام دین کا لیتا ہے لیکن کمانا دنیا چاہتا ہے۔ مولویوں اور پیروں سے لے کر عام آدمی تک اکثریت دنیا کی طالب ہے، دین کا نفاذ نہیں چاہتی۔ ہم اسلام اسلام کرتے رہتے ہیں لیکن ہمیں مزہ دنیا میں آیا ہوا ہے۔ ہم آخرت کے طالب نہیں رہے۔ نفاذِ اسلام مشکل نہیں ہے لیکن ہمارا اسلام نافذ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر اکثریت میں ایسے لوگ ہو جائیں جو نفاذِ اسلام چاہتے ہیں تو ایک اقلیت روکتی بھی رہے تو اسلام نافذ ہو جائے گا۔ اللہ کریم اس کے اسباب پیدا کر دیں گے لیکن اپنی مسلمانی پر دکھ ہوتا ہے۔ ہم اسلام کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن ہمارے اندر صرف دنیا کی طلب ہے۔

منافقین اور مشرکین پر عذابِ الٰہی:

فرمایا: وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ ۔۔۔ اور منافق مرد اور منافق عورتوں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو عذاب دیں۔ دنیا میں ہر شخص کامیابی کا خواہش مند ہے۔ دنیوی امور میں کامیابی حاصل کرنا بری بات نہیں ہے بلکہ مسلمان کو امورِ دنیا میں بھی دوسروں پر فوقیت حاصل کرنا چاہیے لیکن دین کو قربان کر کے کامیابی کامیابی نہیں رہتی۔ جہاں دین کی بات آجائے تو اُسے دنیا کے سارے کاموں پر اوّلیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ وہ رضائے الٰہی کا سبب ہے اور دنیا کی کامیابی دین کے تابع ہے۔ بے دین آدمی بظاہر خود کو کامیاب سمجھتا ہے لیکن کامیاب ہوتا نہیں ہے۔ جس کام کا انجام غضبِ الٰہی ہو اور جہنم ہو اُسے کامیابی کیسے کہا جا سکتا ہے؟

فرمایا، جب یہ اہم دینی امور آتے ہیں تو جہاں ایمان والوں، اطاعت گزاروں کو ترقی اور قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے، اُخروی انعامات نصیب ہوتے ہیں وہاں منافقین و مشرکین کو عذاب دینے کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں مشرکین سے پہلے منافقین کو رکھا گیا ہے۔ مشرکین و کفار تو پہلے ہی دین سے محروم ہیں یہ ایک طبقہ منافقین کا ایسا ہے جو بظاہر دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن اُن کے دل میں دنیا بسی ہوتی ہے۔ منافق دین کو بھی دنیوی فوائد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے اہم امور جیسے حدیبیہ میں جو واقعہ پیش آیا تو ان میں بعض اوقات دنیوی نقصان کا خوف یا ڈر ہوتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے جاں نثار صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ

سے عمرے کے لیے جانے لگے تو منافقین نے ساتھ چلنے سے معذرت کی کیونکہ اُن کا اور کفار کا خیال تو یہ تھا کہ اب یہ لوگ بچ کر واپس نہیں آسکیں گے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ طائف کے لشکر مل کر بہت بڑی قوت بن جائیں گے۔ اُن کے ساتھ اگر دوسرے قبائل بھی شامل ہو گئے تو مسلمانوں کو بچ کر واپس نہیں آنے دیں گے۔ چنانچہ منافقین نے اور وہ دیہاتی جو ایمان میں پختہ نہیں تھے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ یہ وہ اہم امور ہیں جو آتے ہی اس لیے ہیں کہ انسان ایمان و یقین کے ساتھ اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرے۔ اطاعتِ الٰہی کیا ہے؟ ہمارے پاس ایک ہی ہستی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، جو ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس میں اللہ کی رضا ہے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے، فرمایا: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (النسآء:80) جس نے پیغمبر کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

فرمایا یہ اہم امور منافق مرد و زن اور مشرک مرد و زن کو عذاب دینے کے لیے آتے ہیں۔ نفاق ایسی خوفناک بیماری ہے کہ مشرکین سے بھی مقدم منافقین کو رکھا گیا ہے۔ جب اخروی عذاب کا ذکر آتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ (النسآء:145) بے شک منافق دوزخ کے نچلے درجے میں جائیں گے۔

اب دیکھا جائے تو منافقین تو کلمہ پڑھتے تھے اور اُنہوں نے مسجدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اقتدا میں نمازیں بھی ادا کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ روزے بھی رکھے تو اس کا انہیں فائدہ کیوں نہیں ہوا؟ اللہ کریم ان کے لیے جہنم کی نوید کیوں سنا رہے ہیں؟ اس لیے کہ وہ سب اُن کا ظاہر تھا۔ اُن کے دل میں دین کی عظمت نہیں تھی، دل میں دنیا تھی۔ وہ نمازی یا روزہ دار بن کر حکومتِ اسلامی سے دنیوی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہی نفاق تھا۔ فرمایا: الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ۔۔۔ جو اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے تھے۔ فرمایا، یہ منافقین اللہ کریم سے بدگمانیاں کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا دین کا حکم ہے۔ اس میں تو ہم تباہ ہو جائیں گے یہ تو خواہ مخواہ کی پریشانی مول لینے والی بات ہے۔ اس مصیبت سے ہمیں کون بچائے گا یا اس سے ہمیں کیا ملے گا۔ یہ بدگمانی کا مرض آج بھی عام ہے۔ لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم پر تو ہمیشہ اللہ نے مصیبتیں ہی بھیجی ہیں، ہمارے لیے تو اللہ کچھ نہیں کر رہا ہم اُسے کیا یاد کریں گے! اللہ کریم فرماتے ہیں منافقین، اللہ سے برے گمان رکھنے والے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر، فرمایا: عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ ۔۔۔ ان پر برا وقت پڑنے والا ہے اور اللہ اُن پر غضبناک ہوئے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ انہوں نے اپنے برے عقیدے اور برے کردار

کی وجہ سے غضبِ الٰہی کو دعوت دی ہے۔ ان پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے جس کا مفہوم، رحمت سے محرومی ہے۔ اللہ کی بخشش سے دوری ہے۔ فرمایا: وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۝ اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ فرمایا، ایسے ہی لوگوں کے لیے جو نفاق اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ نے جہنم تیار کر رکھی ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دنیوی زندگی میں اُس کا تصور کرنا بھی محال ہے کہ جہنم کتنی تکلیف دہ اور کیسی بری جگہ ہے۔ رہی یہ بات کہ ان امور میں نقصان ہوگا تو جان لو کہ یہ تمہارے بس میں نہیں۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔

نفع نقصان اللہ کے دستِ قدرت میں ہے:

تم اگر یہ سوچو کہ جہاد پر جانا تو باعثِ نقصان ہے لہٰذا پہلوتہی کرو یا اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دینا تو مال کا نقصان ہے لہٰذا نہ دی جائے یا تم سود لینا شروع کردو کہ یہ مال میں اضافہ کرے گا۔ یاد رکھو اگر اللہ تمہارا نقصان کردے تو تم کچھ نہیں کر سکو گے کہ فرمایا: وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ غالب، حکمت والے ہیں۔

کائنات کے لشکر، اُس میں کمی بیشی، کسی کا نفع کسی کا نقصان ہونا یہ سب اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہے۔ تمہارے لیے بہترین راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع کا راستہ ہے۔ اسی میں سراسر فائدہ ہے جس کے باہر ہر طرح سے نقصان ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم دین کا کام چھوڑ کر دنیا کو بچا لیں گے لیکن اگر اللہ اُسے ضائع کردیں تو تم کیا کرلو گے؟ اگر اللہ بڑھا دے تو کون روک سکتا ہے؟ فرمایا، زمین و آسمانوں کے سارے لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ غالب ہے، دانا تر ہے۔ وہ اپنی حکمت سے سارے امور انجام دیتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں بڑا دانشمند ہوں اور میری عقلمندی سے یہ سب کام ہوئے۔ فرمایا، ایسا نہیں ہے بلکہ سب کام اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ انسان کے ذمے صرف اللہ سے تعلق رکھنا ہے۔ جو لوگ اللہ پر بدگمانی کرتے ہیں، اللہ سے اُمیدِ کرم نہیں رکھتے اور شکوے کرتے رہتے ہیں، اُن پر ہمیشہ مصیبتیں ہی آتی ہیں۔ یہ مصیبتیں صرف دنیوی نہیں ہوتیں بلکہ دائمی اور اخروی مصیبتیں آجاتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو دین بتایا وہ مشکل ہے، ایسی بات نہیں ہے، دین آسان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ عالی:

فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۝ بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والے اور خوشخبری دینے والے اور (انجامِ بد سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ عالی تو یہ ہے

کہ ہر عمل، ہر کام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم شاہدِ عدل ہیں، گواہ ہیں۔ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک صرف وہی عمل نیکی کا درجہ پا سکے گا جس کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں گے کہ اس کو کرنے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیا تھا۔ اس لیے کہ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو گواہ، شاہد بنا کر بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی گواہی ہمارے اعمال ہی نہیں بلکہ سوچوں پر بھی ہوگی۔ روزِ محشر اللہ کریم جب دلوں میں پوشیدہ باتوں کا پوچھیں گے کہ تم نے ظاہراً تو یہ کہا لیکن تمہارے دل میں سوچ تھی۔ تم نے یہ سوچ کہاں سے لی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تصدیق فرمائیں گے کہ یہ سوچ میری عطا کردہ ہے۔ وہ سوچ تب عبادت بن جائے گی۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ردّ فرما دیں کہ یہ بات میری بات نہیں بلکہ اس کے نفس یا شیطان کی ہے تو وہی بات عذاب کا سبب بن جائے گی۔ فرمایا: شَاهِدًا ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کام پر شہادت دیں گے تو بھلائی، بھلائی ہے، نیکی نیکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ یہ بھی ہے، فرمایا: مُبَشِّرًا ۔۔۔ اس عالمِ آب وگِل میں جس کا عقیدہ اور کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں ڈھل جائے اُسے آخرت کی کامیابی کی خوشخبری دیں، مبارکباد دیں۔ اُسے اللہ کے قرب، اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت دینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ عالی ہے۔ جو بدبخت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت سے محروم ہے تو اُسے بروقت انجامِ بد سے باخبر کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کا منصب ہے کہ فرمایا: وَّنَذِيْرًا ۝ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُسے بروقت بُرے انجام سے ڈرا دیجیے۔ یہ بھی اللہ کریم کی رحمت ہے اللہ کریم کا احسان ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم بروقت مطلع کر دیں گے کہ برائی کرو گے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا، مارے جاؤ گے۔ جیسے کوئی شخص زہر کھانے لگے اور کوئی اُس کا ہاتھ پکڑ لے کہ یہ مت کھاؤ مر جاؤ گے تو یہ اُس ہاتھ پکڑنے والے کا احسان ہے۔

ایمان باللہ کی بنیاد ایمان بالرسالت صلی اللہ علیہ وسلّم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ ستودہ صفات کے یہ اوصاف اس لیے ہیں، فرمایا: لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجودِ باجود اللہ کریم کا وہ انعام ہے جس کے طفیل دولت ایمان تقسیم ہوئی لہٰذا اللہ کی عظمت کا اقرار کرو اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس ایمان کا سبب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانا بنیاد ہے ایمان باللہ کی۔ کسی نے اللہ کو مانا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نہ مانا تو اُس نے اللہ ہی کی بات کو جھٹلا دیا۔ اگر آج کوئی جگہ ہو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام نہیں پہنچا تو اُن کی نجات کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مظاہرِ قدرت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ کوئی

اس نظام کا بنانے اور چلانے والا ہے اور وہ ایسا ہے کہ کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ اگر کوئی مظاہرِ قدرت کا تجزیہ کر کے توحید کو پالیتا ہے تو وہ مسلمان ہے لیکن کیا یہ آسان ہے یا یہ آسان ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم بتا دیں کہ اللہ خالق ہے ساری کائنات اُسی نے بنائی ہے اور وہ کس کام پر راضی ہوگا اور کس پر ناراض ہے تو یہ سب کتنا آسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعلمین ہیں سراپا کرم ہیں اور لوگوں کو ایمان نصیب ہونے کا سبب ہیں۔

اس احسان کا شکر کیسے ادا ہو؟

لوگو! تم پر اللہ کا احسان ہے تو تم بھی، فرمایا: وَتُعَزِّرُوْهُ ۔۔۔ اِن (پیغمبر) کی مدد کرو۔ تم جان، مال، آبرو، ہر طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نچھاور ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت پر ہر آن کمربستہ رہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایثار کرو اور اپنی ہر چیز قربان کر دو۔ فرمایا: وَتُوَقِّرُوْهُ ۔۔۔ اور اُن کی تعظیم کرو۔ مومن کے دل میں سب سے بڑھ کر عزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہو۔

اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث کر کے اتنا بڑا احسان کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا مومنین پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی جان، مال آبرو ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں نچھاور کر دیں اور خلوصِ دل سے، دل کی گہرائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت و عظمت کا اقرار کر لیں۔ اللہ کے اس احسان پر، فرمایا: وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹ اور صبح شام اس (اللہ) کی تسبیح میں لگے رہو۔ دن اور رات کا کوئی لمحہ اللہ کی پاکی بیان کرنے یا اللہ کا ذکر کرنے سے خالی نہ جائے۔ 'صبح شام' سے مراد ہے ہر لمحہ، ہمہ وقت جسے انگریزی میں ROUND THE CLOCK کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ علمائے حق جو اللہ کی رضا کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچاتے ہیں وہ بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ بطفیلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کا احترام کیا جائے اور اُن سے تعاون کیا جائے۔ اہل اللہ جو برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچاتے ہیں جنہیں ہم ''شیخ'' کہتے ہیں اُن کی عزت و احترام اور اُن ارشادات پر جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے وہ بتاتے ہیں، دل و جاں سے عمل کرنا، اُن کے کام میں تعاون کرنا۔ یہ سب اُسی اطاعت و اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں آتا ہے۔

بیعتِ رضوان:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۰﴾ بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (واقعی میں) اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے تو (بیعت کے بعد) جو عہد کو توڑے، تو توڑنے والے کا وبال خود اُسی پر ہے۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس کا (بیعت میں) اللہ سے عہد کیا ہے تو وہ اُسے عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اطلاع آئی کہ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بہت رنج ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ واقعی اہلِ مکہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو ہماری اہلِ مکہ سے جنگ ہوگی اور بیعت موت پر ہوگی کہ ہر بندہ آخری دم تک مقابلہ کرے گا۔ اگر بالفرض سب شہید ہو جائیں اور ایک بچ جائے تو وہ بھی لڑتا رہے گا۔ مقابلہ کرتا رہے گا، موت تک ہر کوئی لڑے گا۔ چنانچہ سارے صحابہ کرامؓ نے موت پر بیعت کی۔ جب سب بیعت کر چکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دستِ مبارک اپنے دوسرے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ میں عثمان کی طرف سے بھی موت پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی منفرد فضیلت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ۔۔۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے موت پر بیعت کی ہے یقیناً اُنہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے، عہد کیا ہے اور فرمایا: یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۔۔۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ ان آیات کو متشابہات کہتے ہیں۔ جب اللہ کے ہاتھ کی بات آتی ہے تو یہ نہ سوچا جائے کہ اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہے۔ انسانی ہاتھ کو بھی یَدٌ کہتے ہیں تو جہاں متشابہات آتی ہیں وہاں معنٰی بعید مراد لیا جاتا ہے یعنی جو اُس کام کا نتیجہ ہو۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، اس سے مراد ہے کہ اللہ کی پوری مدد اُن کے ساتھ ہے۔

بیعت ایک عہد ہے:

بیعت میں جب ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے تو بیعت کرنے والے کی طرف سے کامل اطاعت کا یقین دلایا جاتا ہے اور بیعت لینے والے کی طرف سے پوری عطا کا یقین دلایا جاتا ہے۔ بیعت سے یہ مراد ہے کہ شیخ کا مقصد ہے کہ جو علمِ دین یا کیفیاتُ اللہ نے اُسے دی ہیں وہ طالب کو عطا کرے گا اور طالب کا ارادہ ہوتا ہے وہ جان مال لگا کر

بھی وہ برکات حاصل کرے گا۔ فرمایا، اللہ کی بھرپور تائید اُن کے ساتھ ہے۔ فرمایا: فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۔۔۔تو (بیعت کے بعد) جو عہد کو توڑے، تو توڑنے والے کا وبال خود اُسی پر ہے۔ بیعت کرنے کے بعد بیعت توڑنے کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ شیخ یا امیر جس کی بیعت کی وہ شریعتِ مطہرہ کو چھوڑ دے۔ اُس کے عقیدے یا کردار میں خلل آ جائے۔ پہلے نیک تھا مگر مرید جمع ہو گئے تو نیکی چھوڑ کر دولتِ دنیا سمیٹنا شروع کر دے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتیں چھوڑ کر اپنی باتیں منوانے میں لگ جائے گویا ایک فرعون بن کر بیٹھ جائے۔ ایسی صورتوں میں بیعت نہ صرف توڑی جاسکتی ہے بلکہ توڑنی واجب ہوجاتی ہے۔ چونکہ بیعت دین کے لیے ہے بے دینی کے لیے نہیں۔ البتہ سنی سنائی باتوں پر یا مخالفین کے الزامات اور افواہوں پر کان دھر کے بیعت توڑنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے خود کے پرخچے اڑا دے۔ اُس نے اپنے آپ کو ریزہ ریزہ کر دیا اُس کی کوئی حیثیت نہ رہی۔

فرمایا: وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝١٠ اور جو شخص اس بیعت کو پورا کرے گا جس کا (بیعت میں) اللہ سے عہد کیا ہے تو وہ اُسے عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

اللہ اپنے سارے انعامات سے اُن کو نوازیں گے جو بیعت کو نبھائیں گے۔ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت اس لیے نبھائے گا کہ اُسے اُن صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل اللہ کے احکام پہنچیں گے اور وہ اللہ سے اپنا عہد نبھائے گا یا کسی نے شیخ سے بیعت کی کہ وہ اُسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پہنچائے گا تو شیخ کی اطاعت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت ہوگی۔ مشائخ اپنی بات نہیں منوائیں گے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات منوائیں گے۔ جو اس بیعت پر قائم رہیں گے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اللہ اُنہیں کتنے بڑے انعام دے گا۔ فرمایا: فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝١٠ انہیں بہت بڑے انعام سے نوازا جائے گا۔ جس اجر کو اللہ کریم عظیم فرمارہے ہیں وہ انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ وہ کتنا بڑا ہے!

سورۃ الفتح رکوع 2 آیات 11 تا 17

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝١١ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ
السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًاۢ بُوْرًا ۝١٢ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝١٣ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٤ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا
انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا
كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ
تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝١٥ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ
الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ
يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا
تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٦ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا
عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٧

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے ہیں وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہماری اولاد نے مصروف رکھا سو ہمارے لیے معافی طلب فرمایئے۔ یہ لوگ زبان سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں فرما دیجیے سو وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لیے کسی چیز کا (بھی) اختیار رکھتا ہو اگر وہ (اللہ) تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں یا تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں بلکہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں ﴿۱۱﴾ بلکہ تم نے تو یہ خیال کیا کہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے گھروں کو کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھلی لگی تھی اور (اسی لیے) تم نے بُرے بُرے گمان کیے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے ﴿۱۲﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے ﴿۱۳﴾ اور اللہ ہی کی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت وہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سزا دیں اور وہ اللہ بڑے بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۴﴾ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب کہیں گے، جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دیں کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں۔ فرما دیجیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے! اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے۔ پھر کہیں گے بلکہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو کوئی نہیں یہ لوگ خود بہت کم بات سمجھتے ہیں ﴿۱۵﴾ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجیے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے (کہ یا تو) ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع ہو جائیں سو اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو نیک بدلہ دیں گے اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دیں گے ﴿۱۶﴾ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے گا وہ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے تابع نہریں جاری ہوں گی اور جو روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دیں گے ﴿۱۷﴾

تفسیر و معارف

دین پر عمل کو دنیوی نقصان کا باعث سمجھ کر پہلو تہی کرنا جائز نہیں:

مدینہ منورہ میں کچھ دیہاتی (اعرابی) لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں غلبہ اسلام اور اسلامی حکومت کی بنیاد پڑنے سے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ تو کر دیا لیکن اُن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرامؓ بھی تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے دی۔ ان میں سے بہت سے اعراب نے ساتھ نہ چلنے کا فیصلہ کیا اور اِدھر اُدھر ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے یہ سوچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ جانے کے لیے تیار تو ہو گئے ہیں لیکن اہلِ مکہ سے تعلقات تو اچھے نہیں ہیں۔ اب تک دو جنگیں لڑ چکے ہیں اور بدر میں اہلِ مکہ کے اتنے لوگ قتل ہوئے، اُحد میں شکست کھا کر بھاگے تو اب مکہ مکرمہ جانا تو گویا دشمن کے منہ میں جانے والی بات ہے۔ اُن کے نزدیک مکہ جانا تو خطرے سے خالی نہیں چنانچہ وہ لوگ بہانہ کر کے بات کو ٹال گئے اور ساتھ نہ گئے۔

دین اللہ کی طرف سے ایک طے شدہ نظام ہے اور ایمان اُس طے شدہ پروگرام کو من و عن قبول کر کے اپنی پوری ہمت کے ساتھ اُس پر عمل کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ جو کام کوئی کر نہیں سکتا اُس کا وہ مکلف ہی نہیں لیکن دین و دنیا کا تجزیہ کر کے یہ اندازہ لگانا کہ اگر دینی کام کیا تو دنیا کا یہ نقصان ہو جائے گا، یہ جائز نہیں ہے۔ یہی نفاق ہے جو کفر سے بھی بدتر ہے۔ منافق وہ ہوتا ہے جو بظاہر خود کو مسلمان کہلواتا ہے لیکن دنیوی معاملات میں اپنی عقل اور دنیوی کاموں کو دین پر ترجیح دیتا ہے۔ جہاں سمجھتا ہے دنیوی نقصان کا اندیشہ ہے وہاں دین کو چھوڑ دیتا ہے دنیا کو اپناتا ہے۔ یہی جرم اُن دیہاتیوں نے کیا۔

اُنہوں نے بھی یہ اندازہ لگایا کہ مکہ مکرمہ جانے میں شاید دنیوی نقصان ہو تو اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ نہیں دیا۔ جب حدیبیہ میں صلح ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم واپس تشریف لائے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ اعرابی اب بہانے کریں گے۔ فرمایا: سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا۔۔۔ جو دیہاتی پیچھے رہ گئے ہیں وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہماری اولاد نے مصروف رکھا سو ہمارے لیے معافی طلب فرمایئے۔

اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم واپس مدینہ شریف پہنچیں گے تو وہ دیہاتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے باوجود پیچھے رہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عذر معذرت کریں گے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے کاروبار نے ہمیں مصروف کر دیا۔ مال و مویشی میں مصروف تھے جانوروں کی

خرید وفروخت کرنا تھی۔ اہل وعیال کی مصروفیات تھیں، میری بیوی بیمار تھی۔ میرے بیٹے کی شادی تھی۔ ہم آپ کے ہمرکاب جانے سے قاصر رہے سوآپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے لیے: فَاسْتَغْفِرْ لَنَا۔۔۔ بخشش چاہیں۔

بخشش کے لیے خلوصِ قلبی شرط ہے:

اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو گنہگاروں کے لیے بخشش کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ ارشادِ باری ہے، فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النسآء:64)

اور اگر یہ لوگ جب اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور پیغمبر بھی اُن کے لیے معافی چاہتے تو ضرور اللہ کو قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔

یہ اصول ارشاد ہوا کہ کسی سے اگر جرم ہو جائے، نیکی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، گناہوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں حاضر ہو۔ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس آب وگِل میں جلوہ افروز تھے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انسان مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ عالی میں پہنچے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت قیامت تک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا سے پردہ فرما گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد روضہء اطہر کا عالم وہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دارِ دنیا میں جلوہ افروز ہونے پر تھا۔ وہی ادب و احترام اور وہی قواعد وضوابط ہیں حاضری کے لیکن دنیا کے ہر گوشے میں مسلمان ہیں اور سب کے لیے مدینہ منورہ آنا ممکن نہیں۔ اب اگر کوئی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ دراصل اس سے مراد بارگاہ عالی میں محض حاضر ہونا نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فلسفہءحیات، عقیدہ وعمل کو خلوصِ دل سے قبول کر لے۔ کوئی دنیا کے کسی گوشے میں بھی ہے اگر اُس کی زندگی خراب ہو رہی ہے گناہوں میں مبتلا ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت قبول کر لے، آئیندہ گناہ سے توبہ کر لے اور زندگی کو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے سانچے میں ڈھال کر پھر اللہ سے بخشش چاہے۔ جب ایسا کرے گا تو پھر اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اُس کا شفیع بن جائے گا، اُس کا سفارشی بن جائے گا اور اُس کے لیے اللہ سے بخشش چاہے گا۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تو ہر آن اہلِ ایمان کے لیے بخشش کے طالب ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

ان اعرابیوں نے ابھی اسی قانون کو اپنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کا حق ادا نہیں کر سکے کہ ہماری مالی و گھریلو مصروفیات تھیں تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے لیے اللہ سے بخشش چاہیں۔ اللہ کریم نے اُن کی بات ردّ کر دی، فرمایا: یَقُوۡلُوۡنَ بِاَلۡسِنَتِہِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ۔۔۔ یہ لوگ زبان سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں۔ یہ زبانی تو کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہیں ہم سے کوتاہی ہوئی لیکن ان کے دلوں میں جذبہء اطاعت نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت زیادہ ہے جبکہ دین کو انہوں نے محض ڈھال بنا رکھا ہے۔ جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں، ان کے دل میں نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں وہ خلوص نہیں جو جذبہء اطاعت کے لیے ہونا چاہیے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سفارشی بنانا چاہا لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی توبہ قبول نہیں ہوئی کیونکہ قبولِ توبہ کے لیے خلوصِ قلبی شرط ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سچے دل سے آنا خلوصِ دل سے اطاعت قبول کرنا اور آئندہ کے لیے صدقِ دل سے توبہ کرنا اور آئیندہ اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم پر ثابت قدم ہونا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُس کے لیے بخشش کی سفارش فرمائیں گے تو یہی بخشش کا راستہ ہے۔

ان لوگوں نے سمجھا کہ ہم خود اپنے کام سنوار لیں گے یا خود کو نقصان سے بچا لیں گے تو فرمایا: قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِکُ لَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا اِنۡ اَرَادَ بِکُمۡ ضَرًّا اَوۡ اَرَادَ بِکُمۡ نَفۡعًا۔۔۔ فرما دیجیے سو وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لیے کسی چیز کا (بھی) اختیار رکھتا ہو اگر وہ (اللہ) تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں یا تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں۔

فرمایا، انہیں کہہ دیجیے کہ تم نے سمجھا کہ ہم دین پر عمل کریں گے تو مالی نقصان ہو جائے گا یا کوئی جانی نقصان کا اندیشہ ہوگا، مصروفیات میں خلل پڑے گا تو اگر اللہ تمہارے لیے نقصان کا ارادہ فرمالے تو کون روک سکے گا؟ تمہارا مالی نقصان کرنا چاہے یا تمہارے گھر میں کوئی حادثہ ہو جائے، بیٹا مر جائے، بیوی یا والدین مر جائیں تو کون روک سکے گا؟ اگر تمہارا کوئی نقصان ہو رہا ہے اور تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دامن میں پناہ لے لو گے تو اللہ تمہیں معاف کر دیں گے۔ تم نے تو اپنی پناہ گاہ ہی چھوڑ دی اور یہ سمجھا کہ ہم خود ہی معاملات سنوار لیں گے، نقصان سے بچ جائیں گے۔ اگر تم دین پر عمل نہ بھی کرو اور دنیوی اسباب تلاش کرتے رہو تو بھی تم نقصان سے نہیں بچ سکتے جب اللہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ فرمالیں۔

اگر اللہ تمہیں نفع دینا چاہیں تو تمہارے جہاد پر جانے سے کیا وہ نفع رک جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی سے سرفراز ہونے سے تو وہ نفع دُگنا ہو جائے گا۔ اللہ کریم اگر تمہیں نفع پہنچانا چاہیں تو تمہاری دینی کاموں میں مشغولیت اُس نفع کو روک نہیں سکتی۔

فرمایا: بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بلکہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں۔ انہیں یہ بھی فرما دیجیے کہ اللہ تمہارے ہر ارادے، نیت، ہر فکر اور کردار کو بھی ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ اللہ کو خبر ہے کہ تم کون سا کام کس نیت اور کس خلوص سے کر رہے ہو۔

بدگمانی مانع فیض ہے:

اللہ کریم نے اُن کے دل کی بات بتا دی، فرمایا: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا۔۔۔ بلکہ تم نے تو یہ خیال کیا کہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے گھروں کو کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ فرمایا، تمہارے دل میں تو یہ بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے ہمرکاب جانے والے جاں نثار صحابہؓ اب واپس لوٹ کر نہ آسکیں گے اہلِ مکہ انہیں شہید کر دیں گے اور فرمایا: وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔۔۔ اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھلی لگی تھی۔ تم نے دل میں سوچا کہ ہم تو بڑے عقلمند ہیں اور صحیح فیصلہ کر رہے ہیں کہ جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں جا رہے۔ تم نے بدگمانی کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا فیصلہ صحیح نہیں ہے اور اہلِ مکہ اُنہیں شہید کر دیں گے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ واپس گھروں کو نہ آسکیں گے۔ یہ بات تمہارے دلوں کو بہت بھلی لگی۔ فرمایا: وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔۔۔ اور (اسی لیے) تم نے برے برے گمان کیے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں تم نے بہت برا سوچا۔ تمہارا خیال صرف غلط ہی نہیں تھا بلکہ بہت برا یعنی نقصان دہ بھی تھا۔ ایک بات صرف غلط ہوتی ہے وہ ایک الگ درجہ ہے۔ ایک بات نقصان دہ بھی ہوتی ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ یہ بہت بری بات ہے۔ یہی بات یہاں ارشاد ہوئی کہ تم نے بہت ہی برا سوچا یعنی اس سوچ نے تمہارا دین بھی ضائع کر دیا تمہارے سارے اعمال بھی اکارت گئے اور دنیا کا نقصان بھی تمہی کو ہوگا۔ یاد رہے بدگمانی مانع فیض ہے۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہو تو بندہ فیوضاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے کٹ جائے گا۔ اُس کا ایمان باقی رہا نہ عمل رہا۔ فرمایا، یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ اگر کوئی دین سے بدگمان ہوتا ہے جیسے آج بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی پر جانور ذبح کرنے کی بجائے پیسے غریبوں کو دے دیے جائیں۔ اب اس سے بڑی بدگمانی کیا ہوگی! گویا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم دولت کا ضیاع ہے اور جو یہ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ صحیح ہے۔ یاد رہے کہ یہ معمولی جرم نہیں ہے اس سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے، برکات منقطع ہو جاتی ہے۔ پھر برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم نصیب نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اگر مشائخ اور بزرگانِ دین سے کسی نے فیض حاصل کرنا ہے تو اُسے بدگمانی سے بچنا ہوگا۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ بعض چیزیں ہم دیکھتے کہ وہ صحیح نہیں ہیں لیکن جب تحقیق کریں تو پتا

چلتا ہے کہ اس کا عذر موجود ہوتا ہے لہٰذا محض سنی سنائی بات یا شکوک وشبہات پر شیخ سے بدظن نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص شیخ سے بدگمان ہو جاتا ہے اُس کی برکات مقطوع ہو جاتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اُس شیخ سے وہ کوئی فیض نہیں پا سکتا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔ بدگمانی تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ تم تھے ہی ایسی قوم جس کی قسمت میں تباہ ہونا لکھا ہے۔

عافیت اطاعت میں ہے:

یہ آیہء کریمہ بتا رہی ہے کہ ہر طرح کی عافیت ہر طرح کی سلامتی اور نفع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع میں ہے۔ اُس سے باہر جو بھی نکلے گا وہ ہمیشہ تباہی کی طرف جائے گا۔ کامیابی کا مدار انجام پر ہوتا ہے، جس کام کا انجام اچھا ہو وہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کسی کو بہت ہی قیمتی نہایت، خوبصورت، محفوظ ترین گاڑی میں سوار کراتے ہیں۔ اُس کے ساتھ حفاظتی دستہ بھی لگاتے ہیں۔ اُسے بڑے احترام سے سلامی دے کر لے جاتے ہیں اور نتیجتاً اس گاڑی کو کسی گہری کھائی میں پھینک دیتے ہیں جس میں گاڑی سمیت وہ تباہ ہو جاتا ہے تو کیا یہ کامیابی ہے؟ دنیا میں کفر کی کامیابی کی مثال یہی ہے کہ بعض اوقات کافروں کو مال و دولت، حکومت اور شان وشوکت مل جاتی ہے لیکن وہ ساری شان وشوکت موت کے ساتھ ہی دھڑام سے جہنم میں جا گرتی ہے تو یہ کیسی کامیابی ہوئی! اس کے برعکس ایک شخص کو آپ پیدل چلاتے ہیں اُس کا لباس بھی بوسیدہ ہے اور وہ لاٹھی ٹیک کر مشکل سے چل رہا ہے۔ اُس کی بظاہر کوئی شان وشوکت بھی نہیں ہے کوئی حفاظتی دستہ بھی ہمراہ نہیں ہے لیکن وہ نتیجتاً جنت میں پہنچ جاتا ہے تو کیا وہ نفع میں نہیں رہا؟ مومن کو دنیا میں بظاہر مشکلات بھی آتی ہیں، بیماری یا تکلیف بھی آئے تو اُسے اُس کا اجر ملتا ہے۔ اللہ کریم اُس کی خطائیں معاف فرماتے ہیں اور انجامِ کار وہ اللہ کی رضا کو پالیتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

ایک شخص اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر، رشوت لے کر کروڑوں روپے کماتا ہے لیکن جب پکڑا جاتا ہے تو پیسے بھی ضبط ہو جاتے ہیں، سزا بھی پاتا ہے جیل جاتا ہے اور جب مرے گا تو عذابِ الٰہی کی گرفت میں ہوگا قبر بھی خراب ہوگی تو پھر کیا کامیابی پائی اُس نے؟ دوسری طرف ایک غریب مفلس شخص ہے جو روکھی سوکھی پر گزارا کر گیا آٹھ پہر فاقے کرتا رہا لیکن حرام نہیں کھایا تو نتیجتاً اُسے اللہ کی رضا مل گئی اور وہ ہمیشہ کی زندگی میں بامراد ہو گیا یہ اصل کامیابی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں سراسر خسارہ اور تباہی ہے۔ فرمایا، بدگمانی تباہ و برباد کر دیتی ہے اور اس سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ تم نے بہت برا گمان کیا اور اس کی پاداش میں تم تباہ ہو گئے۔ پھر اس بدگمانی کو

ایمان کے خلاف قرار دیا، فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ ۔۔۔ اور جو شخص ایمان نہیں لاتا یعنی بدگمانی ایمان کی ضد ہے کہ ایمان ہو تو بدگمانی نہیں ہوتی ایمان ہو تو نیک گمان ہوتا ہے۔ فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

ایمان کیا ہے؟

فرمایا، جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نہیں لاتا اُس کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ایمان کیا ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات کو مان لینا ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں کلمہ تعلیم فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ہم نے مان لیا تو یہ ایمان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، حرام مت کھاؤ لیکن ہم نے کھا لیا تو پھر یہ نہ ماننے والی بات ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا چوری نہ کرو، جھوٹ نہ بولو لیکن ہم چوری بھی کر گئے، جھوٹ بھی بول لیا تو ہم نے مانا تو نہیں ہے۔ زندگی کے سارے امور میں یہ امتحان چلا جاتا ہے تو تجزیہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ ہم نے کتنا مانا اور کتنا انکار کیا۔ یہ بات قیامت کو فرمائی جائے گی، فرمایا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرآئیل:14) اپنی کتاب پڑھ لے۔ آج کے دن تُو خود ہی اپنے لیے حساب لینے والا کافی ہے۔ یہ دیکھو کہ تم نے کتنا مجھے اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانا اور کتنا نہیں مانا، خود اندازہ کر لو۔ اگر تمہارا ماننا زیادہ ہے تو نجات میں ہو اور اگر انکار زیادہ ہے تو بھگتو۔

ہمیں صرف اس بات پر نازاں نہیں رہنا چاہیے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے لہٰذا مسلمان ہیں بلکہ اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ دن بھر میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی کتنی باتیں مانتے ہیں اور کتنی کا انکار کرتے ہیں۔ سود کھا لیتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں جہاں سے تنخواہ لیتے ہیں وہاں کام پورا نہیں کرتے تو یہ سب حرام ذرائع ہیں۔ یہ نافرمانی ہے اور انکار ہے۔ سو فرمایا، جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نہیں لاتے اُن کافروں کے لیے ہم نے بہت بڑا دوزخ بھڑکا رکھا ہے۔

اللہ کریم بخشنے والے مہربان ہیں:

فرمایا: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ اور اللہ ہی کی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔ فرمایا، زمینوں اور آسمانوں میں میری حکومت ہے لہٰذا فیصلے بھی میرے ہی ہوتے ہیں۔ مخلوق میری ہے، انہیں زندگی میں نے عطا کی ہے۔ اُن کے لیے ہدایت کے سامان کیے انبیاؑ بھیجے کتابیں بھیجیں اور اُن کے لیے احکام مقرر کیے اور

انہیں بتا بھی دیا کہ اس گناہ کی اتنی سزا ہے تو پھر کیوں کرتے ہیں؟

بعض اوقات لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ بات تو چھوٹی سی تھی کہ نماز نہیں پڑھی لیکن اُس پر اتنا بڑا عذاب تو یہ بڑی زیادتی ہے۔ ایک مثال ہے کہ ایک شخص ایک مکان بناتا ہے۔ زمین خرید کر اُس پر مکان تعمیر کراتا ہے پھر بلڈوزر سے اُسے گرا دیتا ہے۔ دوسرا شخص اعتراض کرتا ہے کہ تم نے گھر کیوں گرا دیا؟ وہ کہتا ہے تمہیں کیا ہے؟ کیا تم نے اس پر پیسے خرچ کیے تھے؟ دوسرا شخص خاموش ہو جاتا ہے کہ ٹھیک ہے تمہارا اپنا تھا تم نے گرا دیا حالانکہ یہ اُس کی بھی عارضی ملکیت ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں زمین و آسمانوں کی حکومت میری ہے۔ ساری مخلوق میری ہے۔ مملکت کے بارے فیصلہ کرنا مالک کا حق ہے۔ میں جسے چاہوں بخش دوں جسے چاہے عذاب دوں مگر میری بخشش ہر حال میں وسیع ہے یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ اتنے سے گناہ کا اتنا عذاب کیوں ہے۔ مجھ سے حال ہی میں یہ سوال پوچھا گیا کہ کسی نے اگر گناہ، جرم یا کفر بھی کیا اور اُس کی عمر ساٹھ یا اسی سال یا سو سال سہی، مر گیا تو عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیوں ہوگا، وہ بھی سو سال یا ساٹھ سال ہی ہونا چاہیے تھا اس کا جواب اللہ نے قرآن کریم میں دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اگر ان کے پاس ہمیشہ کی زندگی ہوتی تو یہ ہمیشہ جرم ہی کرتے رہتے، ہمیشہ کفر ہی کرتے لہٰذا ان کو سزا بھی ہمیشہ کے لیے ملے گی۔

یہ آیت بھی اس بات کا ہی جواب دے رہی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں بادشاہی اللہ کی ہے تو کیا فیصلے تم نے کرنے ہیں؟ جس کی سلطنت ہے، حکومت ہے اختیار ہے تو فیصلہ بھی یقیناً وہی کرے گا۔ فرمایا: **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** ۔۔۔ وہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سزا دیں۔

اللہ اپنی مخلوق کے لیے جو فیصلہ چاہیں کر سکتے ہیں اس میں ما و شما کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے! چاہیں تو معاف کر دیں چاہیں تو سزا دیں، کسی کو اعتراض کرنے کا یا مشورہ دینے کا کیا حق ہے۔ کیا ان معترضین کی کوئی شراکت ہے مخلوق بنانے میں؟ اُنہوں نے کوئی CELL یا مادّہ بنایا ہے یا کوئی انسان تخلیق کیا ہے؟ ان کے اعتراض بے وزن ہیں۔ فرمایا: **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ﴿۱۴﴾ اور وہ اللہ بڑے بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں تو معاف کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہوں۔ یہ جو لوگ عذاب میں جھونکے جا رہے ہیں یہ وہ بد بخت ہیں جنہوں نے مجھ سے معافی مانگی نہ ہی رحم طلب کیا۔ اگر یہ کفر، شرک، گناہ، ظلم قتل کر چکے تھے تو میری بارگاہ میں آتے، معافی تو مانگتے، توبہ کرتے لیکن یہ اِسی زعم میں مر گئے۔ انہوں نے توبہ کی نہ معافی مانگی حالانکہ اگر یہ میری بارگاہ میں معافی کے طلبگار ہوتے تو میری رحمت ان کے گناہوں سے بہت وسیع ہے۔ میری بارگاہ میں آتے تو دیکھتے کہ کوئی گناہ میری رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا، میری بخشش بہت وسیع ہے۔ میں معاف کرنے والا ہوں،

رحم کرنے والا ہوں لیکن جو میری رحمت اور مغفرت دونوں کو ٹھکرا دے تو پھر وہ عذاب میں ہی جائے گا۔

وحیءِ غیر متلو:

فرمایا: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ۔۔۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب کہیں گے جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دیں کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں۔ جب پیچھے رہ جانے والوں تک یہ خبر پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فتح مبین کی خوشخبری ہے، حدیبیہ فتح مبین کا پیش خیمہ ہے، دروازہ ہے اب خیبر بھی فتح ہوگا اور مکہ بھی فتح ہوگا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی کہ حدیبیہ تو ہم نہ جاسکے لیکن ہمیں خیبر لے چلیں ہم جہاد میں حصّہ لیں گے جانیں دیں گے۔

یاد رہے کہ کچھ مخلص مسلمان بھی حدیبیہ نہیں جا پائے تھے اُنہوں نے بھی چاہا کہ خیبر میں ساتھ جائیں۔ کچھ منافقین میں سے بھی خلوص سے نوازے گئے۔ منافقین کے بارے میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے جانا چاہتے ہیں کہ وہاں فتح ہوگی تو ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملے گا۔ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع یا محبت میں نہیں جا رہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جاں نثار نہیں ہیں۔ انہیں دنیا کا لالچ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا تھا کہ خیبر میں صرف وہ لوگ ہمراہ جاسکیں گے جو حدیبیہ میں ہمرکاب تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چند مخلص صحابہؓ جو حدیبیہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اُنہیں خصوصی طور پر اجازت دی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں قبول فرمالیا اور ساتھ لے گئے۔ منافقین نے جب اجازت طلب کی تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ۔۔۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں۔

یہ آیت دلیل ہے کہ صحیح حدیث بھی وحیءِ الٰہی ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو بات پہلے ارشاد فرمائی اس آیت میں اللہ نے اسے قَالَ اللّٰهُ مِن قَبلُ۔۔۔ فرمایا ہے۔ ترجمہ: اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ صحیح حدیث بھی وحیءِ الٰہی ہے۔

یہ حکم دراصل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیا تھا کہ خیبر کے سفر میں صرف وہ لوگ جاسکیں گے جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ جب منافقین نے خیبر میں ہمرکابی کی اجازت چاہی تو اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ یہ میرے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث بھی وحیءِ الٰہی ہے۔ یہ قانون ہے، فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:4,3) اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ ان کا ارشاد تو وحی ہے جو (ان

کی طرف) بھیجی جاتی ہے وحی کی دو اقسام ہیں۔ ایک وحیٔ متلو ہے، جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ اللہ کی کتاب منضبط ہو گئی۔ یہ وحی جلی ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتا دیا یہ وحیٔ الٰہی ہے۔ اسے ہم قرآنِ مجید، کلام حمید، کہتے ہیں۔ اس میں اصول وضوابط مرتب ہو گئے۔ اسے دیکھنا بھی عبادت ہے اور سمجھنا اور عمل کرنا بھی عبادت ہے۔

دوسری قسم ہے وحیٔ غیر متلو، یہ وحیٔ خفی ہے۔ یہ حدیث ہے جو ساری قرآن ہی کی تفسیر ہے۔ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی لیکن اس کا انکار بھی قرآن کے انکار کے برابر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عمل یا کوئی کام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پسند فرمایا یا منع نہیں فرمایا تو وہ بھی سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم ہے لہٰذا وہ بھی وحیٔ الٰہی ہے۔ آج جو لوگ حدیث کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو خود سمجھ سکتے ہیں انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کا انکار قرآن ہی کا انکار ہے، اس لیے کہ حدیث وحیٔ غیر متلو ہے۔

یہاں منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کا انکار کر رہے ہیں جب اصرار کر رہے ہیں کہ ہم بھی خیبر ساتھ جائیں گے۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں یہ میرے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ۔۔۔ فرما دیجیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے۔ یہی فیصلہ پہلے بھی اللہ کا تھا اور یہی اب بھی ہے۔ منافقین کہیں گے، فرمایا: فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا۔۔۔ پھر کہیں گے بلکہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمان یعنی صحابہؓ ان کو بغض اور حسد کی وجہ سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہ بھی مالِ غنیمت لے لیں بلکہ خود ہی سارا سمیٹنا چاہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں انہیں کہنے دو جو کہتے ہیں۔ ان کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فرمایا: بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾ کوئی نہیں یہ لوگ خود بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ فرمایا، ان کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی کہ جب اللہ کا حکم انہیں بتا دیا گیا ہے پھر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ آج بھی یہ رویہ عام ہے جس کے نتائج ہم بھگت رہے ہیں۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ کا حکم بتایا جائے تو بے زار ہوتے ہیں حالانکہ جو بندہ اللہ کا حکم بتاتا ہے وہ تو احسان کرتا ہے۔ اگر کوئی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات ہم تک پہنچاتا ہے تو اُس کا احسان مند ہونا چاہیے۔

اسلامی فتوحات کی پیشین گوئی:

فرمایا: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا۔۔۔ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجیے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے۔ (کہ یا تو) ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع ہو جائیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ان سے کہو گھبرائیں نہیں وقت آ رہا ہے بڑی جنگجو قوموں سے جہاد ہوں گے، مقابلے ہوں گے۔ دنیائے کفر اسلام کے خلاف اُمڈ آئے گی۔ بڑی بڑی بادشاہتوں سے مسلمانوں کا جہاد ہوگا۔ مسلمان اسلام کا دفاع کریں گے، کفر کے حصار کو توڑیں گے اور اُن سلطنتوں کو فتح کریں گے۔ وہاں دین کا چرچا ہوگا، اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔ اگر تم توبہ کر چکے ہو تم میں خلوص ہے تو وہاں اپنے جوہر دکھانا۔ وہاں شہادتیں بھی ملیں گی جو بچ جائے گا غازی کہلائے گا اور مالِ غنیمت بھی لائے گا۔ شہید کو اللہ کی رحمت اور جنت ملے گی۔ اگر تم توبہ کر لو تو اُن جہادوں میں حصہ لے لینا، وہاں شامل ہو جانا تو بہت اچھی بات ہے۔ اللہ تمہیں بہترین اجر سے نوازے گا اور تم بھی جنت کے حق دار بن جاؤ گے۔ شہادتیں پاؤ گے، مالِ غنیمت پاؤ گے۔ دنیا اور دین دونوں پا لو گے۔

یہ آیات خیبر کی روانگی سے پہلے نازل ہو رہی ہیں اور یہ اُن جہادوں کی خبر دے رہی ہیں جو خلافتِ راشدہ میں ہوئیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسیلمہ کذاب کے ساتھ اور منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں۔ یہ خبر دے رہی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُن معرکوں کی جن میں چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔ ایران کے شہنشاہ اور روم کے قیصر کو شکست ہوئی اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں چین سے ہسپانیہ اور برصغیر سے افریقہ تک جا پہنچیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں بہت بڑے معرکے بپا ہونے والے ہیں۔ اگر تم میں خلوص ہے تو وہاں اپنے جوہر دکھانا لیکن فرمایا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ پہلے روگردانی کر چکے ہو تو وہ تم کو دردناک عذاب کی سزا دیں گے۔

اگر تمہارا رویہ وہی رہا جو حدیبیہ کی روانگی سے پہلے تھا کہ بہانے تراش کر پیٹھ پھیر کر نکل گئے۔ اگر تم نے پھر وہی کیا کہ کاروبار کی مصروفیات ہیں، گھریلو مسائل ہیں تو پھر بھی میرے پاس ہی آنا ہے۔ میں تم سے نمٹ لوں گا۔ فرمایا: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔۔۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

اگر کوئی اندھا ہے، معذور ہے، مریض ہے بستر پر پڑا ہے اور وہ جہاد پر نہیں جاتا تو اُس پر کوئی گرفت نہیں کہ اُس کے پاس عذر ہے۔ اللہ نے اُسے امراض میں مبتلا کر دیا اور وہ جا نہیں سکتا تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک ایسا شخص جو حالتِ صحت میں جہاد پر جاتا تھا لیکن اب بستر پر بیمار پڑا ہے اور جہاد میں شامل نہیں ہو سکتا تو اُسے مجاہد ہی شمار کیا جائے گا۔ ایک تہجد گزار شخص بیمار ہو جاتا ہے یا ایک تلاوت کرنے والا شخص، حلال کمانے والا، عبادت کرنے بندہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اُٹھ نہیں سکتا، وضو نہیں کر سکتا، پوری نماز نہیں ادا کر سکتا تو وہ تیمم کر کے بیٹھ کر

صرف فرائض ادا کرتا ہے تو عند اللہ وہی اجر پاتا ہے جو حالتِ صحت میں ان کاموں پر پاتا تھا۔ اس کی وہی عبادت لکھی جاتی ہے جیسی وہ صحت میں ادا کرتا تھا۔

فرمایا: وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۔۔۔اور جو اللہ اور اُس کے پیغمبر کی اطاعت کرے گا، وہ اُس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے تابع نہریں جاری ہوں گی۔ اللہ کریم نے یہ جنتیں اُنہی اطاعت گزاروں کے لیے سجائی ہیں، اُن میں نہریں جاری کی ہیں۔ محلات سجائے ہیں بہترین لباس، بہترین پھل اور بے شمار خادم پیدا کیے ہیں۔ یہ سب اُن کے لیے ہے جو اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان و یقین رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرتے ہیں۔

فرمایا: وَمَنۡ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبۡهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝ اور جو روگردانی کرے گا اُس کو دردناک عذاب کی سزا دیں گے۔ فرمایا، جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع سے منہ پھیرے گا، تَوَلّٰی سے مراد ہوتی ہے رخ پھیر لینا، پروانہ کرنا، بات نہ ماننا۔ جو بات نہیں مانے گا اُسے بہت دردناک عذاب دیا جائے گا۔

وہ عذاب جنہیں رب العالمین دردناک کہہ رہے ہیں وہ کیسے عذاب ہوں گے اللہ ہی اُن سے بچائے۔ اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے اوقات کو اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سانچے میں ڈھال لینا چاہیے۔ اتباعِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلّم ایک ایسا محفوظ قلعہ ہے جس کے باہر قہرِ الٰہی، عذابِ الٰہی برس رہا ہے۔ اس کے اندر سلامتی ہے۔ اللہ کریم نے بہت خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً (البقرۃ:208) اے ایمان والو! سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو اسلام کے محفوظ قلعے کے اندر لے جاؤ۔ اس پر طوفان کا اثر ہوتا ہے نہ اس کے اندر کوئی عذاب یا سختی ہے۔ اگر تم نے سر اندر داخل کر لیا لیکن دھڑ باہر ہے تو دھڑ پر وہ برسے گا جو قہر باہر برس رہا ہے۔ یہ نہ کرو۔ فرمایا، جو اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم سے رخ پھیرے گا عمل نہیں کرے گا اُسے بہت دردناک عذاب ہوں گے۔

سورۃ الفتح رکوع 3 آیات 18 تا 26

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ
كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ
وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ
قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾
سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾
وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ
مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ
تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا

وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

بے شک اللہ خوش ہوئے ان ایمان والوں سے جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کرر ہے تھے ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا سو وہ بھی اللہ کو معلوم تھا پس اللہ نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلدی فتح عطا فرمادی ﴿۱۸﴾ اور بہت سی غنیمتیں بھی (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں ﴿۱۹﴾ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما رکھا ہے جن کو تم لو گے۔ سو سرِ دست تم کو یہ دے دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تا کہ ایمان والوں کے لیے (قدرت کا ایک) نمونہ بن جائے اور وہ تم کو سیدھے راستے پر چلائیں ﴿۲۰﴾ اور ایک (فتح) اور بھی ہے جو تمہارے ہاتھ نہیں آئی اللہ اس کو احاطہ میں لیے ہوئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۲۱﴾ اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کا کوئی کارساز ہوتا اور نہ مددگار ﴿۲۲﴾ یہی اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پائیں گے ﴿۲۳﴾ اور وہی ہے جس نے اُن (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے مکہ (مکرمہ) کے قرب میں روک دیے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں ﴿۲۴﴾ یہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رُکا ہوا رہ گیا (اس وقت) اس کے موقع پر پہنچنے سے روکا اور اگر بہت سے ایمان والے مرد اور بہت سی ایمان والی عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا (تو ابھی فتح ہوجاتی)۔ (مگر تاخیر اس لیے ہوئی) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہیں داخل فرمالیں اگر (دونوں فریق) الگ الگ ہوجاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک سزا دیتے ﴿۲۵﴾ جب ان کافروں نے اپنے دل میں ضِد کو جگہ دی

(اور) ضد بھی جاہلیت کی، تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور ایمان والوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اُسی کے مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں ﴿۲۶﴾

تفسیر و معارف

بیعتِ رضوان کرنے والوں پر انعاماتِ الٰہیہ:

فرمایا: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ بے شک اللہ خوش ہوئے ان ایمان والوں سے جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے اور اُن کے دلوں میں جو (خلوص) تھا سو وہ بھی اللہ کو معلوم تھا پس اللہ نے اُن پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلدی فتح عطا فرمادی۔

حدیبیہ میں جب یہ افواہ اڑی، مسلمانوں تک یہ بات پہنچی کہ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خادمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے موت پر بیعت لی۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ سب نے اس بات پر بیعت کی ہم آخری دم تک لڑیں گے اور اگر ایک بندہ بھی رہ گیا تو وہ بھی لڑ کر شہید ہوگا میدان سے بھاگے گا نہیں۔ جب سب نے موت پر بیعت کر لی تو آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دستِ مبارک دوسرے دستِ مبارک میں دے کر فرمایا کہ میرا یہ ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے۔ میں عثمان (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے موت پر بیعت کر رہا ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب مومنین ایک درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیعت کر رہے تھے تو فرمایا میں مومنین سے راضی ہو گیا۔ سوچا جا سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ظاہراً بیعت کر رہے ہوں اور دل میں نجانے کیا سوچ رہے ہوں؟ ہوسکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ پھنس گئے ہیں، مارے جائیں گے، موقع ملے تو بھاگ جائیں۔ فرمایا، ہم ان کے دلی خلوص کو جانتے ہیں اِن کے دلوں میں کیا ہے، میں جانتا ہوں۔ یہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم پر جان دے دیں گے۔ میں جانتا ہوں یہ خلوصِ دل سے بیعت کر رہے ہیں۔ میں ان کے اندر تک کا حال جانتا ہوں اس لیے میں ان سے راضی ہو رہا ہوں۔ یہاں علما نے بہت خوبصورت بحثیں فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کریم دل کی بات جان کر اپنی رضامندی کی سند دے رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان ؓ کا فیصلہ قیامت کی بجائے دنیا میں ہی ہو گیا اور جنت ان ؓ کا گھر بن گئی۔ یہ خوش نصیب لوگ تھے جنہیں زندگی میں

رضائے الٰہی کی سند مل گئی۔

آج اگر کوئی بندہ اُن ؓ ہستیوں پر جو رضائے الٰہی پا گئیں، اعتراض کرتا ہے تو وہ غضبِ الٰہی کا شکار ہے۔ بعض علمائے اہلِ سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی صحابہ کرام ؓ پر اعتراض کیے ہیں کسی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلے پر اعتراض ہے تو کسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر۔ یاد رہے یہ بے دینی ہے، ظلم ہے زیادتی ہے اور ایسا کرنے والے سب بے دین ہیں۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ میں ان سب سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو گیا اور میں ان کے دلوں کے اندر کی بات بھی جانتا ہوں۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے ہیں اور خلوصِ دل سے کر رہے ہیں۔

وہ درخت کتنا مبارک ہوگا جس کے سائے تلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ سے بیعت لی جو رضائے الٰہی کا سبب بن گئی۔ یہ ببول یا کیکر کا درخت تھا جس کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی اور اللہ نے اس پر، فرمایا: فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ ۔۔۔ اپنی بارگاہ سے اُن پر تسلی، سکینہ، تسکین، سکون نازل فرمایا اور انہیں عنقریب بے شمار فتوحات کی خوشخبریاں سنائیں۔

دینِ اسلام رسومات سے پاک ہے۔ عہدِ فاروقی میں لوگ اس ببول کے درخت کی زیارت کے لیے آنا شروع ہو گئے اور نفل ادا کرنے لگے کسی نے یہ بات جب حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے والد بیعتِ رضوان میں شریک تھے اور وہ فرماتے تھے کہ میں دوبارہ جب حدیبیہ سے گزرا تو باوجود تلاش کے مجھے وہ درخت نہیں ملا۔ یہ نجانے کون سا درخت لوگوں نے مقرر کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیے ہیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وہ درخت جڑ سے نکال کر پھینکوا دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نفل پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو پھر یہاں کوئی نفل نہیں پڑھ سکتا، پھر اس درخت کی کیا حیثیت ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے وہ بندے تھے کہ ایک دفعہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کے پاس رک کر فرمانے لگے، میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے میں تجھے اس لیے بوسے دیتا ہوں کہ تجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسے دیے تھے۔ مجھے تجھ سے امیدیں نہیں ہیں۔ مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کرنی ہے۔ ہمارے ہاں تو قدم قدم پر سجدہ گاہیں بن گئی ہیں۔ جی یہاں فلاں بزرگ نے چلّہ کاٹا تھا یا فلاں بزرگ یہاں سے گزرا تھا۔ یہ سب بدعات ہیں خرافات ہیں اور ناجائز ہیں۔ دین وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچا ہے۔

فرمایا: وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑲ اور بہت سی غنیمتیں (دیں) جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ زبردست، حکمت والے ہیں۔ بیعتِ رضوان پر مرتب ہونے والے اجر کا ہی تذکرہ

چل رہا ہے کہ اللہ کریم اُن جاں نثار صحابہ کرامؓ جنہوں نے موت پر بیعت کی، سے راضی ہوئے۔ اُن پر آسمان سے سکینہ نازل فرمائی اور انہیں فتوحات کی بشارت دی۔ جن کا سلسلہ حدیبیہ سے شروع ہوا۔ حدیبیہ کے فوراً بعد خیبر فتح ہوا۔ جس میں بہت سا مالِ غنیمت اسلحہ اور سامان حاصل ہوا۔ خیبر ایک بہت بڑے صوبے کا نام تھا۔ اُس میں بہت سے مضبوط قلعے تھے جن کی تعداد بیس سے اٹھائیس کے درمیان ہے اور بہت سرسبز خوبصورت وادیاں تھیں جن میں چشمے جاری تھے، بہترین زرعی زمینیں تھیں۔ کھجوروں کے باغات تھے جن سے بہت آمدن ہوتی تھی۔ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فتح خیبر کی خوشخبری دی۔ یقیناً یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا ورنہ اُس دن مکہ فتح کرواسکتا تھا۔ کفار کو اس دن بھی شکست دے سکتا تھا لیکن یہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اُس نے فتح مکہ کو مؤخر کر دیا۔ فرمایا: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ ۔۔۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما رکھا ہے جن کو تم لو گے۔ سو سرِ دست تم کو یہ دے دی۔

اللہ کریم، صحابہ کرامؓ سے اُن کے مخلصانہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سبب بہت سی فتوحات اور مالِ غنیمت کا وعدہ فرماتا ہے جسے وہ ضرور حاصل کریں گے۔ فرمایا: وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۔۔۔ اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے۔ یہ اللہ کریم کا احسان تھا کہ اہلِ خیبر کے پاس جس قدر جری افواج تھیں اُس شان سے لڑ ہی نہ سکیں۔ بنوغطفان جو وادیِ خیبر کی دوسری طرف تھے اور اہلِ خیبر کے حلیف تھے وہ باوجود تیاری کے مقابلے کے لیے نہ آسکے۔ اللہ کریم نے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا وہ کہنے لگے کہ اگر ہم اہلِ خیبر کی مدد کو چلے گئے اور مسلمانوں کا کوئی لشکر ہماری بستی پر آگیا تو کیا ہوگا؟ فرمایا: وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔۔۔ اور تاکہ ایمان والوں کے لیے (قدرت کا ایک) نمونہ بن جائے۔ یہ ایک دلیل بن گئی اہلِ ایمان کے لیے ہمیشہ کے لیے یہ قانون بن گیا کہ کامیابی صرف اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہی نصیب ہوگی۔ قیامت تک کے لیے یہ دلیل بن گئی کہ کامیابی کا مدار کثرتِ اسباب پر نہیں ہے۔ اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں لیکن نتیجہ اسباب و وسائل پر مرتب نہیں ہوگا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے وفا پر مرتب ہوگا۔ یہ سب اللہ کی مدد کا ایک نمونہ تھا۔ فرمایا: وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ اور وہ تم کو سیدھے راستے پر چلائیں۔ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخلص غلام، جاں نثار اور تابعدار لوگ تھے اور پہلے ہی سیدھے راستے پر تھے، سارے ہادی و مہدی تھے تو اس سے یہاں یہ مراد ہے کہ تمہیں ہدایت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

دراصل ہدایت کے مراتب، ایمان و یقین کے مراتب میں بھی مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ یا اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے یا تنزل ہوتا رہتا ہے۔ یہ ایک جگہ نہیں رہتا۔ اسی طرح مقاماتِ تصوف وسلوک

میں بھی مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے یا پھر کمی ہوتی رہتی ہے۔علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر سالک کسی ایک مقام پر رک جائے، اُس کی ترقی نہ ہو تو یہ بھی نقصان ہے۔ایمان کی جو کیفیت اُسے حاصل ہے اگر اُس میں زیادتی نہیں ہو رہی تو یہ بھی نقصان ہے۔جیسے ایک تاجر پانچ لاکھ روپے سے سرمایہ کاری کرتا ہے اور برسوں کی محنت کے بعد بھی اُسے پانچ لاکھ ہی وصول ہوں منافع نہ ہو تو یہ بھی نقصان ہے۔فرمایا، ایمان کی کیفیت میں یقین واعتماد میں مسلسل ترقی ہونی چاہیے جس کا راستہ یہ ہے کہ اتباع رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خلوص، جاں نثاری بڑھتی رہے۔اللہ نے تمہیں سیدھے راستے پر چلا دیا یعنی تمہارے ایمان وعمل کے درجات کو مزید بلند کر دیا۔یاد رہے یہی ثواب کا اثر اس دنیا کی حیات پر مرتب ہوتا ہے۔

فرمایا: وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾

اور ایک (فتح) اور بھی ہے جو تمہارے ہاتھ نہیں آئی اللہ اس کو احاطہ میں لیے ہوئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اگرچہ اس وقت مکہ فتح نہ ہو سکا لیکن وہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔وہ قادر تھا اسی دن چاہتا تو فتح ہو جاتا لیکن اُس کی حکمت تھی۔اُس نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔خیبر فتح ہو گیا۔دنیا کے بڑے عظیم بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی گئی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں نامہ ءمبارک بھیجے۔بے شمار عرب قبائل ایمان لے آئے کچھ نے صلح کے معاہدے کر لیے اور اسلام کی ترویج کے لیے مسلمانوں کو فرصت اور فراغت میسر آئی۔فتح مکہ اگرچہ اُس سفر میں حاصل نہ ہوئی لیکن وہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے جب چاہے گا عطا فرما دے گا۔اللہ کریم تو ہر چیز پر قادر ہے یہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہر کام کو ایک خاص سبب کے نتیجے میں ظاہر فرماتا ہے اور اُسے ایک خاص وقت پر ظاہر فرماتا ہے۔

حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ دیو بند کے استاذ العلما تھے، مفسر محدث اور فقیہہ تھے۔فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سوچا کہ ہر کام کسی سبب کے نتیجے میں ہوتا ہے ذاتِ باری براہ راست کیوں نہیں کرتی؟ اللہ کریم کوئی اسباب پیدا کرتے ہیں پھر اُس کے نتیجے میں وہ کام ہوتا ہے۔فرماتے ہیں، میں نے اس پر بہت غور و فکر کیا تو بالآخر مجھے سمجھ آئی کہ اللہ کریم کی ذات اتنی بلند و بالا عظیم و اعلیٰ ہے کہ اگر وہ براہ راست سامنے آ کر کام کرتی تو کوئی شۓ تجلیات وانوارات باری برداشت نہ کر پاتی اور جل جاتی۔جس چیز کی طرف اللہ کریم ذاتی طور پر متوجہ ہوتے وہ چیز فنا ہو جاتی تو کائنات کا نظام چل ہی نہ سکتا لہٰذا اللہ کریم نے اسباب پیدا فرمائے جن کے اختیار کرنے سے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔فرمایا، وہ قادر تھا اُسی دن مکہ بھی فتح ہو جاتا لیکن اُس کی حکمت ہے، اُس کی قدرت میں ہے، جب چاہے گا مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔

ہماری روز مرہ کی زندگی میں ایسے بہت سے امور آتے ہیں جو ہمارے لیے ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔کبھی

صحت خراب ہوجاتی ہے یا کاروبار میں حسبِ توقع نفع نہیں ہوتا۔ کبھی لوگوں سے تعلقات میں مسائل پیدا ہوجاتے ہیں اور دوستیاں دشمنی میں بدلنے لگتی ہیں، خطرات پیدا ہوجاتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اگر ہماری وفائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے قائم رہیں تو کوئی تبدیلی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کامیابی ہمارا مقدر ہوگی۔ وہ آج ہو یا چندے بعد ہو مگر کامیابی ہمارا حصّہ ہوگی۔ اگر کسی کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے وفا ہی نہیں ہے تو وہ دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہ دولتِ دنیا، اقتدار و شہرت تو حاصل کرسکتا ہے لیکن سکونِ قلب سے ناآشنا رہتا ہے اور اُس کی زندگی دنیا میں بھی اس طرح گزرتی ہے جیسے جہنم میں بسر کر رہا ہو۔

فرمایا: وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ کوئی ان کا کارساز ہوتا اور نہ مددگار۔ اگر حدیبیہ میں جنگ ہوتی تو کفار کو بہت بُری طرح سے شکست ہوئی۔ اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ سے جنگ چھیڑ لیتے تو انہیں کوئی حمایتی یا مددگار نہ ملتا۔ انہیں پیٹھ پھیر کر بھاگنا پڑتا اور کوئی اِن کا معاون نہ بنتا۔ یہ بے آبرو ہو کر میدان سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے اور اُسی دن مکہ فتح ہوجاتا۔ فرمایا: سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ یہی اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پائیں گے۔ یہ اللہ کا ایسا قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ جس قوم نے اپنے نبیؑ سے وفا کی وہ ہمیشہ کامیاب و کامران رہی اور جس قوم نے اپنے نبیؑ سے بے وفائی کی تو ذلت ناکامی اور پریشانیاں اُس کا مقدر بن گئیں۔

آج ساری دنیا میں جہاں دیکھیں مسلمان ہی مارے جارہے ہیں۔ جہاں کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو مسلمانوں پر ہی ٹوٹتی ہے۔ جہاں دیکھو مسلمان ہی مار کھا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ من حیث القوم مسلمان غیر مسلموں کے پیروکار بن گئے ہیں۔ کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن نظام کافرانہ پسند کرتے ہیں۔ اطوار و اقدار بھی اُن جیسی اپنانا چاہتے ہیں۔ جب معاشی، سیاسی عدالتی اور معاشرتی نظام کافرانہ ہوگا تو نتائج بھی وہی مرتب ہوں گے، اسلامی نظام کے مطابق تو نہیں ہوسکتے۔ فرمایا، یہ تو قانونِ الٰہی ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تو امام الانبیاؑ ہیں تو یہاں تو یہ قانون اور شدت سے جاری و ساری ہے۔ آج بھی اگر ہم بحیثیتِ قوم یا امت ان پریشانیوں سے نکلنا چاہتے ہیں تو آج بھی ایک ہی راستہ ہے:

کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(علامہ اقبالؒ)

آج ہم اپنے آپ کو، نظام سلطنت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع پر لے آئیں تو کامیابی ہمارا مقدر ہے۔ یہ اللہ کریم کا قانون ہے۔ اللہ کریم کے قوانین ٹھوس ہیں، اُنہیں کوئی بدل نہیں سکتا نہ توڑ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے خلاف کچھ واقع ہوتا ہے۔

فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ۔۔۔ اور وہی ہے جس نے اُن (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے مکہ (مکرمہ) کے قرب میں روک دیے بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دے دیا تھا۔ اللہ کریم کا احسان تھا کہ حدیبیہ میں اہلِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے صحابہ کرامؓ کا کچھ نہ بگاڑ سکے حالانکہ اُن کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ جو صرف تلواروں سے مسلح تھے چل کر حدیبیہ پہنچ گئے جبکہ اہلِ مکہ کے ساتھ اہلِ طائف بھی تھے اور یہ ایک بہت بڑا لشکر بن گیا تھا۔ مسلمان چونکہ جنگ کے لیے نہیں آئے تھے لہٰذا اُن کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی سامانِ حرب نہیں تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے کفار کے ہاتھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ سے روک دیا اُنہیں حملہ کرنے کی ہمت ہی نہیں دی۔ وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یہ اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ تھی۔

اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں کو بھی کفار کے خون سے رنگین نہیں ہونے دیا، حدیبیہ میں جنگ نہیں ہونے دی۔ حالانکہ وہاں ایک ہلکی سی جھڑپ ہوئی تھی جب اہل مکہ نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ بھیجا تھا جسے صحابہ کرامؓ نے حملہ کر کے قید کر لیا تھا۔ پچاس لوگوں پر مشتمل وہ دستہ قید ہو کر مسلمانوں کے قابو میں آ چکا تھا پھر بھی اللہ کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جنگ نہیں ہونے دی۔ فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔

انسان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کریم ذاتی طور پر ہر ایک کے کردار کو خود ملاحظہ فرما رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ کو فرشتے کراماً کاتبین ہی بتاتے ہیں تو پتا چلتا ہے بلکہ اللہ کریم کو ہر سوچ، ہر فکر ہر عمل کی خبر ہے وہ خود دیکھ رہے ہیں۔

شکست کے اسباب:

یہ جو ارشاد ہوا کہ اگر جنگ ہوتی تو کفار کو ایسی شکست ہوتی کہ انہیں کوئی حمایتی ملتا نہ مددگار اور یہ بھاگ کھڑے ہوتے یہ اس لیے کہ ان کی شکست کے اسباب موجود تھے۔ حالانکہ کفار کے لشکر کے پاس عددی کثرت کے ساتھ سامانِ حرب بھی مکمل تھا۔ اُن کے پاس وسائل زیادہ تھے اور وہ اپنے گھر مکہ مکرمہ میں تھے جبکہ مسلمان مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل چل کر گئے تھے اور مکہ مکرمہ کے باہر بیٹھے تھے۔ فرمایا، اُن کی شکست کے اسباب یہ تھے۔

فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔۔۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ شکست کے لیے یہی سبب کافی ہے کہ وہ کافر تھے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمن تھے۔ اللہ کے دین کے دشمن تھے اور ایمان سے خالی تھے۔ انہوں نے اللہ سے کفر کیا اور کفر ایسی مصیبت ہے جو رحمتِ الٰہی سے محروم کر دیتی ہے لہٰذا شکست ہی ہوگی۔ اس شکست کا دوسرا سبب یہ ہے فرمایا: وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔۔۔ اور تم کو مسجدِ حرام سے روکا۔ انہوں نے اللہ کے بندوں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کو بیت اللہ آنے سے روکا حالانکہ حرمِ مکہ تو تمام انسانوں کے لیے ہمیشہ سے کھلا تھا۔ عہدِ جاہلیت میں عرب قبائل کی آپس میں دشمنیاں بھی ہوتی تھیں، ناراضگیاں بھی ہوتی تھیں۔ قریش کے بھی بہت سے دشمن تھے لیکن کسی کو دشمنی کی وجہ سے بیت اللہ آنے سے نہیں روکا جاتا تھا۔ بیت اللہ سب کے لیے تھا۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کو بیت اللہ شریف میں داخلے سے، نیک کام سے روکا۔ گویا کسی بھی اللہ کے بندے کو نیکی سے روکنے کا سبب بننا، دین کی تبلیغ کو روکنا دین پر عمل میں رکاوٹ کا سبب بننا عند اللہ عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ فرمایا: وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۔۔۔ اور قربانی کے جانور کو جو رُکا ہوا رہ گیا (اس وقت) اس کے موقع پر پہنچنے سے روکا۔

وہ قربانی کے جانور جو اللہ کے لیے مختص کر دیے گئے تھے اُنہیں قربانی کے مقام تک پہنچنے سے روک دیا اور حدیبیہ میں قربانی کی گئی۔ یہ اسباب اُن کی شکست کے لیے کافی ہیں یعنی کسی کا کافر ہونا، اللہ کے دین پر عمل سے روکنا، دین داروں کو دین پر عمل سے روکنا اور عبادات میں حائل ہونا۔ یہ اسباب تھے اُن کی شکست کے اگر وہ لڑتے تو ضرور اس سے دو چار ہوتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔

وطنِ عزیز میں رواج ہو گیا ہے کہ مسجد بنا کر اس پر لکھ دیا جاتا ہے کہ اس میں صرف دیوبندی مسلک کے لوگ داخل ہوں یا اس میں صرف اہلِ حدیث آ سکتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ مسجد صرف مسجد ہے۔ فرمایا: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن: 18) اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں۔ اس میں کوئی نیک آتا ہے یا بدکار آتا ہے، بوڑھا آتا ہے جوان یا بچہ آتا ہے تو وہ اللہ کے گھر آتا ہے اور کسی کو اُسے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

نیک لوگوں کی رفاقت:

اس وقت فتح مکہ کو مؤخر کرنے میں ایک حکمت الٰہی یہ بھی تھی، فرمایا: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔۔۔ اور اگر بہت سے ایمان والے مرد اور بہت سی ایمان والی عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پاس جانے کا احتمال نہ ہوتا

جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا (تو ابھی فتح ہو جاتی)۔

مکہ مکرمہ میں ایسے غریب مسلمان، مرد، عورتیں بچے بوڑھے بھی مقیم تھے جو اتنے کمزور تھے کہ اہلِ مکہ کے سامنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی نہیں کر سکتے تھے اور ہجرت کی استطاعت بھی نہیں رکھتے تھے۔ ایسے بھی تھے جن کے مسلمان ہونے کا صحابہ کرامؓ کو بھی علم نہیں تھا۔ وہ غریب لوگ تھے جو اہلِ شہر میں مل کر بسر کر رہے تھے۔ اہلِ مکہ کو اگر ان کے اسلام لانے کا پتا چل جاتا تو اُن کا جینا دوبھر کر دیتے اور انہیں ہجرت بھی نہ کرنے دیتے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں تو جانتا تھا اور اگر اُن لوگوں کے پس جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کریم اہل مکہ پر سخت عذاب بھیجتے۔ اللہ کریم نے ان غریب مسلمانوں کی سلامتی کی خاطر جنگ ہی نہیں ہونے دی کہ مبادا جنگ ہو، شہر فتح ہو اور اُن غریب مسلمانوں کو گزند پہنچے۔ اُن کے لوگ لاعلمی میں شہید ہو جائیں اور بعد میں مسلمانوں کو بھی افسوس ہو جب پتا چلتا کہ ہمارے ہاتھوں انجانے میں وہ غریب مسلمان مارے گئے۔ اللہ کریم نے جنگ کو ہونے ہی نہیں دیا۔

اُن غریب مسلمانوں کا اللہ کے ساتھ خلوص دیکھیں کہ اُن کے ساتھ کا وقتی فائدہ اُن مشرکین کو بھی ہوا جہاں وہ رہتے تھے کہ اُن پر عذاب نہیں آیا۔ اللہ کریم نے اہلِ مکہ پر مسلمانوں کے لشکر کو عذاب کی صورت میں نازل نہیں کیا کیونکہ ان غیر معروف کمزور مسلمان مرد اور عورتوں کے پس جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے اللہ کریم نے اہلِ مکہ کو بھی شکست سے بچا لیا۔ یہاں سے علما اخذ کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کی رفاقت اگر اتفاقاً بھی نصیب ہو جائے تو عمومی عذاب سے بچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اہلِ مکہ مسلمان نہیں تھے، مشرک تھے کافر تھے مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ غریب لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود اُن کے پڑوس نے اہلِ مکہ کو عذاب الٰہی سے بچایا تو اگر کوئی کافر بھی اتفاقاً نیکوں کے ساتھ رہے تو عذاب سے بچ جاتا ہے تو جو عمداً ارادتاً کسی نیک ہستی کا دامن تھام لے تو اس پر کیا رحمتیں نازل ہوتی ہوں گی! یہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔

اللہ کریم نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس سے محفوظ رکھا کہ اُن کے ہاتھوں لاعلمی میں مسلمان مارے جاتے اور انہیں بعد میں صدمہ ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ کافر بھی طعنہ زنی کرتے کہ ان کے ہاتھوں تو اپنے نہ بچ سکے، یہ کیسے مسلمان ہیں کہ ان کے ہاتھوں مسلمان قتل ہو گئے۔ یہ کیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اپنے ماننے والوں کو بھی قتل کر دیا! اللہ کریم نے صحابہ کرامؓ کو اس سے بچانے کا اہتمام کر دیا چنانچہ علما کا ارشاد ہے کہ معصوم صرف نبیؑ ہوتا ہے مگر صحابہ کرامؓ محفوظ ہیں کہ ان کے گناہ سے بچنے کے غائبانہ اسباب پیدا کر دیے جاتے ہیں۔

فرمایا: لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا

اَلِيۡمًا۞ (مگر تاخیر اس لیے ہوئی) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہیں داخل فرمالیں۔ اگر (دونوں فریق) الگ الگ ہوجاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک سزا دیتے۔ آج ہم سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس زیادہ دولت ہے یا بڑا عہدہ ہے اس پر اللہ کی بہت رحمت ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ اللہ کریم سے تعلق کا استوار ہونا اور اطاعتِ الٰہی کی توفیق ارزاں ہونا رحمتِ الٰہی ہے۔ اطاعت کا صلہ جنت اور رضائے الٰہی ہے۔ فرمایا، اگر مشرکین یا اہلِ مکہ اُن غریب مسلمانوں کو خود سے الگ کردیتے یا شہر سے نکال دیتے تو پھر کافروں پر ایسا عذاب آتا جو تاریخ کا حصہ بن جاتا عَذَابًا اَلِيۡمًا۞ ان پر بہت دردناک عذاب نازل ہوتا اس لیے کہ ان کے دل تباہ شدہ ہیں۔

فرمایا: اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ ۔۔۔ جب ان کافروں نے اپنے دل میں ضد کو جگہ دی (اور) ضد بھی جاہلیت کی۔ ان کافروں کے دل برباد ہوچکے ہیں اور اُن کی حمیّت بھی عہدِ جاہلیت کی ہے۔

حمیّت اس احساس کو کہتے ہیں جو ہر بندے کے دل میں ہوتا ہے میں بھی کچھ ہوں۔ میری بھی کوئی عزت ہے، میری بات اور عمل کی بھی اہمیت ہے، اسے حمیّت کہتے ہیں۔ اسلامی حمیّت تو یہ ہے کہ اللہ نے جو عظمت انسان کو دی ہے اس کو قائم رکھے کہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکے۔ اپنی آبرو اور ذات کی حفاظت کرے اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے دستِ طمع دراز نہ کرے۔ اللہ کے سوا کسی سے امیدیں وابستہ نہ کرے تو یہ حمیّتِ اسلامی ہے لیکن یہ چونکہ کافر ہیں تو ان کی سوچیں یعنی حمیّت بھی زمانہ جاہلیت کی ہے۔ انہیں بتوں سے امیدیں ہیں۔ شیطان اور عملیات کرنے والوں سے، راہبوں اور پیشواؤں سے امیدیں ہیں جبکہ یہ اللہ سے دور ہیں۔ ان کی ذلت اور شکست کا ایک یہی سبب کافی ہے کہ یہ عہدِ جاہلیت کی حمیّت لیے پھرتے ہیں۔

جماعتِ صحابہؓ کا مقام:

حدیبیہ میں ہی دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھاما ہے اور خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ ایک ہی میدان ہے، ایک ہی ماحول اور فضا ہے لیکن دو قومیں ہیں۔ ایک طرف کفار ہیں جن کی امیدیں بتوں سے وابستہ ہیں اور اُن کا کردار گھناؤنا ہے کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خادمان، جاں نثار صحابہ کرامؓ کو دین پر عمل سے روک رہے ہیں۔ ایک ہی میدان میں دو طرح کی چیزیں نازل ہو رہی ہیں، کافروں پر غضبِ الٰہی نازل ہو رہا ہے تو دوسری طرف فرمایا: فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔۔۔ تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور ایمان والوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ یہ

تسکین کیا ہوتی ہے؟ تسکین، سکون ایک کیفیت ہے۔ کیفیات سمجھی اور محسوس کی جا سکتی ہیں لیکن لکھی نہیں جا سکتیں۔ سکینہ ایک ایسی کیفیت ہے کہ جب دل واصل باللہ ہو جاتا ہے، تو رحمتِ الٰہی اُسے گھیر لیتی ہے اور دنیا و آخرت کا ہر سکون اُسے نصیب ہو جاتا ہے، دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خادمانِ رسالت، صحابہ کرامؓ کی جماعت پر سکینہ نازل فرمایا جا رہا ہے اور ہر ایک کے دل میں وہ تسکین واطمینان لہریں لے رہا ہے، رحمتِ الٰہی کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں جس سے، فرمایا: وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ۔۔۔ ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔ اُنہیں توفیق دی کہ وہ سچ پر قائم رہیں نیکی اور تقویٰ پر جم جائیں۔ اُن کے تقویٰ میں لغزش نہ آئے، کوئی تزلزل نہ آنے پائے اور اُن کے پائے ثبات لرزنے نہ پائیں۔ یہ مہربانی اُن پر اس لیے کی گئی، فرمایا: وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۔۔۔ اور وہ اُسی کے مستحق اور اہل تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ مہربانیاں زبردستی نہیں ٹھونسی جاتیں ان کا نزول بندے کی اہلیت پر ہے کہ وہ میری بارگاہ سے کیا لینا چاہتا ہے۔ مشرکینِ مکہ بھی میری مخلوق ہیں، بنی آدم علیہ السلام ہیں لیکن انہوں نے جاہلیت کی حمیّت کا انتخاب کیا لہٰذا ان پر میرا غضب مرتب ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ اُن کا انتخاب غلط ہے۔ یہ جو جماعت صحابہؓ ہیں، انہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھاما ہے ان کا انتخاب صحیح ہے، ان پر آسمان سے سکون نازل ہو رہا ہے۔ ان پر یہ مہربانی اس لیے ہوئی کہ یہ اس کے مستحق تھے اور ان کی اہلیت تھی۔ انہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کی جس پر یہ انعام پایا۔ فرمایا، یہ اہلیت تو ہر انسان میں رکھی تھی لیکن مشرکین نے اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ جاہلیت کو منتخب کیا جبکہ ان لوگوں نے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھاما۔ یہ نعمتیں اہلیت پر ملتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ اس کے مستحق ہی نہیں بلکہ اَحَقَّ ۔۔۔ بہت زیادہ مستحق تھے وَاَهْلَهَا ۔۔۔ اُنؓ میں اہلیت تھی۔

یہ اہلیت کیا ہے؟ اُنؓ میں کیا اہلیت تھی؟ اُنؓ کی اہلیت یہ تھی کہ انہوں نے جان، و مال، آبرو، اولاد، گھر وطن ہر چیز پر اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم رکھا، فوقیت دی۔ انہوں نے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھاما اور ہر چیز قربان کر دی۔ اُن کے بھی گھر تھے، اولادیں تھیں زمینداری اور کاروبار کی ساری مصروفیات تھیں لیکن اُن کے لیے سب سے اوّل اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی، باقی ہر چیز اُس کے تابع تھی۔ اُن کے کاروبار، اُن کے گھر بار اُنہیں اللہ کی عبادت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کبھی حائل نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے یہ لوگ اللہ کی مہربانی کے مستحق اور اہل تھے اور فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اللہ کریم ذاتی طور پر ہر بات کو جانتے ہیں ہر چیز اُن کے علم میں ہے وہاں کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں کہ

کوئی بتائے کہ اس کی یہ اہلیت ہے۔ اللہ کریم اپنے علم سے سب کو جانتے ہیں۔ گویا یہ قانون بنا دیا ہے کہ جہاں بھی جس میں اہلیت ہوگی اُسے سکون واطمینان اور رحمتِ الٰہی سے نوازا جائے گا اور جو بھی جاہلیت کی رسومات اختیار کرے گا اُس پر مصیبتیں آئیں گی۔ ذلت ورسوائی اُس کا مقدر بن جائے گی۔ آج من حیث القوم ساری دنیا کے مسلمان سکون کے طالب ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے دامن کافروں کا تھام رکھا ہے اور سکون اللہ سے مانگ رہے ہیں! ہمارے حلیے کافروں جیسے ہیں، معاشی سیاسی اور عدالتی نظام غیر اسلامی ہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی غیر اسلامی ہے بس نام کے مسلمان ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ نعمتیں نام پر نہیں بلکہ اہلیت پر عطا کی جاتی ہیں اور اہلیت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کو دنیا کے ہر رشتے پر فوقیت دی جائے۔

تصوف وسلوک میں بھی یہ شرط ہے کہ جس سے بیعت کی جائے وہ اس کا اہل ہو، بیعت کے لیے سنت یہ ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے۔ یہ ظاہری صورت ہے جبکہ حقیقت بیعت یہ ہے کہ آپ کا دل شیخ کے ساتھ ہو آپ دل سے مطمئن ہوں اور برکات حاصل کر رہے ہوں۔ اگر کوئی ظاہراً بیعت نہ بھی کر سکے لیکن اس کا قلبی تعلق شیخ کے ساتھ ہے تو اُس کی حقیقتاً بیعت ہے اور اُسے وہی برکات نصیب ہوں گی۔ جیسے آج ہر کلمہ گو ہر مسلمان کو برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ رہی ہیں۔ ہم خود تو وہاں نہیں لیکن ہمارا دل بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے تو برکات پہنچتی ہیں۔ یہ سجدے، تقویٰ، حلال حرام کی تمیز یہ سب کہاں سے آ رہی ہیں۔

سورۃ الفتح رکوع 4 آیات 27 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ
تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ
وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا خواب دکھایا جو حق کے مطابق ہے کہ ان شاء اللہ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے امن وامان کے ساتھ کوئی اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کوئی بال کتراتے ہوئے تم کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا سوا سے (اللہ کو) وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، سو اس نے اس کے علاوہ بھی پہلے ایک فتح دے دی ﴿۲۷﴾ وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ گواہ کافی ہے ﴿۲۸﴾ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور

آپس میں مہربان ہیں (اے مخاطب)! تُو ان کو دیکھے گا (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں (اور) ان کے آثار ان کے سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پہ نمایاں ہیں ان کے یہ اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ایسے ہے جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ اس سے کافروں کا جی جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے (گناہوں کی) بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے ﴿۲۹﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا خواب دکھایا جو حق کے مطابق ہے کہ ان شاء اللہ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے امن وامان کے ساتھ۔ کوئی اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کوئی بال کتراتے ہوئے، تم کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ سواسے (اللہ کو) وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، سواس کے علاوہ بھی پہلے ایک فتح دے دی۔

فرمایا، اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو خواب دکھایا وہ حق ہے اور سچا ہے اور یہاں بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی: اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔ یعنی اللہ کو منظور ہوا تو ضرور ایسا ہوگا۔ یہ واقعہ عرض کیا جا چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم، صحابہ کرامؓ کے ہمراہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور بہت پُرامن طریقے سے عمرہ ادا کرنے کے بعد سر منڈوائے گئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور کم وبیش چودہ سو صحابہ کرامؓ عمرے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ اہلِ مکہ نے حدیبیہ میں روکا تو مسلمانوں نے وہیں سر منڈوا کر احرام کھول دیے اور وہیں قربانیاں کردیں چنانچہ اُس سال تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ مسجدِ حرام نہ جاسکے لیکن اگلے سال 7ھ میں عمرہ نصیب ہوا اور 8ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ تب سے لے کر اب تک تمام عالمِ اسلام میں سے وہاں امن ہے۔ ہر مسلمان طواف کرتا ہے سر منڈواتا ہے یا بال ترشواتا ہے، عمرہ کرتا ہے، حج کرتا ہے۔ اللہ کریم قادرِ مطلق ہیں اور جو

چاہیں، جب چاہیں کر سکتے ہیں لیکن یہاں خود اللہ کریم نے جب آئیندہ کی خبر دی تو ساتھ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ارشاد فرمایا یعنی ''اگر اللہ نے چاہا''۔ اس سے مراد اُمتِ مسلمہ کو تعلیم تھی کہ کوئی مسلمان جب بھی آئیندہ کے حوالے سے بات کرے تو ساتھ یہ انشائیہ کلمہ ضرور لگائے، ان شآء اللہ ضرور کہے کہ اللہ نے چاہا تو ایسا ہوگا اور پھر اُسے پورا کرنے کی بھرپور سعی کرنی چاہیے۔ ہمارے ہاں ایک یہ بھی رواج ہوگیا ہے، جس میں عام آدمی کا قصور نہیں ہے بلکہ مذہبی پیشوا حضرات نے اختراع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے یہ کہے کہ میں تمہارا یہ کام کل ضرور کر دوں گا تو یہ پکا وعدہ ہوگیا لہٰذا اُسے کرنا پڑے گا لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ان شآء اللہ لگا دے تو پورا کرے یا نہ کرے خیر ہے۔ یہ مفہوم لینا کُلی طور پر غلط ہے بلکہ جہاں بھی ان شآء اللہ کہا جائے وہاں پوری کوشش کی جائے کہ وہ وعدہ پورا کرے۔ اگر کوئی اپنی کوشش میں کوتاہی کرے گا تو اللہ کے نزدیک دوبار ماخوذ ہوگا۔ ایک تو اُس نے وعدہ پورا کرنے میں کوتاہی کی دوسرا اُس نے اللہ کے نام کا سہارا لے کر اُسے کوتاہی کا بہانہ بنایا۔ یہ دوگنا جرم بن جائے گا۔ چنانچہ جب بھی آپ کسی جائز کام کو کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان شآء اللہ میں یہ کام کروں گا تو پھر اُس کے لیے اپنی پوری کوشش کریں۔ اگر پھر بھی نہ ہو سکا تو اللہ مالک ہیں معاف کرنے والے ہیں۔ مگر یہ رجحان کہ جملہ انشائیہ کہہ کر یہ سمجھنا کہ یہ پورا بھی نہ ہوا تو خیر ہے۔ یہ خیر نہیں ہے بلکہ دوگنا گناہ ہے۔ یاد رہے جس کام کے وعدے پر اللہ کو ضامن بناتے ہیں اس کام کا جائز ہونا ضروری ہے کہ ناجائز کام پر وعدہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ یہاں حق سبحانہٗ تعالیٰ جل شانہٗ نے خود جملہ انشائیہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان شآء اللہ ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہوگے اور یوں اگلے سال مسلمان عمرے کے لیے گئے آرام وسکون سے طواف اور سعی کی، سر منڈوائے، قربانیاں کیں اور احرام کھولے۔

نبیؑ کا خواب وحیٔ الٰہی ہے:

حدیبیہ میں بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خواب دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خواب تو وحیٔ الٰہی ہے تو پھر بھی ہم مکہ مکرمہ نہیں پہنچ رہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں نہیں دیکھا کہ ہم اسی سال جائیں گے۔ میرا خواب وحی ہے اور ہم ضرور جائیں گے لیکن اس میں وقت کی تعیین نہیں تھی۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ اسی سال پورا ہوگا۔ سو نبیؑ کا خواب وحیٔ الٰہی ہوتا ہے جس میں تقدیم وتاخیر بھی اللہ کی مرضی سے ہوتی ہے۔ اللہ کریم چاہیں تو وقت بتا دیں اور چاہیں تو نہ بتائیں تو پھر ایک ولی اللہ کے کشف کا کیا اعتبار ہے کہ اس نے یہ دیکھا ہے اور ابھی ہو جائے گا!

ولی کا کشف:

ولی کا کشف تین باتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور نبیؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کے تابع ہو کیونکہ ولی کو کشف سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ لہٰذا ولی کے کشف کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت کے تابع ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبیؐ کا کشف پوری امت کے لیے حجت ہوتا ہے جبکہ ولی کا کشف صرف اُس کی اپنی ذات کے لیے دلیل ہوتا ہے۔ اگر ولی کشف میں دیکھتا ہے کہ کسی کام میں اُسے فائدہ یا ثواب نصیب ہو رہا ہے تو وہ اس کی اپنی ذات کے لیے حجت ہے اور وہ بھی صرف اتنا ہے کہ عمل کرے گا تو دنیوی نقصان سے بچ جائے گا۔ اگر اپنے کشف پر عمل نہیں کرے گا تو ہو سکتا ہے دنیوی نقصان ہو جائے لیکن شرعاً یہ گناہ نہیں ہے۔ کشف پر عمل ضروری نہیں ہے۔ اگر ولی کو اپنے کشف کے خلاف بھی کام کرنا پڑے تو شرعاً گناہ نہیں ہے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی دوسرے کے کشف پر اعتماد کر لے اور اُسے اپنے لیے حجت سمجھ کر اپنائے تو گویا اُس نے اُسے نبیؐ مان لیا چونکہ یہ صرف نبیؐ کی شان ہے کہ اُس کا کشف پوری امت کے لیے حجت اور دلیل ہے۔

یہ باتیں اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہییں ورنہ اس میں ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

دنیا عالمِ اسباب ہے:

رہی یہ بات کہ اس سال مسلمان کیوں نہ مکہ مکرمہ پہنچ سکے، فرمایا: فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾ سواسے (اللہ کو) وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، سو اس نے اس کے علاوہ بھی پہلے ایک فتح دے دی۔ دراصل یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور وہ قادرِ مطلق اسباب سے نتائج پیدا فرماتا ہے، فرمایا۔ عنقریب مکہ بھی ضرور فتح ہو جائے گا۔ مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں پُرامن داخل ہونا بھی فتحِ مکہ کی نوید ہے لیکن اللہ کریم چاہتے ہیں کہ دنیوی اسباب کو اختیار کیا جائے اور پہلے خیبر فتح ہو جائے۔ خیبر ہر اعتبار سے کفار کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ معاشی طور پر کفار کو جتنی مدد چاہیے ہوتی وہ خیبر کے یہود ہی مہیا کرتے، اسلحہ اور فوجی طاقت بھی فراہم کرتے اور دیگر قبائل میں بھی کفار کے حق میں پراپیگنڈہ کرتے۔ اللہ کریم نے چاہا کہ پہلے خیبر فتح ہو جائے جس کے دو تین مثبت نتیجے نکلیں گے۔

پہلی بات تو یہ کہ بہت زرخیز زمین مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی جو ریاستِ اسلامی کے لیے اور آمدن کا ذریعہ بن جائے گا۔ ایک بہت بڑی دشمن قوت نابود ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو وافر اسلحہ اور مالِ غنیمت ہاتھ آ جائے گا۔ مدینہ منورہ میں جو نوزائیدہ اسلامی ریاست بن رہی ہے وہ مالی طور پر بھی مضبوط ہو جائے گی اور اس کے دفاع کے لیے

اسلحہ بھی وافر مقدار میں حاصل ہوگا۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ریاستِ مدینہ کے خلاف سازشیں کرنے والے بھی نابود ہوجائیں گے۔ اُس کے دشمنوں کو اکسانے اور ان کی مدد کرنے والے ختم ہوجائیں گے۔ پھر خیبر کی شکست سے کفار میں بہت مایوسی پیدا ہوگی کیونکہ وہ یہود اور بالخصوص خیبر کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ خیبر میں بہت ہی مضبوط قلعے تھے اور بڑی جری فوج تھی تو جب انہیں شکست ہوگی تو کفارِ مکہ کے حوصلے پست ہوجائیں گے، اُن کی مالی معاونت، پشت پناہی اور اسلحہ کی فراہمی بھی منقطع ہوجائے گی جس کے نتیجے میں ذہنی اور قلبی طور پر بھی وہ شکست خوردہ ہوجائیں گے۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ 8 ھ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور مومنین مکہ مکہ تشریف لے گئے تو بغیر لڑائی کے مکہ فتح ہوگیا۔ یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے اہلِ مکہ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔ فرمایا، جو کچھ اللہ کریم جانتے ہیں انسان نہیں جانتا۔ ہماری بہتری انہی حالات میں ہے جو اللہ ہمارے لیے پیدا کرتے ہیں کیونکہ وہ بہتر جاننے والے ہیں۔

عظمتِ الٰہی کی جامع دلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

اللہ کریم اپنی عظمت وجلالت، اپنی قدرتِ کاملہ، اپنی شان، اپنا علم اور صفاتِ عالیہ بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ وہ عظیم بے مثال و بے مثل ہستی ہے جس نے، فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور اللہ گواہ کافی ہے۔

فرمایا، اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا یعنی اُس عظیم بے مثل ویکتا ہستی کی عظمت کی ایک ہی جامع دلیل ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! کائنات میں کوئی دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا وسیع النظر ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی حق کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی دوسرا عالم ہے، نہ محقق ہے، نہ مقرر ہے گویا سارے دلائل کی جامع دلیل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اللہ وہ ہیں جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت وراہنمائی کے ساتھ بھیجا۔ ھُدٰی کہتے ہیں ہر کام کو کرنے کا صحیح ترین طریقہ اور یاد رہے کہ صحیح طریقہ سب سے آسان بھی ہوتا ہے۔ اسلام ھُدٰی ہے۔ اسلام زندگی کو آسان کردیتا ہے اس لیے کہ یہ زندگی کے ہر کام کو کرنے کا صحیح طریقہ ارشاد فرماتا ہے۔

یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ اسلام پر چلنا مشکل ہے یہ بہت غلط جملہ ہے سچ تو یہ ہے کہ خلافِ اسلام چلنا بہت مشکل ہے کیونکہ زندگی مشکل ہوجاتی ہے۔ جرم کرنا، گناہ کرنا کوئی آسان نہیں ہے اسلام تو زندگی کو سہل ترین کردیتا ہے اس لیے کہ اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ھُدٰی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ یہاں ایک پہلو اور واضح ہو

رہا ہے کہ اللہ کو ویسا ماننا ضروری ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ اگر کوئی ویسا نہیں مانتا تو اُس کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ کفار بھی کسی نہ کسی صورت میں اللہ کو مانتے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ موجود ہے کہ پہلی قوموں کے پاس جب انبیاؑ آئے تو کفار کہتے کہ یہ نبی تو اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ کفار بھی اللہ کا تصور رکھتے تھے۔ دراصل اللہ کو ماننا عقلِ انسانی کی مجبوری ہے کہ بالآخر اُسے ایک ایسی ہستی ماننی پڑتی ہے۔ یہ ماننا کافی نہیں ہے۔ اللہ کو ویسا مانا جائے جیسا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ماننے کا حکم دیتے ہیں۔ فقہا لکھتے ہیں کہ بچے کو جب اللہ کا تصور دیا جائے تو اُسے سمجھایا جائے کہ میں اُس اللہ کو مانتا ہوں جس کو ماننے کا حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم دیتے ہیں جو حضرت عبداللہ کے بیٹے ہیں، مکہ میں پیدا ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ جیسا وہ منواتے ہیں اللہ کو ویسا مانتا ہوں۔ فرمایا، میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا:

وَدِيْنِ الْحَقِّ ۔۔۔اور دینِ حق کے ساتھ۔

دین اور مذہب کا فرق:

دین اور مذہب میں بہت فرق ہے۔ مذہب کا مطلب ہے راستہ، رویہ، راستے پر چلنے کا ایک طریقہ، زندگی گزارنے کا ایک راستہ جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔ مذہب کا لفظ مذاہبِ باطلہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

دین کا مطلب ہے وہ ایک طریقہ جس کو ایمان ویقین کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے اختیار کیا جائے اور جو اللہ کی رضا پانے کا سبب ہو۔ جو رویّہ مرضیاتِ باری کے خلاف ہو وہ دین نہیں ہے۔

دینِ حق ہمیشہ غالب رہے گا:

لوگوں نے اپنی طرف سے دین بنا رکھے ہیں جسے وہ اللہ کی رضا پانے کا طریقہ سمجھتے ہیں جیسے عیسائی اور یہودی آج بھی اپنے مذہب کو خدائی مذہب سمجھتے ہیں حالانکہ انہوں نے کتابوں کو بدل دیا عقائد کو مسخ کر دیا۔ عیسائی اور یہودی اُس میں اللہ کے بیٹے کا تصور لے آئے تو وہ دین حق نہ رہا، باطل ہوگیا۔ لیکن اگر وہ صحیح حالت میں بھی رہتا تو بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم پر وہ منسوخ ہوگیا۔ فرمایا، اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت اور دینِ حق عطا کر کے اس لیے مبعوث فرمایا کہ :لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔۔۔ دنیا کے تمام طریقوں پر اُسے غالب کر دیا جائے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو دین حق کو اور اس ہدایت کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ تمام مذاہبِ باطلہ ادیانِ باطلہ پر غالب آئے۔ یاد رہے کہ غلبہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے دلائل سے یعنی دلیل

کے میدان میں کون سچا ہے، کون غالب ہے تو وہ غلبہ روزِ اوّل سے قیامت تک اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام کے مقابل کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لیے کہ صرف اسلام حق ہے اور بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا فلسفہ ءحیات ہے جو سراسر حق ہے، جس میں کسی باطل کا گزر نہیں۔ باقی جتنے فلسفے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ حق و باطل کا ملغوبہ ہیں اور جہاں حق میں باطل کی آمیزش ہو جائے تو وہ حق نہیں رہتا۔ پانی کے ایک مٹکے میں اگر چند قطرے زہر ملا دیے جائیں تو وہ سارا زہر ہو جاتا ہے۔ اگر سارا حق ہو لیکن اس میں ایک باطل عقیدہ ٹھونس دو تو سارا باطل ہو جاتا ہے۔ ایک بہت بڑے پانی کے حوض میں اگر غلاظت پھینک دی جائے اگرچہ تھوڑی ہو لیکن پانی کا ذائقہ رنگ یا بُو متغیر کر دے تو سارا حوض ناپاک ہو جائے گا۔ باطل تھوڑا بھی شامل ہو جائے تو حق نہیں رہتا۔ حق وہ ہے جس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ ہر چیز پر وہ غالب رہتا ہے۔ دلائل کے میدان میں اسلام اپنے ظہور سے لے کر قیامت تک غالب ہے۔ غلبے کا دوسرا پہلو ہے مادّی اور ظاہری، غلبہ اُس کا انحصار ہے مسلمانوں پر۔ وہ گنتی کے افراد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادم تھے جب اُن کی فتوحات کا ذکر آتا ہے تو قرآنِ کریم اُن کے ایمان اور خلوصِ قلبی کا ذکر کرتا ہے۔ اُن کے خلوص کی وجہ سے اُن پر آسمان سے سکینہ اور تسلی نازل ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جاؤ میرے ان بندوں کے جگہ جا کر لڑو۔

آج ہر طرف مسلمان مغلوب نظر آتے ہیں۔ اس لیے کہ مسلمان خود بدل گئے ہیں۔ مسلمانوں نے عملی زندگی میں کافرانہ نظام اور رواج اپنا لیے ہیں۔ نظامِ معیشت اور نظامِ عدالت بھی غیر اسلامی ہے، نظامِ شہادت بھی غیر اسلامی ہے۔ یہاں ایسا نظام ہے کہ ایک غیر مسلم تو عدالت عظمیٰ کا جج بن سکتا ہے لیکن ایک مسلمان وکیل صرف اس بات پر منتخب نہیں ہوا کہ وہ حافظِ قرآن تھا۔ اگر یہ عدالتی نظام ہے تو پھر یہ کون سا اسلام ہے! یہاں عدالتوں میں طریقہ ءکار، طریقِ شہادت غیر اسلامی ہے۔ ایسا غلط نظام ہے جہاں اپنا حق ثابت کرنے کے لیے بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ ایک انگریز کا قول ہے کہ برصغیر کی عدالتوں میں سارا دن جھوٹ بولا اور لکھا جاتا ہے۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ انگیز کا ہی بنایا ہوا نظام تھا جس کی بنیاد افسوس کہ آج تک ہم نے وہی نظام اپنا رکھا ہے تو پھر ہم کیسے غالب آئیں گے؟ آج اسلام کا ظاہری غلبہ نہ ہونے کا سبب ہم ہیں، مسلمان ہیں۔ ہم دین پر کاربند ہی نہیں ہیں۔ ہم دین کو اپناتے بھی نہیں۔ یہاں لوگ ساری عمر کلمہ نہیں پڑھتے، حیات بعد الموت کا انکار کرتے ہیں لیکن جب مرتے ہیں تو 'شہید' قرار دیے جاتے ہیں۔ کوئی قوم کا سرمایہ لوٹتا ہوا مارا جائے، قوم کے افراد کا قاتل ہو، جب قتل ہو جائے تو کہتے ہیں شہید ہو گیا۔ ملک و قوم کے لیے قربانی دے گیا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے ہم مرنے کے بعد بہت اپناتے ہیں اسلام کو۔ مرنے والے کے لیے قرآن کے ختم پڑھاتے ہیں۔ یہ زندوں کی کتاب تھی، ایمان سے لے کر عمل تک کی

راہنمائی کرتی ہے لیکن زندگی میں قرآن کو ہاتھ نہیں لگاتے جب کوئی مرجائے تو خود نہیں پڑھتے لوگوں کو بلاتے ہیں کہ پڑھ کر ہمارے باپ کو جنت پہنچادو۔

فرمایا، اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس شان سے بھیجا کہ وہ تمام باطل ادیان پر ہمیشہ غالب رہے۔ فرمایا: وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

اللہ اس پر گواہ، کافی ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے کہ جس کام کا ہونا یقینی ہو اُسے ماضی یا حال میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کام ہوا اگرچہ وہ ہوتا بعد میں ہے۔ اس کا ہونا اتنا یقینی ہوتا ہے کہ اسے ماضی میں بیان کردیا جاتا ہے کہ یہ ہو چکا۔

یہی غلبہء اسلام کی بات ہے نزولِ آیات کے وقت تو اسلام کا غلبہ نہیں تھا بلکہ بہت سے مسائل درپیش تھے۔ مدینہ منورہ میں ابھی اسلامی ریاست تشکیل پارہی تھی جس کے چاروں طرف دشمن تھے۔ کفارِ مکہ، عرب قبائل اور بین الاقوامی سطح پر اس عہد کی دو بڑی طاقتیں، قیصرِ روم اور کسریٰ ایران دونوں اسلام کے خلاف تھیں۔ آج کی اصطلاح میں یہ SUPER POWERS تھیں اور یہ اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ بالآخر دونوں سپر پاورز کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا دونوں کو شکست ہوئی اور وہ بڑی بڑی سلطنتیں اسلامی ریاست میں ضم ہوئیں۔ یہ واقعات آئیندہ پیش آنے والے تھے لیکن اللہ کریم فرمارہے ہیں، فرمایا: وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ اس پر اللہ گواہ کافی ہے۔

گواہی تو واقعہ ہوجانے پر ہوتی ہے، کہا جاتا ہے اس پر میں گواہ ہوں یا یہ میرے سامنے ہوا ہے اس پر میری شہادت ہے۔ ان سب باتوں کا ہونا اس قدر یقینی تھا کہ اللہ نے اس پر اپنی شہادت فرمائی۔ اسی طرح غلبہء اسلام کا ہونا ہمیشہ کے لیے یقینی ہے۔ آج ہمیں شکوہ ہے کہ ہم مغلوب ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کا دامن چھوڑ چکے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں دعویٰ تو اسلام کا ہے لیکن اس پر ہمارا یقین نہیں ہے جبکہ عمل سے تو ہم بالکل ہی بیگانہ ہو چکے ہیں۔ غلبہء اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہمارا کردار ہے۔ اگر آج بھی مسلمانانِ عالم اپنی اصلاح کرلیں تو اسلام کا مادّی غلبہ یقینی ہے جبکہ دلائل سے اسلام ہمیشہ غالب ہے۔ اس پر اللہ کی گواہی ہے کہ اسلام غالب رہے گا اور اس کے غالب نہ ہونے کی ذمہ داری آج کے مسلمان پر ہے جو میدانِ حشر جوابدہ ہوگا۔

کمالاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم:

پچھلی آیہء مبارکہ میں یہ ارشاد ہوا کہ اللہ کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ، غلبہء اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا، اب اس آیہء مبارکہ میں متعین ہوگیا ہے کہ وہ عظیم ہستی، وہ رسول، وہ

محبوبِ باری کون ہے؟ فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ہستی ہیں جن کی رسالت پر اللہ کریم گواہ ہیں۔ وہ کون سی ہستی ہے جو دینِ حق لائی ہے اور جس کا دین ہمیشہ غالب ہوگا؟ وہ ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ۔ اُن کی رسالت کا کمال کیا ہے؟

کائنات میں سورج، سارے ستاروں سیاروں میں سب سے زیادہ روشن، سب سے زیادہ حرارت بخش اور حیات آفرین ہے۔ اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:46) فرمایا ہے یعنی ایسا چراغ جو سورج کی طرح دوسرے چراغوں کو، دوسرے جہانوں کی روشنی بخشتا ہے۔ روشنیاں بانٹنے والا چراغ ہیں۔ کسی عرب شاعر نے کہا تھا:

افلت شموس الاولین و شموسنا
ابداً علی الافق العلی لاتغرب

پہلی امتوں کے سورج طلوع ہوئے۔ ہر نبیؑ ہی آفتابِ ہدایت تھا اور انہوں نے سورج کی طرح ہدایت اور انوارات بانٹے لیکن وہ اپنے زمانے کے لیے تھے۔ پہلوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ کے لیے اُفقِ الاعلیٰ پر ہیں۔ انہوں نے کبھی غروب نہیں ہونا۔

ہم سورج کو اس کی افادیت سے پہچانتے ہیں، کائنات کو روشنی اور حرارت بخشتا ہے بخارات اور بادل بنتے ہیں جب برستے ہیں تو روئیدگی ہوتی ہے۔ فصلیں پکتی ہیں، پھل لگتے ہیں یعنی پورا نظام سورج سے مستفید ہوتا ہے اور اُس کے طفیل چلتا ہے۔ اسی طرح فرمایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں۔

معیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کرشمے:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۔۔۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے وابستہ ہو گئے جو ساتھ ہیں۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت نصیب ہے۔ صحبت میں، معیت میں سرفہرست صحابہ کرامؓ ہیں۔ انہوںؓ نے معیتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم سے کیا پایا؟ فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور جامع بات ارشاد فرمائی۔ چند لفظوں میں اتنی عظیم حقیقت بیان کر دی جس کے لیے بے شمار دفتر چاہییں۔ ہر انسان میں دو قوتیں ایسی ہیں جو اُس کی باقی تمام قوتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ یہ ہیں قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ۔ یہ دو خصلتیں انسان کے باقی مزاج پر غالب آ جاتی ہیں۔ قوتِ غضبیہ جب غالب آتی ہے، جب غصہ آتا ہے تو اچھے بھلے بندے کی عقل اور شعور

کام نہیں کرتا اور بھائی بھائی کو قتل کر دیتا ہے، بیٹا باپ کو گولی مار دیتا ہے۔ جب وہ کیفیت جاتی رہتی ہے تو افسوس ہوتا ہے۔ خواہ دشمن کو بھی قتل کیا ہو تو اُس پر پریشانی ہوتی ہے، ندامت بھی ہوتی ہے لیکن وہ ہو چکا ہوتا ہے۔ انسان قوتِ غضبیہ سے مغلوب ہو کر بے اختیاری میں بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ اسی طرح قوتِ شہوانیہ مفادات کے حصول کا لالچ ہے، حصولِ لذت کی قوت ہے جب یہ غالب آجائے تو لوگ جانیں تک قربان کر جاتے ہیں کہ مجھے یہاں سے یہ فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ اس کی بہترین مثال دنیا کے سیاسی نظاموں میں ملتی ہیں۔ اقتدار کے لالچ میں لوگوں نے نہ صرف جانیں گنوائیں، اُن کے خاندان اور نسلیں اسی میں کھپ گئے لیکن وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ یہ قوتِ شہوانیہ تھی کہ اقتدار مل جانے کا لالچ تھا صدارت ملنے کی امید تھی یا وزارت ملنے کی توقع تھی۔ یہ دو قوتیں آدمی کو جنون میں مبتلا کر دیتی ہیں اور وہ دیوانہ وار اُس کام کے پیچھے لگ جاتا ہے جب وہ جوش اترتا ہے تو پھر نفع نقصان کی سمجھ آتی ہے۔

تاریخ میں ہم جن انقلاباتِ زمانہ کے احوال پڑھتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ خواہ وہ چین کا انقلاب تھا یا جرمنی کا تمام انقلابی راہنماؤں نے عوام کی ان دو قوتوں کو استعمال کیا۔ قوتِ غضبیہ کو بھڑکایا کہ تمہارے حقوق پامال ہو رہے ہیں، تم کیوں مقابلے میں کھڑے نہیں ہوتے؟ تم انہیں مار دو، تباہ کر دو ان سے بادشاہت چھین لو! پھر قوتِ شہوانیہ کو ہوا دی کہ یہ مر جائیں گے تو اقتدار تمہیں مل جائے گا، خزانوں کے مالک بن جاؤ گے۔ ان میں مبتلا ہو کر لوگوں نے اُن راہنماؤں کا ساتھ دیا اور انقلاب بپا ہوئے لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ جب وہ نشہ اترا تو اندازہ ہوا کہ کتنی تباہی ہوئی۔ آج اُن ممالک میں اُن راہنماؤں کا کوئی نام تک لینا پسند نہیں کرتا۔ قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ کے جوش میں تو لوگ جانیں دیتے رہے لیکن وہ وقتی جوش ہوتا ہے۔ جب یہ اتر جاتا ہے تو پھر ہوش آتی ہے، ادراک ہوتا ہے کہ یہ ہم سے کیا کرایا گیا اور ہمیں اس کا کتنا نقصان ہوا ہے؟ فرمایا، میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ کو استعمال کر کے انقلاب نہیں لا رہے بلکہ جنہیں معیتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے وہ اپنی قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ پر غالب ہیں۔ یہ دونوں قوتیں اُن کے تابع ہیں۔ فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ۔۔۔ وہ اپنی قوتِ غضبیہ کو کفر کے مقابلے میں استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ برائی، کفر و بے دینی، اللہ کی نافرمانی کے خلاف آتا ہے۔ دشمن کے لیے، کفر کے لیے وہ ایک آہنی چٹان ہیں اور فرمایا: رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ آپس میں مہربان ہیں۔ جب دین کی، دین داروں کی بات آتی ہے تو سراپا محبت بن جاتے ہیں۔ گویا یہ دونوں قوتیں صحابہ کرامؓ کے تابع کر دی گئیں۔ اسلام مسلمانوں کو قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ پر غالب کر دیتا ہے۔ انہیں یہ شعور نصیب ہو جاتا ہے کہ غصے کا استعمال کہاں کرنا ہے اور محبت کہاں کرنی ہے۔ یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ میدانِ جنگ میں مسلمان مجاہد نے تلوار اُٹھائی ہے دشمن کا سر قلم کرنے کو ہے اور اُس کافر نے کلمہ پڑھ لیا تو تلوار پھینک کر اُسے سینے سے لگا لیا۔ پہلے دل

میں غضب تھا لیکن جب اُس نے کہہ دیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو دل میں محبت عود کر آئی۔ یہ کمال ہے معیتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جس نے صحابہ کرامؓ کو دونوں قوتوں پر غالب کر دیا۔ گویا یہ کمالِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم ہے، کمالِ نبوت ہے، معیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کا کمال ہے۔ آج بھی جسے معیتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہوگی اُس میں یہ خصائل ہوں گے۔ آج مسلمانوں کا دعویٰ تو ہے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑی محبت ہے۔ ہماری محبت کیا ہے؟ آپ نعتیں پڑھیں تو سمجھ آتی ہے تو اُس میں کچھ مانگا ہی جا رہا ہوتا ہے۔ ہم نماز و ظیفے بھی اس لیے پڑھتے ہیں یہ کام ہو جائے ہماری دعائیں بھی ساری دنیوی فوائد طلب کرنے کی ہوتی ہیں۔ یہ محبت تو نہیں ہے۔ یہ تو قوتِ شہوانیہ کی شاخیں ہیں۔ محبت تو کچھ دینے کا نام ہے قربان ہونے کا نام ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا:

'عید قرباں است کہ می خواہم کہ قربان شوذ'

اے میرے محبوب! قربانی کی عید آ گئی ہے اور میری خواہش ہے کہ میں خود کو تجھ پر قربان کر دوں۔ محبت تو یہ ہوتی ہے کہ آپ محبوب کے لیے کیا کر سکتے ہیں اُسے کیا دے سکتے ہیں۔ جہاں لینے کی بات آتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی۔ محبت صحابہ کرامؓ کو تھی جو جانیں نچھاور کرتے تھے جو گھر لٹاتے تھے۔ محبت اُن کو تھی جنہوں نے ہجرتیں کیں۔

آج جو اُنؓ پر تنقید کر کے اللہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اپنے آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں، خلافِ حقیقت سوچ رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی شان تو یہ ہے، فرمایا: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔۔۔ (اے مخاطب) تُو اُن کو دیکھے گا (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہمہ وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کی عبادت میں قربِ الٰہی کا انتہائی درجہ رکوع اور سجود ہیں اور یہ ہستیاں ہر آن رکوع اور سجود میں مصروف نظر آتی ہے۔ یہ زندگی کا ہر کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں کرتے ہیں۔ تجارت یا مزدوری بھی کرتے ہیں تو سجدے کی طرح عبادت کرتے ہیں۔ محبت کرتے ہیں تو اطاعت کے دائرے میں رہ کر کرتے ہیں دشمنی کرتے ہیں تو وہ بھی اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم میں کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام پوری محبت سے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع ہی رکوع و سجود ہے۔ اللہ کریم صحابہ کرامؓ کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ہمہ وقت رکوع و سجود میں رہتے تھے صحابہ کرامؓ نے تو جہاد کیے، کمایا، اللہ کے حکم پر خرچ کیا۔ بھرپور انسانی زندگی گزاری صرف رکوع و سجود ہی نہیں کیے۔ اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے زندگی کے تمام اور عبادت کی طرح اللہ کی رضا کے لیے انجام دیے۔

فرمایا: يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔۔۔ اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ وہ

عبادت نہایت خلوص سے اللہ کی بخشش اور رضا پانے کی خاطر کرتے تھے اور اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے فرمایا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔۔۔(اور) اُن کے آثار ان کے سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ اُن کی عبادت کا نور اُن کے چہروں میں جھلکتا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں جمالِ الٰہی دیکھنا چاہتا ہے تو تجلیاتِ باری کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں کی پیشانیوں پر رقصاں پائے گا۔ اُن کی شان تو یہ ہے، فرمایا: ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔۔۔ان کے یہ اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں بھی ہیں۔

اوصافِ صحابہؓ تورات وانجیل ہیں:

اللہ کریم نے تو صحابہ کرامؓ کی مثالیں، اُن کے اوصاف تورات میں موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل فرمائے تھے اور جو کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، انجیل، اُس میں بھی موجود تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت اور عیسیٰ علیہ السلام کی امت پر بھی صحابہ کرامؓ کی عظمت پر ایمان لانا ضروری تھا کہ اُن کی کتابوں میں موجود تھا اور کتاب کو مانے بغیر وہ مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ دونوں قومیں یہ حقائق جانتی تھیں۔ جو علمائے یہود مشرف بہ اسلام ہوئے اور صحابیت سے سرفراز ہوئے اُنہوں نے ساری باتیں بتائیں۔ عہدِ فاروقیؓ میں عیسائیوں کے بیت المقدس کی فتح کا واقعہ مشہور ہے۔ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور وہ طویل ہو گیا اور شہر میں راشن، دوائیں وغیرہ ختم ہونے لگیں تو عیسائیوں نے ایک مجلس بلائی۔ اُس میں اُن کے پادری بھی موجود تھے۔ یہ تجویز زیرِ بحث لائی گئی کہ یا تو شہر کے دروازے کھول دیں اور باہر نکل کر بے جگری سے لڑیں مسلمانوں کی فوج زیادہ نہیں ہے ہم اُن کو فتح کر لیں گے لیکن اب شہر میں بند ہو کر بیٹھا نہیں جا سکتا۔ اس پر اُن کے سب سے بڑے پادری نے کہا کہ ہماری مقدس کتاب انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادموں کے حلیے اور نشانیاں بتائی گئی ہیں تو تم ایسا کرو مسلمانوں کے امیرِ لشکر سے بات کرو کہ وہ مدینہ منورہ سے اپنے امیر المومنین کو یہاں بلا لیں۔ ہماری کتاب میں موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا فلاں صحابی اس شہر کو فتح کرے گا۔ ہم اُسے دیکھ کر بتا سکیں گے کہ یہ وہی ہے اور اگر وہی ہو تو پھر لڑنے کی ضرورت نہیں شہر اُن کے سپرد کر دو۔ لڑو گے تو مارے جاؤ گے اور اگر اُس میں وہ نشانیاں نہیں ہیں تو تم بے شک لڑو تم ہی فتح پاؤ گے۔ چنانچہ مدینہ منورہ قاصد بھیجا گیا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ بیت المال سے ایک اونٹ سواری کے لیے اور ایک خادم ساتھ لے کر چھبیس لاکھ مربع میل علاقے کا فاتح جس کی سلطنت معلوم دنیا کے تین حصوں پر تھی مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ راستے میں خادم سے فرمایا کہ تم بھی انسان ہو میں بھی انسان ہوں۔ سفر میں دونوں باری باری سواری کریں گے۔ کچھ فاصلہ دو یا تین کوس میں سواری کروں گا پھر اگلے تین

کوس تم کر لینا۔ خادم نے عرض کی کہ اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو ہم دونوں اونٹ پر بیٹھ جاتے ہیں فرمایا،نہیں! یہ بھی جاندار ہے یہ بھی تھکتا ہے۔ سفر طے ہوتا رہا اور عجیب بات یہ ہوئی کہ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو خادم اونٹ پر سوار تھا اور امیر المومنین ؓ پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے اونٹ کی مہار تھامے آرہے تھے۔ اتنے میں بارش بھی ہوگئی تو اونٹ کے پیروں سے امیر المومنین ؓ کے کپڑوں پر کیچڑ بھی اچھل اچھل کر پڑ رہا تھا۔ امیر لشکر نے استقبال کیا اور عرض کی کہ عیسائیوں سے اور اُن کے حکمرانوں سے ملاقات کرنی ہے آپ ؓ تھوڑا سا حلیہ تو درست کر لیں نیا لباس پہن لیں اور اچھے سے گھوڑے پر بیٹھ جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لباس بدلا اور گھوڑے پر سوار ہوئے لیکن فوراً اتر آئے۔ فرمایا،تمہارے قیمتی لباس اور گھوڑے کی سواری نے مجھ میں تکبر پیدا کر دیا ہے میرا لباس اور میرا اونٹ دو میں اپنے اسی حال میں ٹھیک ہوں۔ یہ منظر عیسائی بھی قلعے کی دیوار سے دیکھ رہے تھے اُن کا بڑا پادری بھی کھڑا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کا سارا منظر انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ امیر المومنین ؓ پیوند لگے کپڑوں میں اونٹ کی مہار تھامے آرہے تھے اور اونٹ پر ایک حبشی غلام سوار ہے۔ اُن کے پادری نے کہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی خادم ہے جس کا حلیہ ہماری مقدس کتاب میں ہے لہٰذا شہر خالی کر کے مسلمانوں کے سپرد کر دو۔

آج مسلمان کہلوانے والے بعض لوگ صحابہ کرام ؓ پر اعتراضات کرتے ہیں جبکہ عیسائی پہچان گئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ؓ ہیں۔ صحابہ ؓ معصوم نہیں کہ معصوم صرف انبیاؑ ہوتے ہیں لیکن محفوظ ضرور ہیں۔ اللہ کریم گناہ سے اُن کی حفاظت فرماتے ہیں۔

صحابہ کرام ؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لہلہاتی کھیتی ہیں:

فرمایا، ان کی مثال تو ایسے ہے، فرمایا: كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔۔۔ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کا جی جلائے۔

جیسے کوئی کسان جانفشانی سے، خون پسینہ ایک کر کے کھیتی جوتتا ہے، پانی لگاتا ہے بیج ڈالتا ہے پھر اس میں سے چھوٹی چھوٹی کونپلیں نکلتی ہیں پھر مضبوط اور گھنی ہو کر اپنے قدموں پر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس سے کھیتی بونے والے کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ یہ صحابہ کرام ؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی ہیں۔ ایک ایک فرد گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بویا ہے پھر یہ ایک قوت بن گئے۔ کافر جن کو کبھی کبھار ایذا دیتے تھے، آج اُن کے نام سے لرزاں براندام ہو

جاتے ہیں۔ اپنی اس لہلہلاتی فصل کو دیکھ کر کاشتکار بہت خوش ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دلی مسرت کا باعث یہ لوگ ؓ ہیں۔ ان ؓ کی کامیابی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تو خوش ہوتے ہیں جبکہ کافر انہیں دیکھ دیکھ کر جلتے ہیں، غصّے اور غضب کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ گویا صحابہ کرام ؓ سے دشمنی کفر ہے، کافروں کا فعل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیہءِ کریمہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دشمنانِ صحابہ ؓ اور معترضینِ صحابہ ؓ کا کفر ثابت کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔۔۔ صحابہ ؓ پر ناراضگی اور غصہ کافروں کا کام ہے۔ اللہ کریم تو اُن سب کے ساتھ دو وعدے فرما رہے ہیں۔ فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے (گناہوں کی) بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا ہے: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ ۔۔۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے اور جہاں مِنْ بیانیہ ہوتا ہے اُس سے مراد ہوتی ہے ساری جمعیت یعنی اللہ کا وعدہ تمام صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ہے۔ جسے بھی شرفِ صحابیت نصیب ہوا بچہ بوڑھا، مرد، عورت، عالم، جاہل، امیر غریب اُن سب کے ساتھ اللہ کے دو وعدے ہیں۔ پہلا وعدہ ہے، فرمایا: مَّغْفِرَةً ۔۔۔ اوّل تو اللہ کریم گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں لیکن اگر ان سے کوئی سستی یا کوتاہی ہو بھی جائے تو اللہ کی مغفرت اور بخشش تھام لیتی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میری مغفرت اور بخشش ان کے لیے ہوگئی ان کو معاف کر دیا گیا۔ دوسرا وعدہ یہ ہے، فرمایا: وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ انہیں بہت ہی بڑا انعام عطا کروں گا۔ یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی بریت اور اجرِ عظیم کا اعلان اللہ کریم نے اس دارِ دنیا میں فرما دیا۔ اگر بفرضِ محال اُن ؓ سے کوئی خطا بھی ہوئی تو اللہ کریم نے مغفرت اور بخشش کا وعدہ فرما دیا، بات ختم ہوگئی۔ ان سب کو بہت بڑے معاوضے، اجرِ عظیم سے نواز دیا تو اب کسی آج کے محقق کو جس کا فیصلہ ابھی میدانِ حشر میں ہونا باقی ہے وہ اُن ؓ پر کیسے اعتراض کرسکتا ہے!

سورۃ الحجرات رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
عَظِيْمٌ ۝٣ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ ۝٤ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ
تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝٦ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝٧ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ
وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٨ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ
حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ
وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٩ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا

بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے پیغمبر (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو (بولا نہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۱﴾ اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کُھل کر بات کیا کرو جیسے آپس میں کُھل کر (بے تکلفی سے) بات کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو ﴿۲﴾ بے شک جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں، اللہ نے ان کے دل پرہیزگاری کے لیے آزما لیے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اصلہ ہے ﴿۳﴾ بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثر کو عقل نہیں ﴿۴﴾ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۵﴾ اے ایمان والو! اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی نقصان نہ پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے ﴿۶﴾ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہنا مانیں تو تم کو نقصان پہنچے ولیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو نفرت دے دی یہی لوگ درست راستے پر ہیں ﴿۷﴾ اللہ کی مہربانی اور احسان سے اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۸﴾ اور اگر ایمان والوں میں سے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں (انصاف کے ساتھ) صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو اس فریق سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ﴿۹﴾

بے شک ایمان والے تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الحجرات شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں دو رکوع اور اٹھارہ آیات ہیں۔ اس کی ابتدا ہی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے آداب کی تعلیم سے ہوتی ہے۔

انسان کو اللہ کریم نے اپنی بہترین مخلوق قرار دیا ہے۔ اس کو بہت خوبصورت انداز میں بنایا گیا ہے اور اس کے حسن کے بہت سے پہلو ہیں۔ ان میں پہلا وہ ہے جو بظاہر سامنے ہے، مادّی پہلو ہے کہ اس کے اعضاو جوارح، ناک، منہ، کان، آنکھیں بہترین اندازے پر بنائے ہیں۔ جہاں جہاں جس طرح، اس کے اعضاو جوارح اللہ کریم نے بنائے ہیں وہی انداز سب سے خوبصورت ہے۔

اس کے حسن کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عالمِ امر کی روح جو لطیف ترین ہے، اُسے اس کے مادّی وجود سے جو کثیف ترین ہے، جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ صرف اللہ کریم ہی کو سزاوار ہے کہ جسمِ لطیف کو مادّی وجود سے یکجان کر دے ورنہ انسانی عقل کے مطابق یہ ممکن نہیں کہ کوئی نظر نہ آنے والی چیز کسی ٹھوس یا مادّی چیز سے جوڑی جاسکے۔ اس میں حُسنِ تخلیق یہ ہے کہ عالمِ امر کی روح کو وجودِ مادّی سے ایسا تعلق دے دیا گیا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ یہ ہمیشہ اکٹھے رہیں گے۔ اس کے حُسن کا تیسرا پہلو حُسنِ معاشرت ہے۔ انسان کو اللہ کریم نے حُسن معاشرت سے نوازا ہے کہ یہ کائنات میں جہاں رہتا ہے ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے آرام کا خیال رکھتا ہے اور عزت و احترام کا تحفظ کرتا ہے۔ اسلام حسنِ معاشرت کا نام ہے اور اللہ کریم کے اس احسان پر شکر کا نام ہے کہ اُس نے ہمیں انسان بنایا۔ انسان کے علاوہ باقی مخلوق کو دیکھیں تو ہر دم ایک جنگ بپا ہے طاقتور کمزور کو مار رہا ہے۔ بڑی مچھلی چھوٹی کو کھا جائے گی پرندوں کو دیکھیں تو لڑ رہے ہیں درندوں کو دیکھیں تو چیر پھاڑ کر رہے ہیں۔ گھاس چرنے والے جانور جہاں اکٹھے ہوتے ہیں آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں ایک لڑائی کی کیفیت ہر وقت پائی جاتی ہے۔

بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے آداب:

جب حُسنِ معاشرت ہی انسانیت کا کمال ٹھہرا تو پھر سب سے زیادہ نازک معاملہ ایک امتی اور نبیؐ کے تعلق کا ہے۔ نبیؐ وہ ہستی ہے جو انسان کو ذاتِ باری تعالیٰ سے جوڑتی ہے، وہ دروازہ ہے جس سے انسان بارگاہِ الوہیت میں

باریاب ہوتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں حضوری پالینا ہی کمالِ انسانیت ہے جس کا واحد راستہ اتباعِ نبوت ہے۔ اللہ کا نبیؐ اور رسولؐ امت کا سربراہ ہوتا ہے لہٰذا سب سے زیادہ حسنِ معاشرت، ادب اور تعظیم کا مستحق ہوتا ہے۔

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ یہ بارگاہ کتنی نازک ہے لہٰذا بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے جارہے ہیں۔ اللہ کریم نے جو بنیادی بات ارشاد فرمائی اور جو قیامت تک کے لیے کلیہ ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔۔۔ اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے پیغمبرؐ (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو (بولا نہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اللہ کریم فرماتے ہیں اے وہ لوگو! جن میں نورِ ایمان ہے یا جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو کسی کام میں کسی بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دامن نہ چھوڑو، سبقت نہ کرو۔

سبقت کیا ہوتی ہے؟ سبقت سے مراد ہے کسی کی بات کو چھوڑ کر آگے نکل جانا یعنی حکم نہ ماننا۔ فرمایا، کبھی بھی اللہ کے حکم پر سبقت نہ کرو یعنی اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی بات پر عمل نہ کرو۔ اللہ کا حکم کیا ہے؟ فرمایا: وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ جو میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمادے وہ میرا حکم ہے۔ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرو گے تو تم نے میری نافرمانی کی۔ فرمایا، کبھی زندگی میں یہ جرأت نہ کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو چھوڑ کر اپنی مرضی پر عمل کرو۔ گویا انسانیت اگر عمارت ہے تو اُس کا پہلا اور بنیادی پتھر غیر مشروط اطاعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں رشتۂ ایمان نصیب ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ دنیا میں خون کا رشتہ بڑا مضبوط سمجھا جاتا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ دنیوی مفادات کے رشتوں پر خونی رشتے قربان ہو جاتے ہیں۔ تعلق بالرسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ کوئی خونی یا مفادات کا رشتہ اس رشتے پر غالب نہ آئے، تب مسلمانی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی، فرمایا: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک والدین سے، اولاد سے اور روئے زمین کے سارے انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرتا ہو۔

شرطِ ایمان یہ ہے کہ ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، مال سبؔ سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص حقیقتاً ایماندار نہیں ہوسکتا خواہ دعویٰ کرتا رہے۔

یہ محبت کیا ہوتی ہے؟ یہ ایک الجھا ہوا مضمون ہے جس پر بہت لکھا گیا، پڑھا اور بیان کیا گیا ہے، ساری

بحثوں کو جمع کیا جائے تو اُن کا ماحصل اور آسان سی بات یہ ہے کہ محبت محبوب کی اطاعت کا نام ہے۔محب کی اپنی مرضی فنا ہو جائے۔اس خیال سے بالاتر ہو جائے کہ اطاعت میں نفع ہے یا نقصان ہے، مشکل ہے یا آسانی ہے، عزت آبرو کا سبب ہے یا رسوائی کا اندیشہ ہے۔ان سب باتوں سے آگے نکل کر یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے ہر حال میں بات ماننی ہے۔ عزت رہے نہ رہے، رشتے رہیں نہ رہیں، نفع ہو یا نقصان، جان سلامت رہے یا چلی جائے میں نافرمانی نہیں کروں گا تو یہ محبت ہے۔اس میں کوئی شرط نہ ہو کہ یہ فائدہ ہوگا تو بات مانوں گا ورنہ نہیں مانوں گا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت ہے تو کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو جو بصورتِ دین ہمارے پاس ہیں، اس طرح مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو سوچنا پڑے گا کہ ہم میں ایمان ہے یا نہیں۔ یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں ایک بات ہے اور یہ ثابت کرنا کہ میں مسلمان ہوں یہ اطاعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر منحصر ہے۔ یہ اُن لوگوں کے لیے بھی سوچنے کا مقام ہے جو کسی دنیوی مقصد کے لیے قرآن پڑھتے ہیں اور نفل پڑھتے ہیں۔ یہ عبادات دنیوی امور کے لیے نہیں ہیں بلکہ دنیا کو قربان کر کے اطاعت کرنے کا نام ہے۔

فرمایا: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ حدِ ادب یہ ہے کہ کبھی کسی کام میں یا بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر سبقت نہ کیا کرو کہ یہ ایسے ہے جیسے اللہ کی ذات پر کسی نے سبقت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہی اللہ کا ارشاد ہے۔ جب جو لوگ کم تولتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، چوری کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، لوگوں کی جانوں سے کھیلتے ہیں یہ سب کیا کرتے ہیں؟ یہ نافرمانی کرتے ہیں! جو جھوٹے مقدمے کرتا ہے، نافرمانی کرتا ہے۔ جو عدالتیں رشوتیں لیتی ہیں، نافرمانی کرتی ہیں۔ جو حکمران قوم کا مال کھا جاتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں۔ کوئی زکوٰۃ نہیں دیتا، کوئی عشر نہیں دیتا۔ مالدار ساری دولت چھپائے بیٹھا ہے، اللہ کا حصہ نہیں دیتا۔ یہ ساری باتیں اسلام کے منافی ہیں۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم انعام بھی وصول نہیں کرتے تو محبت کیا کرتے کہ محبت تو کچھ دینے کا نام ہے۔ ہم تو لیتے بھی نہیں۔ نماز ہی کو لے لیں۔ نماز اللہ کی بارگاہ میں ذاتی طور پر حاضر ہو کر اللہ کریم سے باتیں کرنے کا نام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا نمازی کے آگے سے نہ گزرو فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (کتاب الصلوٰۃ البخاری)۔ وہ اپنے ربّ سے سرگوشیاں کر رہا ہے، بات کر رہا ہے۔ اُس کے آگے سے نہ گزرو۔ اب اس میں تو بہت بڑا انعام ہے۔ نماز میں ہم نے دینا تو کچھ نہیں، لینا ہے۔ اگر کوئی ہم سے کہے کہ آؤ تمہاری بات ڈپٹی کمشنر سے کرا دوں۔ وہ تمہاری بات بھی سنے گا اور مدد بھی کرے گا تو ہم کتنے خوش ہوں گے۔ کوئی کہے کہ تمہیں وزیرِ اعظم کے پاس لے جاتا ہوں۔ وہ تمہاری بات بھی سنے گا تمہیں عزت بھی دے گا تو ہم اُس پر قربان ہو جائیں گے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں اللہ سے ملا دیتا ہوں تم اپنی بات خود عرض کر لو۔ یہ نماز تو ایک

انعام تھا لیکن ہم اسے بوجھ سمجھتے ہیں جب ہم نماز بھی ادا نہیں کرتے تو ہم قربانی کیا دیں گے؟ ہم لینے کے اہل نہیں ہیں تو دیں گے کیا اور ہماری مسلمانی کیا ہے! اسلام کی بنیاد تو غیر مشروط اطاعتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ اگر کسی کے پاس بنیاد ہی نہیں ہے تو عمارتیں ہوا میں تو بنتی نہیں۔ عمارتیں تو بنیادوں پر استوار کی جاتی ہیں۔

فرمایا، کبھی بھول کر بھی میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت سے باہر مت نکلو کہ یہ میری نافرمانی ہے۔ جب تم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات نہیں مانتے تو گویا تم نے میری بات ٹھکرا دی۔ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔۔۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ نافرمانی کرتے ہوئے میری عظمت کا خیال رکھو۔ میرے غضب اور میری ناراضگی سے ڈرو۔ میرے عذابوں کو نگاہ میں رکھو کیونکہ جو بھی اطاعتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلّم سے نکلتا ہے اس کا اگلا قدم دوزخ میں ہے۔ یاد رہے! اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم قیامِ جنت ہے اور جو بھی جنت سے نکلتا ہے تو پھر دوسرا گھر دوزخ ہے۔ ان کے درمیان میں کوئی رہائش گاہ نہیں ہے۔ اعراف بھی جائے قیام نہیں ہے۔ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ہے جہاں روزِ محشر وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کے اعمال اس قابل نہیں ہوں گے کہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ ہی اتنے گناہ ہوں گے کہ دوزخ میں ڈالے جائیں۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ اعراف پر کھڑے لوگ جب جنت کو دیکھیں گے تو لالچ اور دعائیں کریں گے کہ یا اللہ! اس میں تھوڑی سی جگہ ہمیں بھی دے دے۔ جب دوسری طرف جہنم کو دیکھیں گے تو دعا کریں گے کہ یا اللہ! اس سے بچانا ہمیں اس میں نہ ڈالنا۔ یا اللہ! ہمیں اعراف میں ہی رہنے دے۔ جنت نہیں دیتا نہ دے لیکن دوزخ میں نہ بھیجنا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میں ان کو بھی معاف کر دوں گا اور بالآخر انہیں بھی جنت میں جگہ ملجائے گی کیونکہ اعراف رہنے کی جگہ نہیں ہے۔

قرآن دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنی زندگی کا محاسبہ کرو۔ یہ دیکھو کہ تم کتنی اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کر رہے ہو۔ جہاں سے چھوڑ رہے ہو وہ قدم جہنم میں ہے۔ ابھی تمہارے پاس فرصت ہے، زندگی ہے، کام کرنے کی اہلیت ہے تو اب سنبھل جاؤ اور اللہ کے احکام پر اپنی مرضی مسلط نہ کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سامنے رکھو۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝ بے شک اللہ سننے والے جاننے والے ہیں۔ اللہ یقیناً تمہاری ہر بات کو سنتا ہے، تمہارے ہر کام کو جانتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ اُسے ضرورت نہیں کہ کوئی تمہارے حال سے مطلع کرے گا تو وہ جانے گے۔ وہ تمہارے ارادوں، نیتوں اور دلوں میں گزرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ جو تم کرتے ہو اللہ کے روبرو کرتے ہو تو یہ دیکھ لو کہ تم اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کرتے ہو تو اللہ کے روبرو کرتے ہو۔

آج ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے ہیں، اسلام کو اپنانا نہیں چاہتے لیکن اُن

برکات کے نزول پر اُمید رکھتے ہیں جو صحابہ کرامؓ پر نازل ہوئیں تھیں۔ ہمیں شکوہ ہوتا ہے کہ ہر مصیبت مسلمانوں پر ہی کیوں آتی ہے لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے کتنے دور چلے گئے ہیں۔ آج مسلمان اطاعتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن کتنا چھوڑ چکے ہیں اور اُن برکات سے محروم ہو چکے ہیں۔ یاد رہے کہ نافرمان کی یہ دنیا ہے نہ وہ دنیا ہے۔ آدابِ سنت صلی اللہ علیہ وسلّم ہی اصل انسانیت ہے۔ انسانی خصوصیات کا حامل وہی ہوگا جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اطاعت شعار اور ادب گزار ہوگا جبکہ بے ادب، گستاخ اور نافرمان میں حیوانی صنعتیں پائی جائیں گی۔

اللہ کریم نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا صرف تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا ہے۔ ایک بات سمجھائی جاتی ہے کہ فلاں عدالت میں یا فلاں ہستی کے سامنے، فلاں دربار میں ایسے پیش ہونا ہے یہ مشورہ دیا جاتا ہے، تعلیم دی جاتی ہے لیکن اللہ کریم مشورہ نہیں بلکہ تمام اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر حکم دے رہے ہیں: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ اے ایمان والو اس اٰمَنُوْا۔۔۔ میں اعلانِ نبوت کے بعد سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والی ہستی سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام کلمہ گو مخاطب ہیں۔ تمام اہلِ ایمان کو خطاب ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۔۔۔ اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اندازِ گفتگو بہت پیارا تھا۔ ایک ایک لفظ کو سکون بھری، شیریں آواز میں ارشاد فرماتے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ تھا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس کھڑا ہوتا یا جو دور آخیر میں کھڑا ہوتا دونوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خوبصورت، دھیمی اور محبت بھری آواز یکساں انداز میں پہنچتی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ صحابہؓ حاضر تھے اور ڈیڑھ لاکھ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بلند آواز میں خطاب نہیں فرماتے تھے بلکہ پیار بھرے دھیمے انداز میں گفتگو فرماتے جو معجزاتی طور پر دور والوں تک بھی اتنی آواز پہنچتی جتنی پاس کھڑے ہونے والوں تک پہنچتی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ۔۔۔ اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بات کیا کرو جیسے آپس میں کُھل کر (بے تکلفی سے) بات کرتے ہو۔

اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی آواز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شیریں گفتار سے کبھی بلند نہ ہونے دو۔ بارگاہِ رسالت میں تمہاری آواز اس سے پست ہونی چاہیے خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کرو یا آپس میں بات کرو۔ یہ بارگاہ اتنی نازک ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا:

ادب گاہ ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید ایں جا

شاعر نے دو اولیا اللہ کا نام لکھا ہے جبکہ میں اس میں تصرف کرتا ہوں اور لکھتا ہوں 'نفس گم کردہ می آیند ابوبکرؓ و عمرؓ ایں جا' جنیدؒ اور بایزیدؒ تو کفش بردار ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز فطری طور پر بلند تھی تو جب وہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں آتے تو سرگوشیاں کرتے۔ بعض اوقات انسان جذبات سے مغلوب ہو کر آواز بلند کر لیتا ہے۔ کوئی دکھی ہے یا پریشان ہے تو اپنی پریشانی بلند آواز میں کہہ دیتا ہے۔ کسی کی آواز اتنی بھاری ہوتی ہے کہ وہ بات نادانستہ طور پر بھی بلند آواز میں کر جاتے ہیں۔ اب اگر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں اتفاقاً بھی آواز بلند ہو گئی تو کیا ہوگا؟ فرمایا: اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۲ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یاد رکھیں، نزولِ آیت کے وقت کون لوگ مخاطب تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے جانیں نچھاور کیں، اہلِ مکہ کے ظلم سہے، قربانیاں دیں۔ اللہ کی راہ میں جان مال گھر قربان کر دیا ہجرت کر کے خالی ہاتھ مدینہ منورہ آ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا پھر بھی کسی صحابیؓ نے اپنا گھر یا زمین یا اپنی ملکیت واپس نہیں لی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ کی راہ میں چھوڑ دی تھیں اب یہ ہماری نہیں ہیں۔

اس آیت کے مخاطبین میں وہ انصارؓ بھی شامل تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں مشرکینِ مکہ سے چھپ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کی تھی جسے بیعتِ عقبہ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن انصارِ مدینہ سے فرمایا تھا کہ آپ لوگ مجھے اور میرے صحابہؓ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں، مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! ہم جانتے ہیں کہ مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب اور ساری دنیا کے کفر کے سامنے کھڑے ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیعت کر کے ہم دنیائے کفر کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اگر ساری دنیا بھی ہم پر الٹ پڑی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں گے۔ اس پائے کے لوگ حاضر تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، اگر تمہاری آواز میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی آواز سے بلند ہو گئی تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تمہاری ہجرتیں، تمہاری قربانیاں سب ضائع ہو جائیں گے۔ تمہارے حج اور طواف ضائع ہو جائیں گے۔ تمہاری نمازیں نامقبول ہو جائیں گی۔ تمہاری نیکیوں پر لکیر پھیر دی جائے گی۔

فرمایا بارگاہِ رسالت میں کبھی اُس شیریں گفتاری سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا معیارِ گفتگو ہے، اُس

سے تمہاری آواز بلند نہ ہونے پائے۔ اُس سے نیچے رہو اور اگر آواز بلند ہو گئی تو تمہاری ساری نیکیاں تمہارے منہ پر دے ماروں گا۔ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ تم کو خبر بھی نہ ہو۔ اگر یہ تَشْعُرُوْنَ۔۔۔ راجع ہو اَنْتُمْ۔۔۔ کی طرف تو اس کا معنی بنتا ہے کہ تمہیں پتا ہی نہیں چلے گا اور نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اگر اس کو لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ۔۔۔ کی طرف راجع سمجھیں تو اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ اگر بھول کر بھی تمہاری آواز بلند ہو گئی تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

یہ بارگاہِ رسالت کے آداب ہیں اور یہ قیامت تک کے لیے ہیں۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ادب نہ رہے تو نیکی کہاں رہی؟ نیکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کا نام ہے۔ ہمارے پاس نیکیاں ہی کہاں ہیں، یہ جنہیں خطاب فرمایا جا رہا ہے اُن کے پاس تو نیکیاں تھیں۔

رات کا وقت تھا، مطلع صاف تھا اور آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم آرام فرما تھے۔ حضرت عائشہ الصدیقہ حبیبۂ حبیبِ کبریا رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جس طرح یہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے کیا کسی مومن کا اعمالنامہ ایسے نیکیوں سے بھرا ہوا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بے شک عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اعمالنامہ ایسا ہی ہے۔ اُنہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! میرے والد کے اعمالنامے کا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، غارِ ثور میں اُس نے جو تین راتیں میرے ساتھ گزاریں ہیں، اُس کی ایک رات کے لحاظ سے ان سب نیکیوں پر بھاری ہیں۔

یہ وہ لوگ تھے جنہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر انجانے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آواز بلند ہو گئی تو سب نیکیوں پر لکیر پھر جائے گی۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بڑے تنومند، قدآور مضبوط اور جری شخص تھے اور اُن کی آواز بھی فطری طور پر بلند تھی لیکن جب آپؓ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے تو سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ایک اعرابی حجرۂ مبارک کے پاس کھڑا ہو کر بلند آواز میں باتیں کر رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے بلند آواز سے پکارنے کی بجائے ایک کنکری اُٹھا کر ماری۔ جب وہ اُنؓ کی طرف متوجہ ہوا تو اُسے اشارے سے اپنی طرف بلا کر دھیمے انداز میں فرمایا کہ اپنی آواز نیچی رکھو۔ یہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم ہے اور تم اونچی آواز میں باتیں کر رہے ہو۔ اگر بارگاہ کا ادب نہ ہوتا تو میں تمہیں دُروں سے مارتا لیکن یہاں تو ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہ آداب ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں جسم و روح کی حیات کے ساتھ زندہ ہیں البتہ عالم بدل گیا ہے۔ فضا، ہوا،

اوقات، غذا برزخ کے ہیں دنیا کے نہیں لیکن حیات ویسی ہی ہے جیسی دنیا میں تھی بلکہ اس سے بہت اعلیٰ ہے۔ روضہء اطہر کا آج بھی وہی ادب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ مبارکہ میں تھا۔ آج جب لوگ مدینہ منورہ کی زیارت پر جاتے ہیں تو ریاض الجنۃ میں جانے کے لیے دھکم پیل کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضہء اطہر پر جانے کے لیے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہیں۔ یہ بالکل حرام ہے۔ اگر جگہ نہیں ملتی تو دور سے سلام کرلو۔ ساری مسجد مسجدِ نبوی ہے جہاں تک اللہ کریم لے جائے وہاں نفل ادا کرلو۔ ریاض الجنۃ میں جگہ ملے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

توسیعِ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دوران ایک ذاتی تجربہ:

اللہ کریم کا احسان ہے کہ ان گنت مرتبہ مدینہ منورہ جانا نصیب ہوا لیکن دل نہیں بھرتا اور ابھی بھی حسرت ہے کہ پھر جانا نصیب ہو!

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کی توسیع کے دوران مسلسل کئی برس حاضری نصیب ہوتی رہی ہمارے سامنے وہ کام ہوتا رہا اور دو باتیں بالخصوص میں نے دیکھیں۔ مسجد کے اضافے کے لیے جو ستون بنائے گئے اُن کے لیے ستر ستر فٹ لوہے کے مضبوط پائپ جن کے آگے تیز دھار تھی زمین میں گاڑے جاتے اور اُن کو اندر سے خالی کر کے اُن میں سیمنٹ بجری اور سریا بھر کر بنیادیں بنائی گئیں۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم جہاں ہے وہاں کی زمین ایسی ہے کہ تھوڑی سی مٹی کے بعد نیچے سخت پتھریلی ہے۔ ہم نے ایسی مشینیں چلتی دیکھیں جن پر بیس بیس من کا لوہے کا ہتھوڑا (HAMMER) لگا ہوا تھا اور وہ اُس پائپ کے اوپر اسے دے مارتی۔ وہاں سینکڑوں پائپ گاڑے جا رہے تھے اور پورے شہر میں دن رات ایسا لگتا تھا جیسے دھماکے ہو رہے ہیں۔ جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اندر داخل ہوتے تو یہ بھول ہی جاتا کہ باہر کوئی کام ہو رہا ہے۔ سارے شہر میں شور ہوتا تھا لیکن جیسے ہی مسجد کے دروازے سے اندر جاتے تو کوئی آواز نہ آتی۔ یہ اللہ کا اپنا نظام ہے، ہر چیز اس کے قبضہء قدرت میں ہے کہ مشینوں پر انسان کو اختیار نہیں تھا لیکن اُس نے اُن کی آواز کو روک دیا۔ برسوں توسیع کا کام ہوتا رہا، حاضری نصیب ہوتی رہی اور یہ تجربہ مسلسل ہوتا رہا۔

دوسری بات یہ دیکھی کہ ریاض الجنۃ میں صفوں کے درمیان ہوا اس انداز میں پھرتی ہے کہ ہر بندے تک پہنچتی ہے۔ اب تو ساری مسجد ایر کنڈیشنڈ ہے لیکن ستر کی دہائی میں جب حاضری نصیب ہوتی تو یہ تجربہ ہوا۔ اُس زمانے میں سفر کی سہولتیں کم تھیں اور لوگوں کے پاس سرمایہ بھی نہیں ہوتا تھا چنانچہ اتنا رش نہیں تھا۔ دن میں بھی آرام سے ریاض الجنۃ میں بیٹھ سکتے تھے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ہر صف میں الگ ایر کنڈیشنر لگا ہوا ہے اور ہر بندے تک ہوا پہنچ رہی ہے۔ یہ ساری نعمتیں وہاں ہیں لیکن ادب شرط ہے۔

عظمتِ صحابہؓ:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی۔۔۔ بے شک جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں، اللہ نے اُن کے دل پرہیز گاری کے لیے آزمالیے ہیں۔ فرمایا، میرے وہ بندے جو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں آواز پست کر لیتے ہیں، دھیمی کر لیتے ہیں سرگوشیاں کرتے ہیں، میں نے ان کے دلوں کو نیکی، تقویٰ، اپنے ساتھ ربط، اپنی محبت اپنے عشق اور اپنے پر قربانی کے لیے آزمالیا ہے۔ فرمایا، تم نے تو ظاہراً دیکھا کہ انہوں نے قربانیاں دیں، تکلیفیں اٹھائیں ہجرتیں کیں مال و منال لٹایا لیکن میں نے ان کے دلوں کو دیکھ لیا تھا۔

اولیائے امت کا، پارساؤں کا، ہم عامۃ الناس کا معاملہ تو قیامت کو پتا چلے گا کیا قبول ہوا کیا نہیں؟ نجات ہوئی یا نہیں لیکن صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جن کا یہاں بتایا جا رہا ہے۔ فرمایا، یہ جو خادمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں میں نے اِن کے دلوں کو آزما لیا ہے۔ یہ پرہیز گاری کے لیے بہترین قلوب ہیں۔ یہاں پرہیز گاری ہی سجتی ہے۔ یہاں میری محبت اور عشق سما سکتا ہے۔ یا اللہ! اگر یہ بہترین قلوب ہیں تو آپ نے ان کو کیا دیا؟ فرمایا: لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۳ ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا صلہ ہے۔ ان جاں نثاروں کو دنیا میں رہتے ہوئے بتقاضائے بشریت ان سے کوئی بھول چوک ہو جائے انہیں کوئی دھوکا لگ جائے، غلطی بھی ہو جائے تو ان کے لیے میری بخشش ہے۔ میں انہیں معاف کر رہا ہوں اور صرف معافی نہیں اُن کے لیے بہت بڑا انعام ہے۔ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۳ بہت ہی عظیم انعام عطا کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے: اَصْحَابِی كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (بخاری و مسلم) میرے صحابہؓ آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں تم جس کا دامن تھام لوگے ہدایت پا جاؤ گے۔ اسی لیے اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ، سارے صحابہؓ عادل تھے نیک سچے اور کھرے تھے۔

جس طرح شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بیان کرنے اور سمجھنے سے ہم قاصر ہیں کہ ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے ویسے ہی خادمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرامؓ کی عظمت بھی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

افسوس کہ آج کے دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پوچھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ میں ایمان تھا کہ نہیں؟ یہ قرآن سے کیوں نہیں پوچھتے؟ اللہ کریم تو فرما رہے ہیں یہ بہترین قلوب ہیں جن میں پرہیز گاری ہی سجتی ہے۔

ان محققین اور علما کو صحابہؓ پر اعتراض کی جرأت کیوں ہوئی۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیںؓ کہیں ٹھوکر لگی اور اُن سے کوئی نامناسب بات ہوگئی تو اللہ کریم فرمارہے ہیں اُن کے لیے میری بخشش ہے۔ میں نے معاف کردی۔ اُنہیں تو پیشگی معافی مل رہی ہے بلکہ اجرِ عظیم عطا ہو رہا ہے۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں ملاقات کے آداب:

آدابِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو پہلو بیان ہو چکے ہیں جن میں پہلا حکم تھا کہ اپنی آواز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آواز سے پست رکھو۔ دوسرا حکم تھا کہ اللہ کی بات پر سبقت نہ کرو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل نہ کرو۔ اب اس کا تیسرا پہلو ارشاد ہو رہا ہے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡهِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵﴾ بے شک جو لوگ حجروں کے باہر آپ کو پکارتے ہیں، ان میں اکثر کو عقل نہیں اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کے پاس باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

یہ بنوتمیم کے کچھ لوگ تھے جو دیہات سے آئے تھے۔ یہ کاشتکار تھے اور مویشیوں کے ریوڑ پالتے تھے کہ جانور پالنا کاشتکاری کا حصہ ہے۔ ہر کاشتکار کے ریوڑ زیادہ ہوں یا کم مگر جانور ضرور ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا پیشہ ہے کہ کاشتکار کبھی فارغ نہیں ہوتا۔ دن کی مصروفیات تو اپنی جگہ بعض اوقات راتوں کو فصلوں کی چوکیداری بھی کرنی پڑتی ہے کہ کوئی جانور خراب نہ کردے۔

بنوتمیم کے کچھ کاشتکار مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اُنہیں اپنے مال مویشی کے پاس جانے کی بھی جلدی تھی اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں اپنے کچھ سوال عرض کرنا چاہتے تھے، دین سیکھنا چاہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم حجرۂ مبارک میں جلوہ افروز تھے۔ یاد رہے یہ حجراتِ مبارکہ محل نہیں تھے۔ ہر حجرۂ مبارک سات، آٹھ ہاتھ چوڑا اور آٹھ دس ہاتھ لمبائی کا چھوٹا سا گھر ہوتا تھا جس میں کھڑے ہو کر اگر ہاتھ بلند کیے جاتے تو چھت کو چھو لیتے۔ حجرے کی دیواریں کچی اور کھجور کے تنوں، شاخوں اور پتوں کی چھت ہوتی تھی۔ دروازے پر کواڑ نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک کمبل سا پردہ لٹکا رہتا تھا۔ دیوار کے باہر ایک طرف مسجدِ نبوی تھی دوسری طرف کھلی جگہ تھی۔ بنوتمیم کے ان لوگوں نے یہ جسارت کی کہ حجرۂ اطہر کی دیوار کے باہر کھڑے ہو کر آواز دی یا محمد! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کریم کو یہ بات سخت ناپسند آئی۔ فرمایا، یہ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو حجرات مبارک

کے باہر سے آوازیں دے رہے ہیں یہ بے وقوف ہیں۔ یہ جاہل ہیں ان میں تمیز نہیں ہے۔ فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا۔۔۔ اگر یہ لوگ صبر کرتے یعنی انہیں چاہیے تھا کہ درِ اقدس پر خاموش باادب ہو کر صبر سے بیٹھ جاتے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی مرضی سے باہر تشریف لاتے تو یہ عرض کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ فرمایا: حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ ۔۔۔ لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم باہر تشریف لاتے اور کسی اور طرف متوجہ ہوتے تو انہیں یہ عرض کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ ہماری بات سنیں حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان سے خود پوچھتے کہ کیا بات ہے۔ یہ لوگ مخلص مسلمان تھے دین سیکھنے آئے تھے لیکن اُن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حجرۂ اطہر کے باہر سے پکارنا اللہ کریم کو سخت ناپسند آیا۔ فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ بہر حال آج والوں کو تو میں معاف کر رہا ہوں کہ میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں لیکن آئیندہ یہ حرکت نہ دہرائی جائے۔ چونکہ یہ دین حاصل کرنے آئے تھے مخلص تھے اور دیہاتی ہونے کی وجہ سے آداب سے ناواقف تھے لہٰذا انہیں فرمادیا کہ اللہ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ مگر ان کی سادگی ساری انسانیت کے لیے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے آداب بیان کرنے کا سبب بن کر باعثِ رحمت بن گئی۔

لمحہءِ فکریہ:

آج وطنِ عزیز میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر یہاں سے پکارا جاتا ہے یا رسول اللہ! ہمارے ہاں دو طرح کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ ایک عقیدہ تو یہ ہے کہ ہم یہاں سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں سُن لیتے ہیں۔ اللہ قادر ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کو وہاں کو سنوا دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعالمین ہیں سردارِ کائنات ہیں سُن لیں کسی کو کیا اعتراض ہے لیکن اس عقیدے کے ساتھ بھی یہ ادب تو ہے کہ بیٹھ کر دل میں پڑھو۔ لاؤڈ سپیکر پر یا ویسے بلند آواز سے پکارنے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم حاضر ناظر ہیں اور یہیں موجود ہیں تو اُن کو تو اور بھی زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو موجود سمجھتے ہیں اور لاؤڈ سپیکر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مخاطب ہوتے ہیں پھر یہ تو انہوں نے حد ہی کر دی! ہمارے گاؤں کا ایک نوجوان ملاقات کے لیے آیا تو اُس نے یہ سوال کیا کہ ہم مسجد سے لاؤڈ سپیکر پر صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے اُس سے کہا کہ تمہارا گھر مسجد کے قریب ہے تو ایک دن جب والد ماجد گھر پر ہوں تو مسجد کے سپیکر سے پانچ، سات منٹ مسلسل زور زور سے کہنا، اباجی اسلام علیکم! اباجی اللہ آپ پر رحم کرے۔ میں نے کہا اوّل تو اباجی جوتا لے کر مسجد پہنچ جائیں گے اور تمہاری مرمت کریں گے ورنہ جب تم گھر جاؤ گے تو تمہیں انعام دیں گے۔ تم اگر اپنے والد کو ایسے نہیں پکار سکتے تو پھر یہ

تمہاری جرأت ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو لاؤڈ سپیکر پر پکارتے ہو جبکہ تمہارا عقیدہ ہے وہ یہیں موجود بھی ہیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے، جہالت ہے یہاں جشنِ ولادتِ باسعادت منایا جاتا ہے جس میں جلوس نکالے جاتے ہیں ڈھول بجائے جاتے ہیں باجے اور طبلے بجا کر دنیا مانگی جاتی ہے۔ پٹاخے اور پلجھڑیاں جلائی جاتی ہیں اور شور وغوغا ہوتا ہے۔ یہ سب میلاد کی خوشی کے نام پر کیا جاتا ہے۔ خدا کے بندو! میلاد کی خوشی ہے تو اچھے کپڑے پہنو، مسجد میں جاؤ، تلاوت کرو، تکمیلِ قرآن کرو، درود شریف کی تسبیحات پڑھو اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عہد کرو۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور آئیندہ کے لیے توفیقِ عمل مانگو۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مزامیر کو حرام قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کہیں سے گزر رہے تھے تو کسی ساز کی آواز آ رہی تھی بانسری تھی یا کوئی اور ساز تھا یہ نہیں لکھا گیا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں کان مبارک میں انگلیاں مبارک دے کر کھڑے ہوگئے اور جو خادم ہمراہ تھے اُنؓ سے فرمایا کہ جب یہ آواز ختم ہوجائے تو بتانا۔ جب اُنہوںؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اب ختم ہوگئی ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انگلیاں مبارک کانوں سے نکالیں۔ آج جو لوگ سارنگیاں بجا کر یا محمد، یا محمد کہتے ہیں تو کیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سن لیتے ہیں؟ ہاں! وہ ضرور سن رہا ہے جس نے آدابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم دیا ہے، یہ بتایا ہے کہ رفعِ صوت سب نیکیوں کو ضائع کردے گا، تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ ایمان لانا بھی تو نیکی ہے اور ہر نیکی کی بنیاد ایمان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ایمان بھی ضائع ہوجائے گا۔ اللہ کریم عالمِ انسانیت پر رحم فرمائے، سب کو ہدایت دے خاص طور پر اُن کو جو اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ دردِ دل سے دعا ہے کہ اللہ سب کو ہدایت پر جمع فرمادیں۔ ہم کسی پر طعن نہیں کرتے کسی کو برا بھلا نہیں کہتے کہ مخلوق کا حساب اللہ نے لینا ہے لیکن جو ضابطے اور قانون آدابِ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اللہ نے بتائے ہیں اُن کو ماننا اُن پر عمل کرنا اور مسلمانوں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم اُس بارگاہ کے نوکر ہیں اور یہ بات دوسروں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم کسی کو نیچا دکھانے یا کافر DECLARE کرنے کے لیے بات نہیں کرتے بلکہ حق بتانے کے لیے بات کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ سب کو حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قانونِ شہادت:

فرمایا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶ اے ایمان والو! اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا

کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی نقصان نہ پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔ جہاں بھی 'اٰمَنُوْا' کا لفظ آتا ہے تو اُس میں روزِ اوّل کے پہلے مسلمان سے لے کر قیامت تک آنے والا آخری کلمہ گو مخاطب ہے۔ سب مومنوں کے لیے یہ حکم ہے کہ بدکاروں اور بے عمل لوگوں کی گواہی پر اعتبار نہ کرو بلکہ خود تحقیق کرو۔ یہاں قانونِ شہادت بیان فرمایا ہے۔ فرمایا، کوئی آ کر بتاتا ہے کہ فلاں قبیلہ اسلام کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے تو اگر وہ خبر دینے والا نیک اور دین دار بندہ ہے تو پھر تو ٹھیک ہے۔ اگر وہ فاسق ہے یعنی مومن تو ہے، کافر نہیں لیکن اُس کا کردار کمزور ہے اس میں خامی ہے تو اُس کی بات پر اعتبار نہ کرو بلکہ خود تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھول کر کسی قبیلے یا قوم پر حملہ کر دو اور بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے کہ وہ تو مسلمان بھائی تھے۔ یہ قانونِ شہادت ہے اور اسی پر عدلیہ کی بنیاد ہے۔ ہماری عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ جہاں کوئی واقعہ ہوتا ہے تو پیشہ ور گواہ ہوتے ہیں یا دوستوں، رشتہ داروں کو ڈھونڈ کر گواہ بنایا جاتا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی موقع پر موجود نہیں ہوتا لہٰذا سارا جھوٹ بولا جاتا ہے۔ اُس جھوٹ پر ہی فیصلے ہوتے ہیں۔ فرمایا، جھوٹ پر فیصلے نہ کرو کہ گواہی دینے کا حق اس کا ہے جو با کردار ہو۔ فقہائے کرام نے تو اس حد تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص گلی میں چلتا ہوا کچھ کھاتا جا رہا ہے، اُس نے دکان سے مٹھائی کا ٹکڑا اُٹھایا یا پھل اٹھایا اور چلتے چلتے کھاتا جا رہا ہے تو اُس کی بھی گواہی قبول نہ کی جائے۔ اس لیے کہ وہ غیر مہذب ہے۔ باقی کردار تو ایک طرف رہ گیا جھوٹا ہے بے نمازی ہے حرام کھاتا ہے یہ تو بڑی بڑی باتیں ہیں جو گلی میں چلتے پھرتے کھاتا ہے وہ بھی اس قابل نہیں کہ اُس کی گواہی قبول کی جائے۔ مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کسی فاسق کی گواہی پر اعتبار نہ کریں اور خود معاملے کی تحقیق کریں۔ ایسا نہ ہو کہ فیصلہ کرنے کے بعد پچھتانا پڑے، بے گناہ سزا پا جائیں اور گناہ گار بَری ہو جائیں۔

دین کی عظمت:

فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔۔۔ اور جان رکھو تم میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی حیاتِ مبارکہ میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف نہیں لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جتنے اسفارِ مبارک ہیں جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ساری انسانیت کے لیے، قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام ہر جگہ پہنچا اور دین کی عظمت یہ ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خود ارشاد فرما رہے ہیں۔ دین کی اہمیت یہ ہے کہ جب ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی حکم پہنچے تو اُسے اس طرح سمجھا جائے کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم خود سامنے جلوہ افروز ہو کر حکم دے رہے ہیں کہ ایسا کرو۔ اس بات کا اُس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ حاضر ناظر ہیں۔ حاظر ناظر

اللہ ہے اور وہ جانے اور اُس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم جانے۔ اُس کا دین ہے لیکن یہ یقین کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم ہے اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ مجھے مولوی صاحب یا پیر صاحب یا مقرر نہیں بتا رہے بلکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے سے بات پہنچ رہی ہے تو گویا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے حکم دے رہے ہیں۔ فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔۔۔ یہ یاد رکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تمہارے درمیان موجود ہیں۔ موت نے اُن کو تم سے جدا نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت موجود ہے۔ آج بھی یہی کلمہ پڑھا جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ كَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ کبھی رسولؐ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم آج بھی رسولؐ ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی اہمیت یہ ہے کہ گویا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کھڑے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تمہیں حکم دے رہے ہیں۔

اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دیا، فرمایا: وَانْحَرْ (الکوثر:2) قربانی کیجیے۔ قرآن کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے نزولِ آیت سے لے کر وصالِ مبارک تک قربانی کی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی طرف سے سو اونٹ قربان فرمائے۔ جن میں سے تریسٹھ (63) کو اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمایا اور باقی کے اونٹ قربان کرنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا کہ میری طرف سے ذبح کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ جب میں پردہ فرما جاؤں تو جب تک زندہ رہو اپنی قربانی کرو تو میری طرف سے بھی قربانی کرنا۔ آج بھی خوش نصیب مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں۔ دوسری طرف وطن عزیز میں نئی روشنی کے علمبردار دانشور بھی ہیں جنہیں احکامِ الٰہی پر اعتراض سوجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قربانی پر اربوں روپے ضائع ہو جاتے ہیں جو غریبوں کو دیے جا سکتے تھے۔ ان سے پوچھا جائے کہ تمہاری عورتیں لاکھوں کا میک اپ کراتی ہیں وہ غریبوں کو کیوں نہیں دیتے؟ جو حکم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے اُسے بدل دینا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں اُس پر عمل نہ کرو، ان دانشوروں کی مانو تو یہ کفر ہے۔ یہ معمولی جرم نہیں۔ اس لیے کہ فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ۔۔۔ یہ یقین رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہم میں موجود ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام پہنچ رہا ہے تو پہنچانے والا اُس بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کا خادم ہے۔ جب بھی تمہارے پاس اللہ کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے پہنچتا ہے تو یاد رکھو کہ برکاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم موجود ہیں۔ عظمتِ رسالت موجود ہے اور نبوت و رسالت برقرار ہے، فرمایا: لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ ۔۔۔ اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہنا مانیں تو تم کو نقصان پہنچے۔ یہ جو تم مشورے دیتے ہو، اپنی رائے دیتے ہو تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یہ ماننے لگیں تو ہر شے تباہ ہو جائے کہاں فراستِ نبوت، نورِ نبوت اور وحیٔ الٰہی اور کہاں تمہاری سوچیں! تم نبی نہیں ہو، تم

امتی ہو اور تمہارا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا ہے، اپنی منوانا نہیں ہے۔ تمہارا کام ہے: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (البقرہ:285) بات سننا اور اطاعت کرنا۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اگر تم اپنی منوانے لگو یا دانش وروں کی ماننے لگو تو تباہ ہو جاؤ گے۔ آج ہم تباہی کا رونا رو رہے ہیں۔ ملک میں افلاس، دہشتگردی اور انصاف کے نام پر ظلم ہو رہا ہے۔ وکیل مقدمہ نہیں لڑتے بلکہ فیس (FESS) لے کر ہڑتالوں پر چلے جاتے ہیں۔ ہسپتالوں میں دوائی ناپید ہے۔ دہشت گرد دھماکے کر رہے ہیں۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ ہم زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے ہیں اور یہ اُس کے پھل ہیں۔ فرمایا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات چھوڑ کر جب اپنی من مانیاں کرو گے تو تمہیں دکھ پہنچیں گے تم تباہ ہو جاؤ گے۔

تقاضائے ایمان اور شانِ صحابہؓ:

فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ ۔۔۔ ولیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز اپنا ایمان ہو۔ مال و دولت چھوڑ سکے، گھر بار چھوڑ سکے حتیٰ کہ جان دے سکے لیکن ایمان پر آنچ نہ آنے دے۔ فرمایا: وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔۔۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے ایمان کو تمہارے دلوں کا بناؤ سنگھار اور زینت بنا دیا ہے۔ جب گھروں میں کوئی بستا ہے تو وہاں زینت ہوتی ہے، میز کرسیاں ہوتی ہیں بستر ہوتے ہیں، فرش وغیرہ ہوتے ہیں۔ جب کوئی بسنا چھوڑ دے تو وہی گھر کھنڈر بن جاتا ہے۔ فرمایا، دل کی زینت ایمان ہے اور ایمان ہی سے دل آباد ہوتا ہے، ہنستا بستا اور سجتا ہے۔ ایمان سے ہی دل میں رونق ہوتی ہے۔ باسی رخصت ہو جائیں تو کھنڈر بن جاتا ہے۔

فرمایا: وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔۔۔ اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو نفرت دے دی۔

یہ شانِ صحابہؓ بیان ہو رہی ہے جو قرآن کے مثالی مسلمان تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا اور اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے دین پر عمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا کہ یہ درست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دین کو مخلوق تک پہنچانے کا سبب بنے۔ فرمایا، میں نے ان کے دلوں میں ایمان سجا دیا ہے اور اُن میں کفر نافرمانی اور گناہ کے خلاف نفرت بھر دی ہے۔ صحابہ کرامؓ معیارِ ایمان ہیں۔ آج اگر ہم اپنا ایمان پرکھنا چاہیں تو یہ کسوٹی ہے کہ مجھے ایمان کتنا عزیز ہے اور کفر سے کتنی نفرت ہے۔ مجھے نیکی کتنی عزیز ہے اور گناہ، فسق اور

نافرمانی سے کتنی نفرت ہے۔ مجھے اطاعت کتنی مرغوب ہے اور نافرمانی سے کتنی نفرت ہے۔ صحابہؓ کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے یہ معیار ہے جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝

یہی لوگ درست راستے پر ہیں۔ یہ پہلے پہلے مسلمان، یہی سچائی کے راستے پر ہیں۔ یہ راشدون ہیں یہ سچے راستے پر کھڑے ہیں۔ ہم یہ لفظ اکثر سنتے ہیں 'خلفائے راشدین' تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ سچائی پر قائم، برحق، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا، سو فرمایا: فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اللہ کی مہربانی اور احسان سے اور اللہ جاننے والے، حکمت والے ہیں۔ فرمایا، ان پر اللہ کی بے پناہ نعمتیں ہیں اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ سے بھول ہوگئی یا غلطی سے ان پر مہربانیاں فرما رہا ہے۔ اللہ تو ظاہر و باطن ہر چیز سے واقف ہے۔ انؓ کے ایمان و یقین، انؓ کی فکر اور کردار سے واقف ہے۔ وہ حکیم ہے دانا تر ہے اور اُس کے سارے فیصلے مبنی بر حکمت ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے (معاذ اللہ) نبوت آئی تو کسی اور کے لیے تھی لیکن فرشتہ غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گیا۔ افسوس کہ گمراہی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ جو راستہ بھٹک جائے اُس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ خواہ قیامت تک بھٹکتا رہے منزل نہیں آتی۔ جو خوش نصیب لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں یہ ایک الگ طبقہ ہے جو حقیقی طور پر انسانی اوصاف سے سرفراز ہوتا ہے۔

مومنین میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے:

اس دارِ دنیا میں انسان کی ضرورتیں ہیں، اُس کے مفادات ہیں جن میں ٹکراؤ بھی آجاتا ہے۔ ایک بندہ پانی چاہتا ہے تو دس پیاسے اور بھی وہاں سے پانی پینا چاہتے ہیں۔ ایک بندہ کہیں سے دولت کمانا چاہتا ہے تو ساتھ بیسیوں امیدوار اور بھی کھڑے ہوتے ہیں جو وہاں سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مفادات کا ٹکراؤ فطری چیز ہے۔ مومنین بھی انسانی معاشرے کا حصہ ہیں چنانچہ ان میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں بلکہ دونوں صالح ہوں، سوچ بھی صالح ہو پھر بھی ایک ہی بات کو سمجھنے میں دونوں کو فرق لگ سکتا ہے۔ ایک سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے، دوسرا سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یہ فہم اور شعور اور فکر کا فرق ہوتا جو دو نیک صالح مومنوں کے درمیان بھی ممکن ہے اور اگر ایسا ہو تو اُس کا علاج کیا ہے؟

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کسی بھی چیز کا طریقہء استعمال اُس چیز کا موجد ہی بتا سکتا ہے۔ تمام ایجادات کے ساتھ یہی اصول نظر آتا ہے تو جس نے یہ کارگاہِ حیات بنائی ہے یہ حق اُسی کا ہے کہ اس میں رہنے سہنے کے انداز اور طریقے سکھائے۔

صلح عدل پر ہوگی:

انسانی معاشرے کی بقا اُن بنیادی اصولوں پر ہے جن کی بنیاد عدل ہے۔ اگر عدل اُٹھ جائے تو معاشرے سے انسانیت رخصت ہو جاتی ہے۔ انسانی معاشرے میں رہتے ہوئے مومنین میں بھی اختلاف کی صورت بن سکتی ہے۔ فرمایا: وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا ۔۔۔ اگر مومنوں کی دو جماعتوں میں ناانصافی ہو جائے اور بات قتال تک جا پہنچے تو کیا کیا جائے؟ ہر معاشرے میں نظام ہوتا ہے۔ اُس میں عوام اور خواص ہوتے ہیں۔ اُس میں امورِ سلطنت یعنی معاشرے کا نظام چلانے والا ذمہ دار طبقہ بھی ہوتا ہے۔ اب جب مومنین کی دو جماعتوں میں اختلاف ہوگا تو یقیناً سارا معاشرہ تو تقسیم نہیں ہوگا۔ کچھ لوگ ایک طرف ہوں اور کچھ دوسری طرف ہوں گے جبکہ اکثریت دونوں طرف سے الگ ہوگی۔ جو ذمہ دار طبقہ ہے وہ اِس تقسیم میں نہیں ہوتا۔ اگر مومنین میں اختلاف ہو اور معاملہ قتال تک پہنچ جائے تو ان ذمہ دار لوگوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ فرمایا: فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۔۔۔ اگر دو فریق اختلاف میں مبتلا ہیں تو باقی مومنین کی ذمہ داری ہے کہ اُن کے درمیان صلح کرائیں۔ یہ صلح کیسے ہوگی؟ دونوں کی ہی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ اللہ کی بات اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی جائے گی۔ قرآن اور سنتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلح ہوگی۔ دونوں کو اپنا مطالبہ چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر جمع ہونا ہوگا۔ اگر دونوں نے تسلیم کر لیا تو جھگڑا ختم ہو گیا لیکن فرمایا: فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی ۔۔۔ پھر اگر اُن میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے۔ ایک تسلیم کرتا ہے لیکن دوسرا کہتا ہے کہ وہ نہیں مانتا اور اپنی بات منوانے پر اصرار کرتا ہے تو پھر باقی امت کو حکم ہے، فرمایا: فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۔۔۔ اُس فریق سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔ پھر باقی امت اُس کے خلاف شمشیر بکف ہو کر اُس سے جہاد کرے گی اور اس سے بات منوائے گی البتہ دشمنی پھر بھی نہیں ہوگی۔ اُسے ذلیل کرنا یا قتل کرنا مقصود نہیں ہے۔ محض قتل عام کے لیے جنگ نہیں ہوگی۔ اُسے ظلم اور زیادتی سے روکنے کے لیے جہاد ہوگا اور تب تک ہوگا جب تک وہ اللہ کا حکم ماننے کے لیے تیار نہ ہو۔ فرمایا: فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ ۔۔۔ پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں میں عدل سے صلح کرا دو۔ اگر وہ بات قبول کر لے تو جنگ ختم ہو جائے گی۔ اُن کی صلح انصاف پر ہوگی، بھائی بھائی ہو جائیں گے غصہ اور نفرت نہیں رہے گی۔

عدل کیا ہے؟ وہ طریقہ جو اللہ نے انسانی معاشرے کو قائم رکھنے کے لیے عطا فرمایا، عدل ہے۔ عدل،

قرآن ہے۔ عدل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے۔ صلح عدل کے مطابق کرائی جائے اور فرمایا: وَاَقْسِطُوْا۔۔۔ ہمیشہ انصاف پر قائم رہو کہ ناانصافی ہمیشہ بے اتفاقی اور فساد کی بنیاد بنتی ہے۔ جہاں کسی سے ناانصافی ہوتی ہے وہ واویلا کرتا ہے جبکہ ناانصافی کرنے والا اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور مطالبہ کرنے والا اپنے حق کے لیے شور کرتا ہے۔ یوں معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ عدل پر قائم رہے۔ جو حق اللہ نے دیے ہیں وہ لے اور جو دینے کا حکم دیتا ہے وہ ادا کرے۔ عدل یہ ہے کہ ہر ایک کا حق اُس کے مانگنے سے پہلے اُس تک پہنچاؤ۔ یہ حق کیا ہوتا ہے؟ ہر بندے کی جو ذمہ داری ہوتی ہے وہ دوسرے کا حق ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرو تو ہر ایک کو اُس کا حق بغیر مانگے ملتا رہے گا۔ اسلام حقوق کی ادائیگی کی بات کرتا ہے مطالبہ نہیں سکھاتا۔ اپنا حق لینے کے لیے بے شمار لوگوں کے حقوق پامال کرنا اسلام کی نظر میں جائز نہیں ہے۔

وطنِ عزیز میں تو اب رواج ہو گیا ہے کہ ہر بندہ حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ہر شعبہء زندگی کے لوگ کسان سے لے کر سرکاری ملازم تک اور ڈاکٹر سے لے کر وکیل تک ہر بندہ سڑک پر ہے۔ سیاستدان جلسے کرتے ہیں تو راستے روک لیتے ہیں۔ دکانداروں کی دکانیں بند ہو جاتی ہیں دیہاڑی پر کام کرنے والے مزدوروں کو کام نہیں ملتا، ایمبولینس میں مریض مر جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جلسہ کرنا ان کا جمہوری حق ہے۔ وہ جن کی دکانیں بند ہیں اُن کا بھی تو کوئی جمہوری حق ہوگا۔ وہ مریض جو ایمبولینس میں دم توڑ گئے اُن کا بھی جمہوری حق تھا کہ وہ اسپتال (ہسپتال) پہنچ جاتے۔ اسلام حق دینے کی بات کرتا ہے کہ اپنا حق تو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اپنا حق تو صاحبِ حق معاف بھی کر سکتا ہے لیکن جو اُس کے ذمے ہے وہ اُسے ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ چنانچہ عدل پر قائم رہو کیونکہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴿۹﴾ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ یقیناً اللہ کریم کو وہ بندے محبوب ہیں، بڑے پیارے ہیں جو عدل پر قائم رہتے ہیں۔ قِسط، عدل یا انصاف سے مراد دوسروں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ فرمایا، عدل کرنے والوں اور حق پر قائم رہنے والوں سے اللہ کریم محبت کرتے ہیں۔

مسلمان بھائی ہیں:

اسلام میں کوئی ذات پات ہے نہ پیشے کے اعتبار سے اونچ نیچ ہے کوئی طاقتور ہے کوئی کمزور ہے۔ کوئی امیر ہے نہ کوئی غریب ہے۔ یہ درجہ بندیاں معاشرے کی ہیں۔ فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔۔۔

بے شک ایمان والے تو سب بھائی ہیں۔ اسلام سب سے بڑی برادری ہے جس میں کلمہ پڑھ کر داخل ہونے والے سارے مسلمان، بحیثیتِ انسان، بحیثیتِ خادمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سب بھائی بھائی ہیں۔ اسلام ایک برادری ہے، BROTHERHOOD ہے جس میں سارے مسلمان ہیں۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں ایک مومن اور دوسری کافر، یہی اسلامی نظریہ ہے جسے ہم دوقومی نظریہ کہتے ہیں۔ فرمایا، مسلمان سارے بھائی ہیں اور بھائیوں میں لڑائی اچھی نہیں لگتی۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنا بھائیوں میں زیب نہیں دیتا، لہٰذا فرمایا: فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۔۔۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو۔ اپنے بھائیوں میں صلح، اتفاق اور اتحاد رکھو۔ تمام مسلمانوں کے درمیان اصلاح کا کام جاری رکھو۔ ہر ایک کو وہ سب چیزیں جو اُس کا حق بنتا ہے وہ اُسے دی جانی چاہیے۔ یہ صلح اور اتحاد کیسے قائم رہے گا؟ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

یہ بات بارہا گزر چکی کہ اردو کا دامن تنگ ہے اور تقویٰ کا ترجمہ ڈر لکھ دیا جاتا ہے۔ ڈر کی بہت سی اقسام ہیں۔ ہمیں بیماری کا بھی ڈر ہے دشمن اور موذی جانور سے بھی ڈرتے ہیں۔ یہ تقویٰ کون سا ڈر ہے؟ جب اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا تعلق استوار ہو جائے کہ بندہ کوئی کام اور بات کرنے سے پہلے یہ سوچے کہ کہیں اس سے میرے تعلق میں بال تو نہیں آ جائے گا؟ اس رشتے میں دراڑ تو نہیں آ جائے گی؟ کہیں یہ کام یا بات ایسی تو نہیں ہے کہ اس کے کرنے سے اللہ کریم اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ناراض تو نہیں ہو جائیں گے؟ اگر یہ احتمال ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس رشتے کے ٹوٹنے کے ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔۔۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ اللہ سے اپنے بندگی کے تعلق کو قائم رکھے اور اُسے توڑنے سے ڈرے۔ فرمایا، اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو تم اس قابل ہو جاؤ گے۔ فرمایا: لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ہر کامیابی رحمتِ الٰہی کے سبب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جنت میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اللہ کریم رحم فرمائیں گے تو جنت میں جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ مبارک میں ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ ارشاد فرمایا تو انہوںؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے شفیع المذنبین کا منصب عطا فرمایا ہے۔ دوسروں کی بخشش کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو پھر آپ بھی اللہ کی رحمت سے ہی جنت جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں، میں بھی اللہ کی رحمت سے جاؤں گا، اللہ نے مجھے یہ منصب اور یہ عظمتیں عطا کی ہیں تو یہ بھی اللہ کی رحمت ہے۔ ہر فرد رحمتِ الٰہی کا محتاج ہے۔ فرمایا، تقویٰ اختیار کرو تا کہ اللہ تم پر رحم کرے اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق بخشے۔

مشاجراتِ صحابہؓ:

علمائے حق کا ارشاد ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی آپس میں تمام جنگوں کو شامل ہے خصوصاً صحابہ کرامؓ کی آپس کی آویزیش کہ اگر قتال بھی ہوا تو سب نے پورے خلوص سے اجتہاد کیا اور سب کا مقصد رضائے الٰہی تھا۔ لٰہذا بعد میں آنے والوں کو اُن پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ اُن کا ذکر بہترین انداز میں کرنا ضروری ہے۔ علمائے حق تو حق کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا علم، اُن کا ورع وتقویٰ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ حق پر قائم رہیں اور دوسروں کو حق بتائیں۔ اُن کے علاوہ ایک جدید طبقہ جو خود کو روشن خیال کہتا ہے وہ ان واقعات میں بڑی بحثیں کرتا ہے۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ یہ اختلاف کیا تھا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے شہید کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث تھے، اُن کا یہ فرمانا تھا کہ شرعی طور پر جتنے باغی تھے، ہزار یا بارہ سو سب واجب القتل ہیں کہ یہ سب امیر المومنینؓ کے قتل میں شامل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قتل کے بدلے وہ شخص قتل کیا جائے گا جس کی ضرب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں باقی گروہ کو سزائیں دی جاسکتی ہیں لیکن سب کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایک شرعی مسئلے پر اختلاف تھا ورنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکمران ہونے پر اعتراض تھا نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر ہونے پر اعتراض تھا۔ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل تھے اُن میں سے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ جب اختلاف بڑھا اور دونوں فریق میدان میں آ گئے رات گئے اُنہی قاتلانِ عثمان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوتے ہوئے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا مقابلہ نہ کرو بلکہ قرآن بلند کرو کہ فیصلہ قرآن پر ہوگا تلوار سے نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قرآن بلند کر لیے۔ تین صحابہ ء کبارؓ کو ثالث مقرر کیا گیا اور اُنہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ دے دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنری پر بھی بحال رکھا۔ جنگ نہیں ہوئی البتہ وہ جھڑپ ضرور ہوئی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں نے حملہ کیا تھا۔ جب قرآن پر فیصلہ ہو گیا تو وہی قاتلینِ عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو گئے اور اُن پر کفر کا فتویٰ تک لگا دیا۔ یہ لوگ خارجی کہلائے اور ایک طبقہ وجود میں آیا جو آج بھی خارجی کہلاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اِن کی جنگیں بھی ہوئیں۔ یہی لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین بنایا گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اُن کے تابع گورنر تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تقریباً چھ ماہ امیر المومنین رہنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کام میرے کرنے کا نہیں آپؓ یہ سارا بوجھ اٹھایئے۔ چنانچہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس پر بڑا فخر کرتے تھے کہ میں نے امت کے دو طبقوں میں صلح کی وہ بنیاد رکھی ہے کہ پھر سے سب کو یکجا کر دیا ہے۔

سورۃ الحجرات رکوع 2 آیات 11 تا 18

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ
الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا
يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ
اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ
اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ

هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾

اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو خراب نام سے پکارو ایمان لانے کے بعد بُرا نام رکھنا گناہ ہے اور جو باز نہ آئیں گے تو وہی ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور (ایک دوسرے کا) تجسس نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو اس سے تم نفرت کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والے مہربان ہیں ﴿۱۲﴾ اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ جاننے والے خبر رکھنے والے ہیں ﴿۱۳﴾ یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو تو وہ (اللہ) تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے بے شک اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۴﴾ درحقیقت ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں ﴿۱۵﴾ فرما دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ اللہ کو تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتے

ہیں ﴿۱۶﴾ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں فرما دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی راہ دکھائی اگر تم سچے ہو تو ﴿۱۷﴾ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھ رہے ہیں ﴿۱۸﴾

تفسیر و معارف

ایک خوبصورت معاشرے کی بنیاد:

اللہ جل شانہ نے اس کائنات بسیط میں انسان کو اپنا نائب، خلیفہ یعنی اُس کے مطابق اس کو استعمال کرنے والا بنایا ہے۔ ہر قوم کو اُس کی ضرورت کے مطابق احکامات عطا فرمائے گئے۔ انبیا مبعوث ہوتے رہے اور ہر انسانی آبادی میں اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ انسانیت ترقی کی راہ پر تھی اور معاشرہ وسعت پذیر تھا۔ جب انسانیت اپنے کمال کو پہنچی تو اللہ کریم نے اپنا وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث فرمایا جس کی بعثت نے تکمیلِ نبوت کر دی اور رب العٰلمین نے جو کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائی وہ نزول سے لے کر قیامت تک کے ہر معاشرے ہر عہد کے ہر سوال کا جواب دیتی رہے گی۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے۔ اب نیا نبی نہیں آئے گا، نئی کتاب نہیں آئے گی۔

انسانیت روز بروز تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ جب آبادیاں بڑھتی ہیں تو معاشرتی مسائل بڑھتے ہیں۔ مل جُل کر رہنے میں اُلجھنیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب امور کا سدِ باب اسلام نے بنیاد میں کیا۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔۔۔ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اُڑائے شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ فرمایا، کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقے کا مذاق نہ اُڑائے۔ کسی کو زچ کرنے کے لیے یا کسی کی تحقیر کرنے کے لیے کسی کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اُسے مذاق کہتے ہیں۔ کوئی ایسی بات کی جائے جس سے اُس کی قدر خراب ہوتی ہو اور لوگ اُسے برا سمجھیں، اچھا نہ جانیں۔ فرمایا، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کا مذاق اُڑائے۔ مذاق کرنا ایک بات ہے اور مذاق اڑانا اور بات ہے۔ ایک دوسرے سے خوش طبعی میں باتیں کرنا مذاق کرنا ہوتا ہے۔ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت یہ ہے کہ اُس میں جھوٹ شامل نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی مزاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی بڑھیا نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! میرے پاس کوئی اونٹ نہیں رہا۔ مجھے

بیت المال سے اونٹ عطا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا، اچھا میں تجھے اونٹنی کا بچہ دے دیتا ہوں۔ عرض کیا، یارسول اللہ! میں ایک بچہ پالتی رہوں گی، دو تین سال بعد وہ اونٹ بنے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے اونٹ ہی دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں، 'اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے'۔ سو مذاق میں خوش طبعی ہو لیکن جھوٹ نہ ہو۔ ایک ضعیف خاتون حاضرِ خدمت ہوئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! دعا کریں اللہ مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا، کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! بوڑھا ہونے میں ہمارا کیا قصور ہے اللہ نے اتنی عمر دی تو فطری طور پر بوڑھے ہو گئے۔ اب اس گناہ میں ہم جہنم جائیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جنت میں سب جوان ہو کر داخل ہوں گے بوڑھا جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ تھا انداز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مزاح کا جس میں خوش طبعی ہوتی تھی مگر جھوٹ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری بات ہوتی ہے مذاق اُڑانا۔ ہنسی ہنسی میں یا سنجیدگی میں بھی کسی کے خلاف ایسی بات کرنا کہ لوگ اُس پر ہنسیں اور اس کی تحقیر ہو، یہ حرام ہے۔ کسی کو دوست سمجھتے ہو یا دشمن، اچھا سمجھتے ہو یا برا لیکن اس کا مذاق نہ اُڑاو۔ اب یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ اگر یہ مذاق اُڑانا ہی چھوڑ دیا جائے تو معاشرے میں نوے فیصد ناراضگیاں ختم ہو جائیں۔ فرمایا، جس کو تم کمتر سمجھ کر مذاق اُڑاتے ہو عین ممکن ہے عنداللہ وہ بہت معزز ہو۔ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہو لیکن بڑا تو وہ ہوگا جسے اللہ بڑائی عطا کریں گے۔ پھر الگ سے عورتوں کو حکم دیا جا رہا ہے، فرمایا: وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ ۔۔۔ اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اُڑائیں)۔ عورتوں میں یہ بیماری زیادہ ہوتی ہے بلکہ عورتیں جب گفتگو کرتی ہیں تو اس میں سے نوے فیصد غیر ضروری باتیں ہوتی ہیں جن کی بنیاد دوسری عورتوں کو کمتر بتانا اور خود کو سب سے اچھا بتانے پر ہوتی ہے۔ صرف اس میں دس باتیں اپنی ضرورت کی ہوتی ہیں باقی سب دوسروں کی خامیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ فرمایا: عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ جنہیں یہ کمزور یا برا سمجھ کر مذاق اڑا رہی ہیں وہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہوں۔ اچھائی اور برائی کا معیار کسی کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ وہ اچھا ہے جو اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور وہ برا ہے جو عنداللہ برا ہے۔ سو تم نہیں جانتے لہٰذا کسی کی تحقیر نہ کرو۔

اگر معاشرے کو خوبصورت دیکھنا چاہتے ہو تو فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔۔۔ اور ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ ایک دوسرے کی نکتہ چینیاں، طعن و تشنیع ہمیشہ نفرت کا باعث بنتی ہے، سو ایسا نہ کیا کرو۔ بات کرتے ہوئے ہمیشہ حقائق پر بات کرو ایسا نہ کرو کہ معاملہ کوئی اور ہو تم فوراً طعنہ دینے لگ جاؤ کہ تمہارے باپ نے یہ کیا تھا یا پچھلے سال تم نے ایسا کیا تھا وغیرہ۔ ایسا کوئی جملہ ادا نہ کرو جس میں کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ فرمایا: وَلَا تَنَابَزُوْا

بِالْاَلْقَابِ۔۔۔اور نہ ایک دوسرے کو خراب نام سے پکارو۔ کسی فرد کو بھی برے ناموں سے منسوب نہ کرو، یعنی اس طرح نہ کہو کہ فلاں لنگڑا ہے، کانا ہے، لولا ہے یا ٹھگنا ہے۔ اسی طرح کے دیگر نام کسی کو نہ دو اور نہ اُن سے پکارو۔ ہر فرد کا ایک اپنا نام ہے اُس کے ساتھ ایک طعنے کی طرح ایسے نام کا اضافہ نہ کرو جس میں اس کی عزت کم ہوتی ہو۔ فرمایا: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔۔۔ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔

یہ کافر معاشرے کا شعار ہے، بہتان تراشی، غیبت، برے ناموں سے پکارنا یہ سب غیر اسلامی اطوار ہیں اور مسلمان ہونے کے بعد ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اور جو باز نہ آئیں گے تو وہی ظلم کرنے والے ہیں۔ اگر کوئی ان باتوں سے توبہ نہیں کرتا تو اُس کا شمار ظالموں میں ہوگا اور اُس کے ساتھ آخرت میں وہ سلوک ہوگا جو ظالموں کے لیے مقرر ہے۔ یہ معاشرے کی بنیادی اینٹیں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے میں امن سکون اور خوشی تب آتی ہے جب افراد میں باہم اعتماد ہو۔ سب ایک دوسرے کی عزت، جان، مال اور آبرو کے محافظ ہوں تو انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور وہاں سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔ جہاں یہ خطرہ ہو کہ کوئی میرا مال نہ لوٹ لے، میری بے عزتی نہ کر دے وہاں سکون نام کی کوئی شئے نہیں ہوتی۔ غیر اسلامی معاشرے میں کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا وقت گزارنے کے لیے سب اپنی اپنی جگہ ضرور ہیں۔ ماں باپ بھی ہیں، بھائی بہن رشتہ دار بھی ہیں سیاسی پارٹیاں بھی ہیں لیکن مجبوراً ہیں۔ حقیقتاً کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ امریکہ میں ایک کتاب لکھی گئی تھی "THE LONELY CROWD" اکیلے اکیلے بندوں کا مجمع یعنی بے شمار لوگ ہیں لیکن ہر کوئی اکیلا ہے۔ کتاب کا مصنف امریکی ہے اور جس سال یہ لکھی گئی اس سال کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب یعنی BESTSELLER تھی۔

مصنف لکھتا ہے کہ امریکہ میں بہت زیادہ انسانی آبادی ہے لیکن ہر بندہ اکیلا ہے۔ افسوس کہ آج مسلمان بجائے اس کے کہ ہم غیر اسلامی معاشروں کو صحیح راستہ دکھاتے ہم نے خود اُن معاشروں کی اقدار اپنانا شروع کر دی ہیں۔ اسلام معاشرے کو یکجان کرتا ہے۔ ہر فرد کی عزت کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس کا احترام بحال رکھتا ہے ہر ایک کی جان و مال آبرو کو تحفظ دیتا ہے اور اُن باتوں سے بھی منع کرتا ہے جو معاشرے میں نفرتوں اور بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ فرمایا، یہاں سے، بنیاد سے احتیاط شروع کرو تاکہ بُرائی فروغ نہ پا سکے۔ معاشرے میں بہت سی خرابیاں شکوک و شبہات کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ہم خود سے ہی سوچ لیتے ہیں کہ فلاں شخص نے میرے خلاف کیا ہوگا۔ اب اُس مفروضے کی بنیاد پر ہم اُس کے خلاف کچھ کہہ دیتے ہیں وہ بات اُس تک پہنچتی ہے۔ پھر جواب میں وہ اُس سے زیادہ سخت بات کہتا ہے جو ہم تک پہنچتی ہے۔ یوں بڑھتے بڑھتے بات دشمنی قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے جبکہ اصل میں

بات کچھ بھی نہیں ہوتی۔ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔۔۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو اللہ کریم فرماتے ہیں اے وہ لوگو! جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے ایک دوسرے سے بدگمانی سے بچو اور حقائق پر نظر رکھا کرو۔ کثرتِ ظن سے بچو کہ فلاں نے ایسا کہا ہوگا، ایسا کیا ہوگا۔ اب تو یہ عالم ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ فلاں میرے خلاف یہ سوچ رہا ہوگا۔ عجیب بات ہے بھئی! نہ اُس کے منہ سے بات نکلی نہ کسی نے سنی نہ کوئی گواہ ہے محض گمان ہے کہ اس نے ایسا سوچا ہوگا! فرمایا، یہ جائز نہیں ہے حقائق پر باتوں کی بنیاد رکھو۔ نتیجہ ہمیشہ حقیقت پر مرتب ہوتا ہے اوہام پر نہیں۔ یہ بھی یاد رکھو، فرمایا: وَّلَا تَجَسَّسُوْا۔۔۔ اور (ایک دوسرے کا تجسس نہ کیا کرو۔ ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کیا کرو کہ کون کیا کر رہا ہے، کہاں جا رہا ہے، کس سے کیا بات کر رہا ہے۔ اس جستجو میں نہ رہو کہ کس میں کیا کمی ہے کیا عیب ہے تاکہ لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ فرمایا: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔۔۔ اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔ یہ درست نہیں ہے کہ ایک بندہ موجود نہیں ہے تو اُس کے گناہ شمار کرنے لگو۔ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ ہم کسی کی غیر حاضری میں بات کرتے ہیں کسی کو چور کہتے ہیں اور وہ واقعی چور ہے تو کیا پھر بھی یہ غیبت شمار ہوگی؟ بزرگ نے فرمایا غیبت ہوتی ہی یہ ہے کہ آپ کسی کا گناہ اُس کے پسِ پشت لوگوں سے بیان کریں۔ اگر اُس میں وہ عیب ہی نہیں جو آپ نے بیان کیا تو یہ بہتان ہوگا اور یہ اُس سے بڑا ظلم ہوگا۔ چاہیے تو یہ کہ اُس بندے کے سامنے بات کی جائے اور اُسے سمجھایا جائے کہ وہ برائی چھوڑ دے۔ اسی طرح بچے، کافر، ذمی اور مجنون کی غیبت بھی حرام ہے۔ اس میں ایک گنجائش یہ ضرور ہے کہ اگر مثلاً کوئی نشہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں کسی ادارے کو جو نشیوں کا علاج کرتا ہے بتانا غیبت نہیں ہوگی۔ البتہ مجلس میں بیٹھ کر محض اُس کی توہین کرنے کے لیے اگر بات کی جائے تو وہ غیبت ہوگی۔ غیبت کی حقیقت یہ ہے فرمایا: اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا۔۔۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ فرمایا: فَكَرِهْتُمُوْهُ۔۔۔ تو اُس سے تم نفرت کرو گے۔ تم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھاؤ۔ مردہ چونکہ بے حس ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی اُس کا گوشت کاٹنا شروع کر دے تو اُسے پتا چلتا ہے نہ اُسے تکلیف ہوتی ہے لیکن اُس کا باطن کھل رہا ہوتا ہے۔ اس کی ہڈیاں ننگی ہو رہی ہوتی ہیں پیٹ کھل رہا ہوتا ہے۔ فرمایا، اسی طرح جب غیبت کی جاتی ہے تو غائب کو پتا نہیں ہوتا لیکن غیبت کرنے والا اُس کا پردہ چاک کر کے اُس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے تم ایک مردے کو نوچنے لگ جاؤ۔

ایک بزرگ سے کسی نے آ کر شکایت کی کہ حضرت فلاں آدمی نے آپ کو گالی دی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا،

اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو بات یوں بنتی ہے کہ اُس نے مجھ پر تیر چلایا لیکن وہ راستے میں گر گیا مجھے نہیں لگا۔ اُس نے گالی دی، میں نے نہیں سُنی، مجھے کوئی علم نہیں۔ تم نے وہاں راستے سے تیر اٹھایا اور لا کر مجھے چبھو دیا۔ میں تو تمہاری زبان سے گالی سن رہا ہوں میرے مجرم تم ہو۔ ان باتوں سے بھی اجتناب کی ضرورت ہے کہ یہ فساد پھیلاتی ہیں۔

مومن کی ڈھال تقویٰ:

ان ساری برائیوں سے، بدگمانی، شکوے طعن و تشنیع برے القاب رکھنا اور غیبت سے کیسے بچو گے؟ فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔۔۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جل شانہ سے تمہارا جو تعلق ہے اُسے پیش نظر رکھو کہ اگر یہ کام کیے تو میرا ربّ ناراض ہو جائے گا تب بچ پاؤ گے۔ تقویٰ ذاتِ باری کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہوتا ہے جس میں بال آنے کا ڈر ہو تو ان بیماریوں سے وہی بچ سکے گا جو صاحبِ تقویٰ ہو۔ جسے یہ احساس ہو کہ میں مسلمان ہوں اور میرا اپنے ربّ سے بندگی کا تعلق ہے۔ اُس کریم ربّ نے مجھے اس کام سے منع فرمایا ہے، اب اگر کروں گا تو اس تعلق میں دراڑ آنے کا خدشہ ہے۔ صاحب تقویٰ کو اللہ سے اپنے تعلق کی حفاظت میں ان چیزوں سے انتہائی پرہیز کرنا لازم ہے اگر اس سے بھی بتقضائے بشریت غلطی ہو جائے تو وہ توبہ کر لے۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والے مہربان ہیں۔ توبہ کا مطلب ہے کہ گزشتہ پر دکھ ہو اور آئندہ وہ حرکت نہ کرنے کا عہد کرلے تو اللہ کریم توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں، رحم فرمانے والے ہیں رحیم ہیں۔

ذرا سوچیں وہ معاشرہ کتنا خوبصورت ہو جائے یہاں سب ایک دوسرے کی عزت و احترام کریں۔ ایک دوسرے پر اعتماد کریں اور شک و بدگمانی نہ کریں جہاں کوئی کسی کی عیب چینی اور غیبت نہ کرے تو وہ کیسا معاشرہ ہوگا! یہ وہ معاشرہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل دیا تھا۔

عزت کا معیار تقویٰ ہے:

سب انسان، گورے، کالے عربی عجمی، قومیں، قبائل امیر غریب، تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو، فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى۔۔۔ اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے۔ تمہاری بنیاد آدم علیہ السلام اور اماں حوا رضی اللہ عنہا ہیں۔ ماں بھی ایک ہے باپ بھی ایک ہے۔ جن کی ماں بھی ایک ہو باپ بھی ایک ہو اُن میں پھر کوئی چھوٹا بڑا کیسے ہو گیا؟ تم سب تو بھائی ہو۔ فرمایا: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔۔۔ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا تا کہ ایک

دوسرے کو شناخت کر سکو۔ تمہارے تعارف کے لیے ہم نے قبائل اور خاندان بنا دیے۔ یہ اعوان ہے، یہ پٹھان ہے یہ راجپوت ہے۔ یہ فلاں ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا صرف بندے کی شناخت ہو جاتی ہے کہ فلاں قبیلے فلاں خاندان کا فلاں بندہ ہے۔ شاید اُس نام کے دس بندے ہوں یا زیادہ ہوں کم ہوں۔ خاندان اور قبیلے کے نام کا تحفظ ہونا چاہیے کہ میں فلاں شخص ہوں فلاں قبیلے کے فلاں خاندان سے ہوں لیکن صرف شناخت کے لیے بڑائی کے لیے نہیں۔

برصغیر میں راجپوت ایک بہت بڑا قبیلہ ہے مقامی قبائل میں سے اور اُس میں آگے بے شمار خاندان ہیں اسی طرح اعوان بہت بڑا قبیلہ ہے اس میں بھی اتنے خاندان ہیں جو شمار نہیں کیے جا سکتے۔ اسی طرح بہت سے قبائل ہیں پھر آگے اُن میں خاندان ہیں لیکن فرمایا یہ محض پہچان کے لیے ہیں برتری یا کمتری کے لیے نہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ کون بہتر ہے، کون کمتر تو فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔۔۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ جو جتنا متقی ہے، جتنا زیادہ اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والا ہے اتنا ہی عند اللہ معزز ہے۔ دنیوی اقتدار و دولت کسی کے مقام و مرتبے کی شناخت نہیں ہے۔ یہ عہدے اور دولت تو شرفا کو بھی مل سکتی ہے اور بدکاروں کو بھی مل جاتی ہے۔ یہ عزت کی دلیل نہیں ہے۔ فرمایا اللہ کے نزدیک عزت و احترام پانا اصل بات ہے۔ عزت تو وہ ہے جو بارگاہِ الوہیت میں نصیب ہو۔ دنیا کی عزت کا کیا ہے یہاں تو پل بھر میں بے عزتی بھی ہو جاتی ہے۔ دنیا میں حکمرانی بھی مل جائے تو بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ حکمرانوں کو اُن کے پہرے داروں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ حکمرانوں کو اُنہی کے ماتحت کام کرنے والوں نے تختہ دار پر پہنچا دیا تو پھر حکمرانی کی عزت کہاں گئی۔ فرمایا، عزت وہ ہے جو کسی کو اللہ دیتا ہے وہی محترم ہے۔ عزت تو اس کی ہوئی کہ جس کے پاس جب موت کے فرشتے آئیں تو وہ بھی اُس کا احترام کریں۔ قبر میں منکر نکیر آ ئیں وہ بھی اُس کا احترام کریں اور حشر میں اُٹھے تو اُس کا احترام اور لحاظ کیا جائے۔

کون کس قبیلے سے ہے، اس سے عزت نہیں ہوتی البتہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا اطاعت گزار ہے عند اللہ وہ وہ اتنا ہی معزز ہے اور وہ جسے موت آنے پر فرشتے مار رہے ہوں، قبر میں عذاب ہو قیامت کو اٹھے تو دوزخ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو تو یہاں اگر چودھری یا راجہ بنتا رہے، اس کی کیا عزت ہے! فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔۔۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ جو جتنے خلوص سے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے، جتنا متقی ہے، اتنا ہی معزز ہے۔ یہ کون بتائے گا؟ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ بے شک اللہ جاننے والے خبر رکھنے والے ہیں۔ اللہ کریم کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود

جانتے ہیں کون کس خلوص سے اطاعت کر رہا ہے۔ وہ خود باخبر ہیں اور صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے، ارادے نیت اور سوچوں سے بھی آگاہ ہیں۔ جو خلوصِ دل سے اطاعت گزار ہے وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی محترم و معزز ہے۔

اسلام لانے اور ایمان لانے میں کیا فرق ہے:

جب ریاستِ مدینہ بنی تو اردگرد کے دیہات میں بھی بدوی صحرائی لوگ رہتے تھے اور جھونپڑیوں میں بھی بستے تھے۔ دیہاتی کاشتکاری کرتے اور ریوڑ پالتے تھے۔ ریاستِ مدینہ کے قائم ہونے سے لوگ دھڑا دھڑ کلمہ پڑھتے گئے اس لیے کہ اقتدار کی چھاؤں تلے ہر کوئی آنا چاہتا ہے چنانچہ یہ دیہاتی لوگ بھی مسلمان ہوتے گئے لیکن اسلام پر عمل اُنہیں گوارا نہیں ہوتا تھا۔ کسی کے سامنے آئے نماز پڑھ لی، کسی نے پوچھ لیا تو زکوٰۃ دی، نہ پوچھا تو نہ سہی یعنی اُن کا ایمان لانا ریاستِ اسلامی سے فائدہ اٹھانے کے لیے تھا۔

ارشادِ باری ہے، فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا ۔۔۔ یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے۔ فرمایا، انہیں بتا دیں کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ ایمان محض دعویٰ نہیں ہے۔ یہ کہہ دینا کہ میں مانتا ہوں بلکہ مان کر دکھانا ایمان ہے۔ اُس پر عمل کرنا ایمان ہے۔ سبحان اللہ! قرآن اللہ کا کلام ہے، حق ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہو۔ یہ حقائق بیان کرتا ہے۔ آج ہمیں خود کو دیکھنا چاہیے کہ یہ ہمیں مومن مانتا ہے یا نہیں! ہمارا حال تو یہ ہے کہ طبیعت ذرا سی ناساز ہو تو نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ حرام کما کر کہتے ہیں، اللہ کی مہربانی ہے تنخواہ تو کم ہے اوپر کی آمدن کافی ہے۔ اس حرام کو اللہ کا فضل کہنے والے پر لعنت ہو!

فرمایا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت نہیں کرتے یہ محض مسلمانوں میں شمار ہونے کے لیے دعوئے ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم جب یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے انہیں کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ فرمایا: وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ۔۔۔ لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے۔ تم کہا کرو کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی بات مان لی ہے۔ کیا اسلام اور ایمان دو الگ چیزیں ہیں؟ نہیں! یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسلام اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت قبول کر لینا، کلمہ پڑھ لینا، مان لینا اور پھر ہر امر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرتے ہوئے محنت کر کے یقینِ قلبی تک پہنچ جانا ہی اسلام ہے دعوتِ حق سنتے ہی یقینِ قلبی کا حاصل ہو جانا، دل کا ایمان سے اس طرح لبریز ہو جانا کہ پھر اطاعت ہی ہو نافرمانی کی جرأت ہی باقی نہ رہے یہ ایمان ہے۔

فرمایا، ان دیہاتیوں سے کہیے تم ایمان نہیں لائے تم اسلام لائے ہو، یہ کہو ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لی ہے، یہاں تک درست ہے۔ فرمایا: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ۔۔۔ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ ابھی تم یقینِ قلبی تک نہیں پہنچے، ایمان تمہارے دلوں میں اترا نہیں ہے۔ تم مومن کہلانے کے حقدار نہیں ہو۔ ہاں یہ کہو ہم نے مان لیا ہے۔ ایمان جب دل میں داخل ہوتا ہے تو نافرمانی کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور اگر ہو جائے تو بہت دکھ ہوتا ہے فوراً توبہ کرتا ہے روتا ہے کہ یہ مجھ سے کیوں ہوگئی۔ ہمارا حال تو یہ ہے نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، ہوٹلوں کا ناپاک کھانا لذیذ لگتا ہے۔ سود کھا لیتے ہیں، جھوٹ بول لیتے ہیں بے دین اور بدکار لوگوں کے پیچھے چلتے ہیں۔

فرمایا: وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤﴾ اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو تو وہ (اللہ) تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔ بے شک اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ فرمایا اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کر کے اپنا رشتہء ایمان سلامت رکھا، اُس کی حفاظت کر پائے تو اللہ تمہاری نیکیوں کو بڑھا کر اجر دیں گے، اُس کو گھٹائیں گے نہیں۔ اگر ایمان میں کمی آئی اور نیکی نیکی نہ رہی تو اُس کی اللہ کو ضرورت نہیں۔ نیکی تو نام ہی اطاعت کا ہے۔ اگر اطاعت کے لیے نہیں ہے لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے تو وہ نیکی نہ رہی بلکہ جرم بن گیا۔ جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیا جائے وہ نیکی ہوگی۔ اُس میں سے اللہ کریم کوئی کمی نہیں کریں گے۔ یقیناً اللہ کریم معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں لیکن کم از کم کھرا پن تو ہو تمہارا ظاہر اور باطن تو ایک ہو۔ اللہ کریم سے تو سیدھے سیدھے رہو۔

مومن کی صفات:

ان آیات کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن اعمال بتاتے ہیں کہ ایمان دل میں اس درجے کا نہیں ہے۔ یہاں اللہ کریم نے مومن کی صفات بتائی ہیں۔ فرمایا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔۔۔ درحقیقت ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

فرمایا، مومن تو وہ ہے جو جب اللہ کو مانے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے تو پھر ارشادِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

میں اُسے کوئی شبہ نہ رہے۔ ایک عام محاورہ بن گیا ہے کہ کسی سے اگر یہ کہا جائے کہ ایسا نہ کرو اس سے آخرت میں عذاب ہوگا تو وہ کہہ دیتا ہے، کس نے دیکھا ہے؟ جائیں گے تو پتا چلے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتانے سے یقین نہیں ہے، خود جا کر دیکھیں گے! فرمایا، مومن تو وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانے پھر اُس کے دل میں کوئی شبہ نہ رہے، بہانہ کرنے کی گنجائش نہ رہے اور وہ اطاعت میں پوری کوشش لگا دے۔

ایک لمبا واقعہ ہے غزوہ بدر کے بعد کچھ صحابہؓ کو مشرکین نے دھوکے سے شہید کر دیا اور اُن میں سے ایک، دو کو مشرکین مکہ کو بیچ دیا۔ حضرت خبیب بھی ان میں سے تھے۔ مشرکین نے انہیں مکہ میں قید رکھا۔ حرمت کے مہینے تھے چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بھی قید رکھا گیا۔ عجیب بات ہے کہ مشرکین بھی حرمت کے مہینوں کا احترام کرتے تھے۔ جب حرمت کے مہینے گزر گئے تو اُنہیں سزا سنائی گئی۔ سارا شہر جمع ہو گیا اور ایک بہت بڑی سُولی گاڑ دی گئی۔ اُنہیں سزا یہ سنائی گئی تھی کہ گردن میں رسّی ڈال کر سولی سے لٹکا دیا جائے اور جوان تیراندازی کی مشق کریں۔ اُنہیں لانے سے پہلے آخری خواہش پوچھی گئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ دل چاہتا ہے دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ اجازت مل گئی چنانچہ اُنہوں نے ہلکے سے دو نفل پڑھے تو مشرکینِ مکہ نے کہا کہ ہم نے تمہیں قید میں بڑی لمبی نمازیں پڑھتے اور سجدے کرتے دیکھا اور مسلمانوں کو بھی میدانِ جنگ میں لمبے سجدے کرتے دیکھا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا دل تو کرتا تھا لیکن میں نے اس لیے ہلکی پڑھی کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت کے ڈر سے لمبی نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب اُنؓ کے گلے میں رسّی ڈال دی گئی تو اُنہوںؓ نے اردگرد مجمع پر نگاہ ڈالی اور اللہ سے عرض کی بارِ الٰہا! تیری مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو میرا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچا سکے لیکن آپ تو قادر ہیں۔ آپ ہواؤں کو بھی حکم دے سکتے ہیں۔ آپ میرا سلام میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں شہید کر دیا گیا۔ اُدھر مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم وضو فرما رہے تھے ایک خادم پانی ڈال رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا وعلیک السلام رحمۃ اللہ۔ خادم نے اِدھر اُدھر دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یہاں تو کوئی نہیں آیا کسی نے سلام عرض نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، خبیبؓ کا سلام ہے۔ یہ ایمان ہے۔

آج کے مسلمان کا یہ کہنا کہ کلمہ پڑھ لیا ہے لیکن مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی، زکوٰۃ دینا مشکل ہے رشوت بھی لے لیتا ہوں جھوٹ بھی بول لیتا ہوں، یہ ایمان نہیں ہے۔

فرمایا، تم نے تسلیم کر رکھا ہے لیکن تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ ایمان تو یہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے پھر اسے کسی شک کی گنجائش نہ رہے، اُس میں کوئی کسر نہ رہے۔ اپنے وسائل دین

کے لیے لگا دے، اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے، اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں لگا دے۔ زندگی اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے جہاں جینے کا حکم ہو جیئے، جہاں مرنے کا حکم ہو مر جائے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ یہی لوگ سچے ہیں۔ یہ کھرے اور سچے لوگ ایمان والے ہیں۔ یہ جو تم کرتے ہو کہ میں مسلمان ہوں اور میں نافرمانی بھی کر لیتا ہوں تو فرمایا: قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ۔۔۔ فرما دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو، تم اللہ کو کوئی نیا دین بتانا چاہتے ہو؟ جو اُس نے بتایا ہے اُسے تو تم مانتے نہیں بلکہ خود جو چاہتے ہو وہ بنا کر کہتے ہو میں مسلمان ہوں۔ گویا تم اللہ کو کوئی نئی راہ دکھانا چاہتے ہو کہ اللہ آپ والی تو ٹھیک نہیں ہے یہ میری ٹھیک ہے۔ تمہارے بتانے کی ضرورت نہیں، فرمایا: قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ حالانکہ اللہ کو تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے۔ اور اللہ سب چیزوں کو جانتے ہیں۔ اللہ تو ارض وسما کے ہر بھید کو جانتا ہے تم اُسے کیا بتاؤ گے! تم مارے جاؤ گے۔ سلامتی صرف ایمان اور اتباع میں ہے۔

ایمان کا نصیب ہونا اللہ کا احسان ہے:

فرمایا: یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۔۔۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ فرما دیجیے مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو۔ فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہم نے کلمہ پڑھ لیا۔ آج بھی ایسے سادہ لوح لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں اشراق اور اوابین پڑھتے ہیں پھر بھی بیٹے کو نوکری نہیں ملتی، کاروبار نہیں چلتا۔ خدا کے بندو اگر تم عبادت کرتے ہو تو اللہ پر احسان کرتے ہو کہ اب وہ تمہارے کاروبار چلائے؟ فرمایا: بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ ۔۔۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی راہ دکھائی۔ فرمایا یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ تمہیں دامانِ محمد رسول اللہ سے وابستہ کر دیا۔ تمہیں مسلمان ہونے کی توفیق دی۔ تمہارا احسان نہیں ہے کہ تم مسلمان ہو گئے، تم نے نماز پڑھ لی، حج کر لیا تو تم نے کیا کیا؟ اگر حج کر لیا تو توفیق اللہ نے دی۔ تمہیں اُس پر فخر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نماز پڑھتے ہو تو خلوص سے پڑھو اور دعا کرو کہ تمام عبادات قبول ہوں۔ تم نماز پڑھ کر خدائی اختیارات میں شریک ہونا چاہتے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ اب دنیا کے کام تمہارے حکم کے مطابق ہونے چاہئیں۔ اس کا مطلب ہے تم نماز پڑھ کر خود خدا بننا چاہتے ہو۔ یہ کون سی نماز ہے جو تمہیں خدا بنا دے گی؟ نماز تو تمہیں اللہ کا بندہ بنائے گی اور بندہ ماننے والا ہوتا ہے منوانے والا نہیں۔ منوانے والا تو حاکم ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا تم پر احسان

ہے کہ تمہیں توفیق دی اور تم نے ایمان قبول کرلیا۔ فرمایا: اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾ اگر تم سچے ہو تو۔ اگر تم سچ سننا چاہتے ہو سچ ماننا چاہتے ہو تو پھر یہ تم پر اللہ کا احسان ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اللہ کریم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اُس کے سامنے ہر چیز دست بستہ حاضر ہے۔ آسمانوں میں یا زمینوں میں، کہیں کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اُس کے سامنے موجود ہے۔ غیب مخلوق کے لیے ہے لیکن اللہ کے سامنے سب کچھ حاضر ہے۔ اسی طرح جو تم کرتے ہو وہ اُسے ذاتی طور پر خود دیکھ رہا ہے۔ بات کرتے وقت، کام کرتے وقت سوچ لیا کرو کہ جو میں کہہ رہا ہوں میرا اللہ سن رہا ہے۔ جو میں کر رہا ہوں، میرا اللہ دیکھ رہا ہے۔

سورۃ ق رکوع 1 آیات 1 تا 15

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾
قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ
كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ
فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً
وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا
لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾
وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا
بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

ق۔ قسم ہے قرآنِ بزرگ کی ﴿۱﴾ بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والے ان کے پاس آ گئے سو کافر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے ﴿۲﴾ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے یہ پھر زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے ﴿۳﴾ ان (کے جسموں) کو جتنا زمین (کھا کر) کم کرتی جاتی ہے یقیناً ہم جانتے ہیں اور

ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے ﴿۴﴾ بلکہ سچی بات کو جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ ایک متزلزل حالت میں ہیں ﴿۵﴾ تو کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو کیسا سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں ﴿۶﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں ﴿۷﴾ تاکہ ہر رجوع ہونے والا بندہ ہدایت اور نصیحت حاصل کرے ﴿۸﴾ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ ﴿۹﴾ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں ﴿۱۰﴾ بندوں کے رزق دینے کے لیے اور ہم نے اس (بارش) سے مردہ زمین کو زندہ فرمایا اسی طرح (قیامت کو) نکلنا ہوگا ﴿۱۱﴾ اس سے پہلے قوم نوح اور کنویں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں ﴿۱۲﴾ اور عاد اور فرعون اور لوط (علیہ السلام) کے (قومی) بھائی ﴿۱۳﴾ اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعدہ (عذاب) بھی پورا ہو کر رہا ﴿۱۴﴾ کیا ہم پہلی بار پیدا فرما کر تھک گئے ہیں بلکہ یہ لوگ نئے سرے سے پیدا کرنے میں (بے دلیل) شک میں ہیں ﴿۱۵﴾

تفسیر و معارف

سورۂ ق شروع ہوتی ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، ان تیرہ برسوں میں جو آیات، سورتیں نازل ہوئیں انہیں مکّی کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین شہرِ مکہ میں ہی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے وقت کبھی شہر میں ہوتے کبھی شہر سے باہر لیکن ہجرت سے پہلے کی سورتیں مکی سورتیں ہی کہلاتی ہیں۔ اسی طرح مدنی دور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور میں جتنا قرآن نازل ہوا اسے مدنی سورتیں کہتے ہیں۔ اس دور میں کبھی سفر میں کبھی حضر میں کبھی جہاد میں وحی نازل ہوتی رہی۔ مکّی سورتوں میں اعمال کی نسبت عقائد پر زیادہ بحث ہے۔ مدنی

دور میں عقائد سے زیادہ اعمال واحکام پر مبنی آیات ہیں۔

فرمایا:قٓ۔۔۔ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① قسم ہے قرآن بزرگ کی۔یعنی قسم ہے عزت وعظمت والے قرآن کی۔ یہاں کتاب اللہ کوقرآن کہا گیا ہے۔اس لیے کہ یہ ہمیشہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔رات دن پڑھی جارہی ہے۔ مسلسل اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب کوقرآن کہا گیا ہے۔ مَجِیْد یعنی بہت عظمت والی۔ جوعظمت جوصداقت، جوخوبیاں، جوکمالات اس میں ہیں، کائنات میں اس جیسی کوئی دوسری کتاب نہیں۔قسم سے مراد ہے کسی کوگواہ بنانا۔فرمایا،قرآن جو بہت عظمت کا حامل ہے وہ اس پرگواہ ہےجس کا بیان آگے آرہا ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ② بلکہ ان کواس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والے ان کے پاس آگئے۔سوکافر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے۔

مکہ مکرمہ میں قریش کی تقریباً بارہ کے قریب شاخیں تھیں، بارہ کے قریب ذیلی قبائل تھے۔سب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رشتہ داری تھی۔ کہیں والدہ محترمہ کی طرف سے کہیں والدِ گرامی کی طرف سے۔ یوں سب قبائل کے ساتھ کوئی نہ کوئی رشتہ قائم تھا۔کافروں کو یہ بات بہت عجیب لگتی تھی کہ انہی کا رشتہ دار، انہی میں سے ایک فرد ہے جو انہی کی طرح کا انسان ہے۔کھاتا پیتا ہے،سوتا جاگتا ہے،گرمی سردی محسوس کرتا ہےتو وہ اللہ کا نبی کیسے ہوگیا۔ہمارے قبیلے کا ایک فرد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔بھلا کبھی بشر بھی نبی ہوسکتا ہے؟انہیں اسی بات پر حیرت تھی کہ بشر نبی کیسے ہوسکتا ہے!

بشریت کاانکارنبوت کےانکار کے برابر ہے:

خود آدم علیہ السلام بشر تھے اور نبیؑ تھے۔ سارے نبیؑ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور سارے بشر تھے۔ یاد رہے نبیؑ کامل بشر ہوتے ہیں۔غیرنبی کی بشریت کا انبیاؑ کی بشریت سے مقابلہ نہیں۔اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ،امام الانبیاؑ ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت ہماری روحوں سے لطیف تر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجودِاطہر اتنا لطیف،اتنا پاکیزہ،اتنا منور ہے کہ سفرِ معراج میں فرشتوں کے سردار جبرئیلؑ ایک مقام پر جاکر رک گئے اور عرض کی،اگر اس سے آگے میں بال برابر بھی بڑھوں تو تجلیاتِ باری مجھے راکھ کر دیں گی۔ جیسے مولوی رومی نے یوں منظوم کیا ہے:

اگر یک سرموئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وجودِ اطہر سمیت کہاں تک گئے یہ ربّ جانے اور ربّ آ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم جانیں لیکن بشریت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ بشریت کا انکار نبوت کے انکار کے برابر ہے۔ بشر کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو نبوت نہیں ملی۔ یہی اعزازِ بشریت ہے۔

کفار کو رسالت کے متعلق ہر چیز عجیب لگتی تھی۔ کبھی بشر ہونے پر اعتراض تھا اور کبھی کہتے، ہم میں اتنے دانا موجود ہیں، اتنے دولت منداور صاحب ثروت لوگ موجود ہیں۔ ہم تجارتی قافلے لے کر جاتے ہیں۔ بادشاہوں اور امراء تک ہماری رسائی ہے۔ دنیا میں ہمارا نام اور شہرت ہے۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ دولت ہے نہ شہرت اور یہ کہتے ہیں، میں اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہوں۔ ان کی گفتگو تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ کہتے ہیں، جب تم مرجاؤ گے، مٹی میں دفن ہو کر خاک ہوجاؤ گے تو اللہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور آخرت میں جوابدہی ہوگی۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ کیا جب ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے یہ پھر زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے۔

کفار ومشرکین کہتے ہیں یہ کیسی بات ہے؟ بھلا مر کر بھی کوئی زندہ ہوا ہے؟ کب سے معمورۂ عالم آباد ہے۔ لوگ مر رہے ہیں، کبھی کوئی زندہ ہو کر واپس آیا ہے؟ اللہ کریم نے دلائل دے کر جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کی پیشگوئی، پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ جب نبوت کی پیشگوئی موجود ہے تو پھر وحی بھی ثابت ہوگئی، اللہ کا کلام قرآن بھی ثابت ہوگیا۔ اگر تمہیں نقلی دلیل چاہئے تو پہلی کتابوں سے پڑھ لو اور اگر عقلی دلیل چاہیے تو اپنے اردگرد نظر دوڑاؤ۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھو!

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ ان کے (جسموں) کو جتنا زمین (کھا کر) کم کرتی جاتی ہے یقیناً ہم جانتے ہیں اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے۔

قَدْ ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فرمایا، کوئی آج سے نہیں، ہم ازل سے جانتے ہیں کہ زمین نے ان کے ابدان کو کھا کر کہاں کہاں پہنچایا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے بدن کو مٹی کھا گئی لیکن ہم ہی جانتے ہیں کہ انسان کے وجود کو جب مٹی کھا جاتی ہے تو اس کی خاک کے ذرّات کو جمع کرنا اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اس کا علم عالمین کو محیط ہے۔ اللہ نے ہر فردو بشر کے بارے سارے پروگرام کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کررکھا ہے۔ لوحِ محفوظ تو ایک کتاب ہے جو ہم نے اس عالم آب و گل کے لیے بنائی ہے۔ وہ ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کی گئی ہے کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔ اور اللہ کا علم تو وسیع ہے، ناپیدا کنار ہے، لامتناہی ہے، اس کی کوئی حد نہیں!

شبہات کا سبب ان کا کفر ہے:

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۝ بلکہ سچی بات کو جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔ یہ کیسے بدبخت لوگ ہیں۔ ان کی بری سوچ اور برے کردار نے انہیں اس جگہ پہنچا دیا ہے۔ جب ان کے پاس نبیؐ اللہ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کیا۔ ان کے اس کفر کے باعث ان کے دل شک وشبہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ دراصل جب انسان اپنے ناقص اور محدود علم کو اللہ کے وسیع ترین علم پر فوقیت دے دیتا ہے تو گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر عمل انسان کے شعور اور فکر کو متاثر کرتا ہے جیسے کوئی بندہ نیکی کرے تو خوش ہوتا ہے۔ خوشی کیا ہے؟ یہ وہ اثر ہے جو اس نے شعور پر چھوڑا۔ اگر کوئی ظلم کرتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے تو یہ کیا ہے؟ یہ وہ اثر ہے جو شعور پر آیا جب کوئی مسلسل برائی کرتا رہے کبھی توبہ نہ کرے کبھی پشیمان بھی نہ ہو تو اس کا شعور مسخ ہو جاتا ہے۔ کفار ومشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ جب اللہ نے ان کے پاس حق پہنچا دیا تو ان کا شعور اتنا مسخ ہو چکا تھا کہ سوائے انکار کے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ انکار کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ متزلزل حالت میں رکھتا ہے۔ کفر پر ڈٹے ہوئے لوگ کبھی کسی مستقل بات پر کھڑے نہیں ہوتے۔ غیر یقینی کے عالم میں بھٹک رہے ہوتے ہیں۔ اسلام سے باہر جتنے بھی نظریات ہیں وہ سب باطل ہیں، کافر ایک عقیدے پر متفق نظر نہیں آتے۔ یہ باطل کی خصوصیت ہے کہ ہر ایک کی اپنی سوچ ہوتی ہے۔ ہر ایک کا عقیدہ اپنی سوچوں کے مطابق مختلف ہی ہوتا ہے۔ ایک متزلزل حالت ہوتی ہے۔ ایک کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ، تیسرا کچھ اور!

ہر رجوع کرنے والے کے لیے ہدایت کا سبب:

اس سے اگلی آیات میں قدرتِ باری کے مظاہر کا ذکر ہے۔ فرمایا: اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۝ تو کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو کیسا سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔

انہیں ماننا ہو تو یہ قدرت باری کی نشانیاں دیکھ لیں۔ فرمایا، ہم نے اسے کیا خوب بنایا اور کیا خوب سجایا! یہ اپنے سر پر آسمان کی چھت نہیں دیکھتے؟ ہم نے اسے کسی ستون کی مدد سے کھڑا نہیں رکھا۔ اس کی کوئی SUPPORT نہیں۔ نہ یہ ٹکڑوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس کی کوئی مرمت کرنا پڑتی ہے نہ صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کب سے چھت کی طرح تنا ہوا ہے۔ پرانا نہیں ہوا کہ بوسیدہ ہو کر کہیں سے پھٹ جاتا یا شگاف پڑ جاتا۔ ایسا نہیں ہے۔

اور زمین کو دیکھو! یہ بیضوی شکل کی ہے۔ سائنسی تحقیق ہے کہ زمین کی کششِ ثقل بوجھ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ثقل کا معنی ہے بوجھ! زمین اپنی کششِ ثقل کے باعث ہر چیز کو اپنے ساتھ چمٹائے رکھتی ہے۔ اس اصول کے بعد اس حقیقت پر غور کریں کہ دنیا کے ایک حصے پر ہم ہیں اور دنیا کے دوسرے حصے پر دوسرے لوگ۔ ہم اگر یہاں زمین پر ہیں تو ہمارے مخالف جو جگہ ہے وہ بالکل نیچے ہوگی۔ اس طرح پاؤں زمین پر اور سر ہوا میں الٹے لٹکے ہوئے ہونے چاہییں لیکن دیکھ لیں! زمین گول ہے لیکن انسان کے بسنے کے لیے اللہ نے اسے میدان بنا دیا ہے!

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں۔ فرمایا، زمین کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ہم نے اس پر پہاڑ جما دیے۔ جتنا وزن زمین کے سینے پر رکھنا ضروری تھا رکھ دیا۔ اس اندازے سے پہاڑوں کا بوجھ رکھا کہ زمین متوازن، BALANCED ہوگئی۔ اب یہ ڈولتی نہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے اس میں قوتِ روئیدگی رکھ دی۔ بے پناہ ہریالی پیدا کی اور اسے زمین کی زینت بنا دیا۔ زمین کتنی پیداوار دیتی ہے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ پھولوں سے لدی جھاڑیاں، پھل دار درخت، پھولوں سے سجے مرغزار میدان سبزے سے سجے میدان، پھلوں سے لدے باغات، خوشبودار پودے، قدرتی دواؤں سے پُر جڑی بوٹیاں یہ سب مل کر زمین کو سجائے رکھتے ہیں۔ ان پودوں اور درختوں کے بھی جوڑے بنائے۔ ان میں نر و مادہ رکھے۔ ان میں توالد و تناسل کی خصوصیت رکھی۔ یہ سب بھی اللہ کی تخلیق ہیں۔ اللہ کا حکم سنتے ہیں، اطاعت کرتے ہیں۔

خاک و آب و باد و آتش
بامنو تو مردہ باحق زندہ

میرے آپ کے لیے یہ بے زبان ہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ جاندار بھی ہیں اور اللہ کے حکم کے پابند بھی۔ یہ اللہ کا حکم سنتے بھی ہیں اور اطاعت بھی کرتے ہیں۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨ تا کہ ہر رجوع ہونے والا بندہ ہدایت اور نصیحت حاصل کرے۔

قدرت کی تمام نشانیاں غور و فکر کرنے والے کو ہدایت کی طرف لے جاتی ہیں۔ جو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی خواہش رکھے، عظمتِ الٰہی کا ادراک چاہے وہ ان مظاہر فطرت پر غور کرے۔ ان کمالات کو دیکھے، سمجھے، ان کو جانے تا کہ اسے اللہ کی عظمت کا احساس ہو۔ یہ سب کچھ اس کے لیے اللہ کی اطاعت کا سبب بن جائے۔

وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ۝٩ اور ہم نے آسمان سے
برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلّہ۔ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ۝١٠
اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ۔۔۔ بندوں کے رزق
دینے کے لیے۔ وَاَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ ۝١١ اور ہم نے اس (بارش) سے مردہ زمین کو زندہ
فرمایا۔ اسی طرح (قیامت کو) نکلنا ہوگا۔

کافروں کا سوال تھا کہ جب مر کر مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے۔ جواب میں فرمایا کہ یہ سارا سبزہ، روئیدگی، کھیتیاں، فصلیں، درخت، پودے، میدانوں کی ہریالی سب کچھ خشک ہو جاتا ہے۔ سب کچھ سوکھ کر خاک بن جاتے ہیں۔ گل سڑ کر مٹی ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ کریم ابرِ کرم برساتے ہیں۔ بارشوں کے بعد وہی درخت، وہی کھیتیاں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔ انہی ذرّاتِ خاکی سے غلّہ اور پھل بن کر پھر باہر آ جاتے ہیں۔ قدرت کے نظام میں کہیں غلطی نہیں ہوتی کہ کھجور پر انار کا پھل آ جائے یا کسی پھل کی بیل پر کوئی اور پھل اگ آئے! کیا دیکھتے نہیں کہ ہرے بھرے درختوں کے پتے جب سوکھ جاتے ہیں تو زمین پر گر کر زمین کی خوراک بن جاتے ہیں۔ ہر شئے مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتی ہے پھر اللہ کریم بارش برساتے ہیں تو ہر شئے نہال ہو جاتی ہے۔ درختوں پر پھر سے پتے آ جاتے ہیں، سبزہ اُگ آتا ہے، فصلیں اُگ آتی ہیں، درخت پھلوں کے گچھوں سے لد جاتے ہیں۔ یہ تو سارے مٹی ہو گئے تھے۔ ہر چیز مٹی سے دوبارہ اُگ آئی؟ اسی طرح تمہارے وجود بھی مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر اسی مٹی سے بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

ہم نے اس نظام سے مخلوق کی روزی وابستہ کر رکھی ہے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے زراعت بنیادی چیز ہے۔ ہر آدمی غذا کا محتاج ہے۔ یہ ساری روزی زمین سے آتی ہے۔ اللہ نے زمین کے سینے کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ سوچیے! سات ارب انسانی آبادی ہے۔ صبح و شام کتنا کھانا کھایا جاتا ہے؟ انسانی گودام ہوتے تو کب کے ختم ہو گئے ہوتے۔ یہ زمین کا سینہ ہی ہے جو ہر دم بھرا رہتا ہے۔ اجاڑ زمین پر ایک بارش کیا برستی ہے سب کچھ بحال ہو جاتا ہے۔ زمین میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ایک ایک تنکے میں حیات ہے۔ جب حیات افزا بارش نہ ہو تو یہ سوکھ جاتا ہے۔ گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے۔ بارشوں سے اسی مردہ زمین میں حیات کی نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اسی خاک سے ہم اسی کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اے نسلِ انسانی! اسی طرح ہم تمہیں بھی زندہ کر دیں گے۔ تم مر جاؤ گے، تمہارا وجود گل سڑ جائے گا، خاک ہو جاؤ گے۔ ہڈیاں، تک مٹی ہو جائیں گی لیکن جب وہ چاہے گا، تمہیں زندہ کر کے کھڑا کر دے گا۔

یہ جوتم انکار کرتے ہوتو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی لوگ انکار کرتے آئے ہیں۔ان کے حالات پر ذرا نگاہ
عبرت ڈالو اور دیکھو عظمتِ الٰہی کے انکار کا کیا نتیجہ ہوا؟ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ
وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾ اس پہلے قومِ نوحؑ اور کنویں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں۔ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ اور عاد اور
فرعون اور لوط (علیہ السلام) کے (قومی) بھائی۔ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ اور بَن کے رہنے والے اور تبع کی قوم ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعدہ (عذاب) بھی پورا
ہوکر رہا۔

فرمایا، ان قوموں کو دیکھو۔اپنے سے پہلے سے گزرنے والوں کا انجام دیکھو، ان کے کردار کے نتائج دیکھو! ماضی عبرت کے لیے ہوتا ہے، سبق حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔اگر ماضی میں بھلائی ہوتو اس کے اچھے نتائج نظر آتے ہیں اور اگر غلط کام کیے ہوں تو اس کے غلط نتائج ہوتے ہیں۔سبق یہ ہوتا ہے کہ بھلائی جاری رکھی جائے اور غلطی کی اصلاح کی جائے۔ غلطی کو دہرایا نہ جائے۔فرمایا، اقوامِ عالم کا ماضی دیکھو!

نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبیؑ اور پیغامِ الٰہی کا انکار کیا تو انہوں نے اس کے نتائج بھگتے۔ اصحاب الرس یعنی کنویں والے۔صالح علیہ السلام کی قوم، ثمود تھی۔انہوں نے اپنے نبیؑ کا انکار کیا۔ پھر معجزہ طلب کیا۔ صالح علیہ السلام کی دعا سے معجزہ ظاہر ہوا لیکن انہوں نے اس معجزے کا انکار کر دیا بلکہ گستاخی کی تو قوم تباہ ہوگئی۔ صالح علیہ السلام نے وہ جگہ چھوڑ دی اور جہاں جا کر ٹھہرے وہاں ایک کچا کنواں تھا۔جو آپؑ پر ایمان لے آئے تھے وہ بھی آپؑ کے ساتھ وہاں سے ہجرت کر کے کنوئیں والی جگہ پر ہی ٹھہرے۔صالح علیہ السلام کا وہاں وصال ہوگیا تو اس جگہ کا نام حضرموت پڑ گیا۔قرآن نے اس قوم کے لیے کنوئیں والے فرمایا ہے۔صالح علیہ السلام کے وصال کے کچھ عرصے بعد ان میں بگاڑ آ گیا بت پرستی شروع ہوگئی اور اسی ڈگر پر چل پڑے۔فرمایا گیا، ان کنوئیں والوں کا انجام دیکھو! ایک عذاب سے بچ کر گئے تھے۔ان کی نسلیں پھر گمراہ ہوگئیں اور گمراہی کے نتیجے میں تباہ ہوگئیں۔اسی طرح عاد نہایت قد آور اور بہت ترقی یافتہ قوم تھی۔ڈیل ڈول میں بھی مضبوط لوگ تھے۔پہاڑ اور چٹانیں کاٹ کر انہوں نے جو بلند و بالا عالیشان گھر بنائے ایسے گھر جدید آلات اور مشینوں کے ساتھ آج کوئی بنا نہیں سکتا۔جب انہوں نے کفر اختیار کیا تو ایسے تباہ ہوئے کہ کوئی نہ بچا۔اسی طرح خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کو دیکھو! کس قدر لاؤ لشکر، خزانے اور کتنی طاقتور حکمرانی! جب موسیٰ علیہ السلام کے مسلسل سمجھانے پر بھی باز نہ آیا تو کس طرح اپنی قوم، اپنے لاؤ لشکر اور اپنی حکمرانی سمیت غرق ہوگیا۔لوط علیہ السلام کی برادری کو دیکھو زمین سمیت اکھاڑ کر فضا میں بلند کر کے زمین پر الٹا دیا۔آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔عذابِ شدید کی لپیٹ میں آ گئے۔آج بھی وہ علاقہ بحیرۂ مردار کہلاتا ہے۔

زمین میں اس جگہ ایک گڑھا بن گیا تھا وہ بھرا رہتا ہے۔ باہر سے دریا اس میں گرتا رہتا ہے لیکن اس میں حیات نہیں۔ جو مچھلیاں باہر سے پانی کے ساتھ آتی ہیں، یہاں آکر مرجاتی ہیں۔ اس میں کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور ان لوگوں کے حالات بھی دیکھو جو جنگلوں کے باسی تھے۔ جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں ان پر عذابِ الٰہی آیا اور وہ تباہ ہو گئے اور تبع کی قوم جو طاقتور قوم تھی ان کے واقعات گزر چکے ہیں۔ تبع اس قوم کے بادشاہ کا لقب تھا۔

ان سب قوموں نے اپنے اپنے عہد میں میرے رسولوںؑ کی تکذیب کی تو اس تکذیب پر جو ہمارا وعدہ تھا پورا ہو کر رہا۔ انکار کرنے والوں پر عذاب آیا۔

جرائم اور گناہ کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں:

یہ سب کچھ مسلمانوں کو اس لیے بتایا جارہا ہے عبرت حاصل کریں۔ کفر تو خیر بہت بڑا جرم ہے، شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بندہ کافر نہ بھی ہو، مسلمان ہو پھر بھی ہر برائی اور ہر گناہ اپنا ایک اثر رکھتا ہے۔ ایک اثر یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی ایک جرم ہے اس کی سزا ملے گی۔ اگر توبہ نہیں کرتا تو اس کا اثر اس کی روزمرّہ کی عملی زندگی پر پڑتا ہے۔ گناہ کرنے سے روزمرہ کی زندگی تباہ ہوتی ہے۔ ہر گناہ کی نحوست ہوتی ہے یہ مزاج میں خرابی پیدا کرتی ہے۔ دل کو سیاہ کرتی ہے ماحول اور حالات کو خراب کرتی ہے۔ یہ تو بعثتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عمومی اجتماعی عذاب موقوف کردیے ہیں۔ پہلے تو قوموں کی قومیں غرق ہو جاتی تھیں، زمین میں دھنسا دی جاتی تھیں، آندھی اور آواز کی تندی سے مرجاتی تھیں، آسمانوں سے آگ برسنے اور پتھر برسانے سے قومیں تباہ ہو جاتی تھیں۔ یہ عذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نبیؐ و رسولؐ مبعوث ہونے کی برکت سے ختم کر دیے گئے۔ اب جرائم اور گناہ کے نتیجے میں کوئی عذاب کسی قوم پر بحیثیت قوم نہیں آیا لیکن ان جرائم اور گناہ کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات بندے کے مزاج پر، روزمرّہ زندگی پر، خاندانی حالات پر، گھروں پر، معاملات پر پڑتے ہیں اگرچہ ہم محسوس نہیں کرتے لیکن یہ ہمیں بڑا پریشان کرتے ہیں۔

آج لوگ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے، بڑی دلیری سے کرتے ہیں تو اثرات بھی دیکھ لیں! کوئی ایسا گھر ہے جس میں جھگڑا نہیں ہے؟ کوئی ایسا خاندان ہے جس میں لڑائیاں نہیں ہورہیں، کوئی ایسا شہر ہے جس میں امن ہے، کوئی ایسا گوشہ ہے جہاں دہشت گردی نہیں ہورہی، کوئی ایسا گلی کوچہ ہے جہاں ڈاکہ نہیں پڑتا، قتل عام نہیں ہوتا؟ یہ سب کیا ہے؟ یہ ہمارے کردار کا نتیجہ ہے۔ ہمارے جرائم کے اثرات ہیں، یہ اللہ کا عذاب ہے۔

انکار کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بندہ سیدھا صاف انکار کر دے جیسا کہ کفار نے کیا۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں کا انکار کیا، اللہ کے پیغام کا انکار کیا، انکار کا دوسرا انداز یہ ہے کہ اللہ کا حکم سن لیا، زبانی مان لیا لیکن حکم کی تعمیل نہیں کی۔ مان لیا کہ سود حرام ہے لیکن سود کا نام بدل کر منافع رکھ لیا لیکن سود کو چھوڑا نہیں۔ مانتے ہیں کہ نماز فرض ہے کہتے ہیں، نماز کی فرصت نہیں ملتی، طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ پھر کیا مانا جب عمل ہی نہ کیا، یہ کون سا ماننا ہے کہ زبانی کہنا اور عمل نہ کرنا۔ اس کردار پر جو نتائج آتے ہیں وہ عذابِ الٰہی کی ایک صورت ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے بھی یہی پیغام ہے کہ اقوام عالم کے حالات دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ دنیا کی مہلتِ عمل میں اصلاح کر کے دونوں جہان سنوار لیں!

فرمایا: اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٥﴾ کیا ہم پہلی بار پیدا فرما کر تھک گئے ہیں بلکہ یہ لوگ نئے سرے سے پیدا کرنے میں (بے دلیل) شک میں ہیں۔

کفار کا کیا خیال ہے کہ اللہ کریم ایک مرتبہ مخلوق بنا کر تھک گئے؟ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے؟ دیکھو! تمہارے سامنے روئے زمین پر تخلیقات پھیلی ہوئی ہیں، کوئی گن سکتا ہے؟ گھاس، سبزہ، ہریالی، پودے، درخت اور جانور، پرندے، آبی مخلوق، کوئی انہیں شمار کر سکتا ہے۔ روزانہ کتنی مخلوق مرجاتی ہے کتنی پیدا ہو جاتی ہے! تخلیق کا ایک مسلسل عمل ہے جو تھمنے، رکنے کا نام نہیں لیتا تو کیا صرف انسان کو اللہ کریم پہلی بار پیدا کر کے ہی تھک گئے ہیں کہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے؟ کھربوں انسان دنیا میں آئے، مر گئے۔ پیدا ہو رہے ہیں، دنیا سے جا رہے ہیں۔ اللہ کریم خالقِ کُل ہیں اور اللہ کے لیے کوئی کام کچھ مشکل نہیں!

سورۃ قٓ رکوع 2 آیات 16 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ
مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَکْرَۃُ
الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ؕ ذٰلِکَ یَوْمُ
الْوَعِیْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ وَّشَہِیْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ کُنْتَ فِیْ
غَفْلَۃٍ مِّنْ ہٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ
قَرِیْنُہٗ ہٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ﴿۲۳﴾ؕ اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۲۴﴾ۙ مَّنَّاعٍ
لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ﴿۲۵﴾ۙ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ
الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُہٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُہٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾
قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ
لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ؑ

اور یقیناً ہم نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں، ہم
ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں ﴿۱۶﴾
جب اخذ کرنے والے (فرشتے) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں
بیٹھے رہتے ہیں ﴿۱۷﴾ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگہبان اس کے پاس
تیار رہتا ہے ﴿۱۸﴾ اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آ پہنچی یہ وہ چیز ہے جس

سے تو بد کتا تھا ﴿۱۹﴾ اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا
دن ہے ﴿۲۰﴾ اور ہر شخص جب (ہمارے سامنے) آئے گا تو اس کے ساتھ اس
کو چلانے والا (فرشتہ) ہوگا ﴿۲۱﴾ اور وہ (اس کے اعمال کی) گواہی دے گا
یقیناً تُو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا
سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ﴿۲۲﴾ اور اس کے ساتھ رہنے والا (فرشتہ) کہے گا
کہ یہ (روزنامچہ) میرے پاس حاضر ہے ﴿۲۳﴾ (ارشاد ہوگا) ہر کافر اور (حق
سے) ضد رکھنے والے کو جہنم میں ڈال دو ﴿۲۴﴾ نیک کام سے روکنے والا (اور)
حد سے باہر جانے والا ﴿۲۵﴾ (اور جو دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو جس نے
اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال
دو ﴿۲۶﴾ اُس کے ساتھ رہنے والا (شیطان) کہے گا اے ہمارے پروردگار!
مَیں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں
تھا ﴿۲۷﴾ ارشاد ہوگا میرے پاس مت جھگڑو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس
وعید بھیج چکا تھا ﴿۲۸﴾ میرے ہاں بات بدلی نہیں جائے گی اور میں بندوں پر
زیادتی کرنے والا نہیں ہوں ﴿۲۹﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم ہی انسان کے خالق ہیں۔ اللہ کریم نے انسان میں بھلائیاں، خوبیاں، کمزوریاں خود رکھی ہیں۔ وہ اپنے بندوں کی کمزوریوں اور صفات دونوں سے واقف ہے۔ مصور جب تصویر بناتا ہے تو رنگ اور برش اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسے پتا ہوتا ہے کہ اس نے کون سا رنگ کہاں لگانا ہے۔ اسے اپنی تصویر کے ہر پہلو سے آگاہی ہوتی ہے۔ جس نے کائنات بنائی، انسان کو پیدا کیا تو وہ انسان کو اس سے زیادہ جانتا ہے۔ عناصرِ اربعہ، مٹی، ہوا، آگ اور پانی جب ملتے ہیں تو ان سے نفس پیدا ہوتا ہے۔ نفس، نظر آنے والی چیز ہے۔ ان چار عناصر کے ملنے سے پیدا ہونے والی چیز ہے چونکہ یہ ان مادی اجزاء سے بنتا ہے لہٰذا اس کا دھیان مادے کی طرف رہتا ہے۔ اس کی رسائی مادے تک ہوتی ہے اور یہ طبعاً مادی لذات کی طرف بھاگتا ہے۔

فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ۔۔۔اور یقیناً ہمانے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں۔

فرمایا، ہم ہی انسان کو پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کا نفس اسے کیا وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ نفس بھی ہم نے ہی بنایا ہے اور دنیا بھی ہم نے ہی سجائی ہے۔ بندے کا امتحان ہی یہی ہے کہ وہ ہماری مانتا ہے یا نفس کی مانتا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

فرمایا، زندگی کی بنیاد رگِ حیات ہے۔ انسانی وجود کا، انسانی حیات کے قریب ترین جو حصّہ ہے وہ شہ رگ ہے۔ فرمایا، ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ علمائے ظواہر کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز کو محیط ہے اور وہ شہ رگ سے بھی قریب تر چیزوں کو ہمہ وقت جانتا ہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وجود کے ہر ذرّے کے ساتھ اللہ کریم ذاتی طور پر موجود ہیں اور جانتے ہیں۔ اس پر قرآنِ حکیم اور حدیثِ پاک سے واضح دلائل موجود ہیں۔ مولوی رومی نے اس بارے فرمایا:

اتصالے بے تکیف و بے قیاس
ہست رب الناس را باجان ناس

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ ہر وجود کے ساتھ اللہ کریم کو ایک اتصال حاصل ہے۔ اس کی کیفیت و کمیت کوئی نہیں جان سکتا۔ اللہ کریم ہر انسان کی رگِ جاں سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ کوئی اگر کافر بھی ہے تو وہ اللہ کی رسائی سے دور نہیں۔ اس کے وجود کے ہر ذرّے کے ساتھ اس کی قدرت ذاتی طور پر موجود ہے۔ اگر اس پر عذاب آتا ہے تو وہی قادرِ مطلق اس پر عذاب لاتا ہے۔ ہر ایمان والے بندے کو اپنی ذاتی حیثیت میں پتا ہوتا ہے کہ میرا ربّ میرے پاس موجود ہے۔ وہ اطاعتِ الٰہی کرتا ہے، اسے قربِ الٰہی میں ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اس کا ادراک زیادہ مضبوط ہوتا ہے کہ اس کا ربّ اس کے پاس ہے۔ اسے یہ کس نے بتایا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننا پڑتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر اعتماد بڑھتا ہے تو اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ جب برکاتِ نبوت پاتا ہے، اطاعت میں خلوص میں اضافہ ہوتا ہے تو اسے ولی اللہ کہتے ہیں۔ اسے کیفیات کا زیادہ ادراک ہوتا ہے اللہ کریم کے علم کی وسعت کا بیان ہے کہ اللہ کریم ہر شے سے ہر لمحے باخبر ہیں۔ انسانی وجود کے ذرات مر کر کہاں کہاں ہوتے ہیں؟ ان کو ہر آن جانتے ہیں۔ یہی نہیں، اللہ تو ہر انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات کو بھی ہر آن جانتے ہیں۔

تم کس غلط فہمی میں ہو کہ تم کفر کر رہے ہو یا گناہ تو اللہ سے چھپ کر کر رہے ہو؟ نہیں! اللہ تو تمہاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں، اتمامِ حجت کے لیے دو فرشتے بھی مقرر کر رکھے ہیں جو تمہارے اعمال لکھتے جا رہے ہیں۔

فرمایا: اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾

جب اخذ کرنے والے (فرشتے) اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں بیٹھے رہتے ہیں مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

اللہ کریم نے دو ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو انسان کے دائیں اور بائیں کندھے کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ ہر بندے کا لمحے لمحے کا کردار لکھا جاتا ہے۔ سچی بات کہی، لکھی جاتی ہے۔ گالی دی، جھوٹ بولا، لکھا جاتا ہے۔ دعا دی، لکھی گئی یعنی بندے کی زبان سے جو ادا ہوتا ہے لکھنے والے ایسے چوکس ہیں کہ فوراً لکھ لیتے ہیں۔ دائیں طرف والا اچھائی لکھتا ہے، بائیں طرف والا برائی لکھتا ہے! ایک بزرگ سے کسی نے عرض کی کہ اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا، اگر تم واقعی اس میں مخلص ہو تو ایک دن جب صبح سو کر اٹھو تو جو بات کرو، جو کام کرو لکھتے جانا۔ رات تک لکھتے جاؤ۔ دوسرے دن اس کاغذ پر جو لکھا ہو وہ پڑھ لینا۔ تمہیں پتا چل جائے گا کہ دن بھر کتنی اچھائی کی اور کتنی برائی! یہ احساس ہو گیا تو آئندہ نقصان سے بچنے کی کوشش کرو گے۔ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ اپنی کتاب پڑھ۔ اپنا نوشتہ پڑھ لو، یہ تمہاری روزانہ کی روئیداد (ڈائری) ہے۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (بنی اسرآئیل: 14) آج کے دن تُو خود ہی اپنے لیے حساب لینے والا کافی ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں بھی یہی فرمایا گیا کہ اللہ کریم نے چوکس فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ہر انسان کے اعمال لکھتے جا رہے ہیں۔ خود ذاتِ باری ہر آن دیکھ رہی ہے۔ قیامت کے دن جو فیصلے انسان نے دنیا میں کیے وہی اس پر لاگو کر دیئے جائیں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھ لے گا!

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾ اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آ پہنچی یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا۔ موت کی غشی یقیناً طاری ہوئی۔ اللہ کا نظام ہے اور ہم روزانہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بے پناہ تخلیقات کو بنتے اور فنا ہوتے دیکھتے ہیں۔ اپنے جیسے انسانوں کو پیدا ہوتے پھر موت کی آغوش میں جاتے دیکھتے ہیں لیکن انسان کا مزاج کتنا عجیب ہے یہ خیال نہیں کرتا کہ موت کا وقت اس پر بھی آنا ہے! اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ جنازے کے ساتھ جاتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اسی طرح ہم پر بھی یہ وقت آنا ہے۔ اللہ کریم ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ زندگی گزارتے ہوئے، کام کرتے ہوئے، فیصلے کرتے

ہوئے اس مشکل کو بھی یاد رکھو۔ یہ حق ہے۔ یہ موت کی غشی آنی ہے۔ موت کی غشی، مرنے والے کی وہ حالت ہے جس میں بندہ، زندہ ہوتا ہے لیکن کسی کی بات نہ سنتا ہے نہ جواب دیتا ہے کسی اور ہی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ فرمایا، یہ وہ لمحہ ہے جس سے تم بھاگا کرتے تھے۔ انسان مرنا نہیں چاہتا، اتنا سامانِ زندگی جمع کرتا ہے گویا ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ موت کے نام سے ہی ڈرتا ہے یوں بھی انسان کو طبعاً یہ پسند ہے کہ وہ طویل عرصہ زندہ رہے۔ اگرچہ بعض اللہ کے ولیوں کو موت محبوب ہوتی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہے۔ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ اور ہر شخص جب (ہمارے سامنے) آئے گا تو اس کے ساتھ اس کو چلانے والا (فرشتہ) ہوگا اور وہ (اس کے اعمال کی) گواہی دے گا۔

موت آنے پر بات ختم نہیں ہو جائے گی۔ مرنے کے بعد ایک اور طرح کی زندگی شروع ہو جائے گی۔ دنیا میں بدن مکلف بالذات ہے۔ گرمی، سردی، بھوک پیاس، خوشی غمی سب کچھ بدن پر وارد ہوتا ہے۔ روح بھی محسوس کرتی ہے۔ روح کا حصہ اس کو پہنچتا ہے۔ بدن نیکی کرتا ہے تو روح پر نیکی کا نور آتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان برزخ میں منتقل ہوجاتا ہے۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہوجاتی ہے، بدن اس کے تابع ہوجاتا ہے۔ برزخ کا غم، دکھ یا خوشی وراحت براہِ راست روح کو پہنچتی ہے اور اس کے طفیل بدن کو پہنچتی ہے۔ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کی قبر بنتی ہی نہیں۔ آگ میں جل کر خاک ہوگئے، کسی درندے نے کھالیا، بم دھماکوں میں وجود کے پرخچے اڑ گئے یا سمندر میں غرق ہوگئے تو ان کا قبر کا حساب کتاب کیسے ہوگا؟ سمجھ لیجیے! کہ مرنے کے بعد سب کی ارواح بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتی ہیں۔ ارواح تو نہیں بکھرتیں، بدن بکھر جاتا ہے۔ ارواح اپنے ٹھکانے پر جاتی ہیں۔ بدن جل جائے، درندے کھالیں، غرق ہوجائے تو بھی مادّے کی کسی شکل میں ہی ہوتا ہے۔ مادّی ذرّات جہاں بھی ہوں، ان کا روح سے تعلق رہتا ہے۔ قدرتِ باری نے انسانوں کو یہ قانون سکھایا ہے کہ وجود کو مرنے کے بعد دفن کیا جائے تاکہ اس کا روح کے ساتھ رابطے کا ایک ٹھکانہ بن جائے۔ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے جب ہابیل کو قتل کردیا تو اسے سمجھ نہ آئی کہ میّت کا کیا کرے تب اللہ تعالیٰ نے فرشتے کوّوں کی شکل میں بھیجے۔ ایک نے دوسرے کو مار دیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے لیے ایک گڑھا کھودا اسے اس میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی۔ تب قابیل نے یہ سیکھا اور بھائی کو دفن کیا۔ یہ طریقہ پہلی مرتبہ اولادِ آدم کو منجانب اللہ تعلیم فرمایا گیا۔

عجب الذنب :

جہاں عجب الذنب ہو وہاں روح کا بدن سے تعلق مرکزی طور پر ہوتا ہے۔ كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَأْكُلُ الْأَرْضُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَ فِيْهِ يُرَكَّبُ (سنن ابی داؤد) عجب الذنب انسانی وجود کا مرکز ہے۔ کمر کے نیچے ہڈیوں کے جوڑ میں یہ ایک چھوٹی سی، گول سی ہڈی ہوتی ہے۔ شکمِ مادر میں جب اللہ تخلیق فرماتے ہیں۔ نطفے سے خون کی پھٹکی بنتی ہے۔ پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر اس میں ہڈی پیدا کی جاتی ہے تو وہ ہڈی جو سب سے پہلے بنتی ہے وہ عجب الذنب ہے۔ یہ وجود کی اصل ہے۔ یہ ایسی عجیب چیز ہے کہ آگ میں جلتی ہے نہ مٹی میں ملتی ہے۔ کوئی درندہ کھا جائے تو اس کے پیٹ میں ہضم نہیں ہوتی۔ مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہوتی۔ قدرت نے اسے ایسا بنایا ہے کہ ہر حال میں ویسی کی ویسی رہتی ہے۔ بہت چھوٹی، ذرا سی ہے لیکن یہی روح اور بدن کے تعلق کی بنیاد ہے۔ جہاں یہ ہو وہاں روح کا مرکزی تعلق ہوتا ہے چونکہ بدنِ انسانی کے ہر ذرّے سے روح کا تعلق ہوتا ہے تو جب روح پر انعامات ہو رہے ہوتے ہیں تو اس کی لذت بدن کے ہر ذرّے تک پہنچتی ہے۔ اگر روح پر عذاب ہو رہا ہے تو اس کی اذیت بدن کے ہر ذرّے کو پہنچتی ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو روح اور بدن دونوں مکلف ہو جائیں گے۔ دونوں براہ راست اثر قبول کریں گے۔

سآئِق اور شہید :

سآئِق، دھکیل کر لے جانے والے کو کہتے ہیں اور شہید جو گواہی دے۔ یہ دو فرشتے ہوں گے۔ وہ لوگ جنہیں مر کر جی اٹھنے پر یقین نہیں تھا۔ جو سمجھتے تھے کہ مر کر مٹی ہو گئے بات ختم ہوگئی۔ کوئی قیامت نہیں ہوگی! یہ ان کے بارے ارشاد ہو رہا ہے کہ جتنے بدکار، بے دین اور قیامت کے منکر ہیں، ان پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔ ایک انہیں پکڑ کر دھکیل کر، کھینچ کر لانے والا، دوسرا ان کے کردار پر گواہ ہوگا۔ منکرین کے اعمالِ بد ڈراونی شکلوں میں مجسم ہو کر ان کے سامنے آ کھڑے ہوں گے کہ ہمیں اٹھاؤ اور اللہ کی بارگاہ میں چلو۔ نیک لوگوں کے ساتھ ان کے اعمال خوبصورت شکلوں میں ہمرکاب ہوں گے۔

جب صور پھونکا جائے گا تو قیامت قائم ہوگی۔ یہ وہ وعدے کا دن ہے جس کا انسان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اس دن ہر متنفس، جس نے دنیا میں سانس لیا ہے، وہ حاضر کیا جائے گا۔ چھوٹا بڑا، مرد عورت، امیر غریب، جاہل عالم، بچہ بوڑھا سب کو حاضر ہونا ہوگا۔ یہ وہ گھڑی آ گئی جس میں حساب کتاب ہوگا۔ اس وقت منکرین کو دھکیل کر لانے والے سآئِق اور شہید یعنی کردار پر گواہ فرشتے آ موجود ہوں گے۔ احادیثِ مبارکہ سے علمائے کرام نقل فرماتے ہیں

کہ حضرت اسرافیل جب دوبارہ صور پھونکیں گے تو پہلے آواز لگائیں گے کہ تم کو اے گلی سڑی ہڈیو! اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی کھالو اور بکھر جانے والے بالو! سن لو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ حساب کے لیے جمع ہو جاؤ آج تمہارے اٹھ کھڑے ہونے کا دن ہے۔ یہ آواز ہر فرد کو اس طرح پہنچے گی جیسے کوئی کان میں کہہ رہا ہو۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ جوں جوں قرنا (صور) کی آواز بلند ہوگی، حیات لوٹ آئے گی۔ سب قبروں سے نکل آئیں گے۔ زمین سب کے وجودوں کو اگل دے گی۔ سب کو بارگاہِ الٰہی میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

کافر سے کہا جائے گا، تُو تو زندگی بھر اس وقت کے آنے سے غافل رہا: لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴿۲۲﴾ یقیناً تُو اس دن سے غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ جب موت آتی ہے تو سارے حجابات ہٹ جاتے ہیں کافر ہو یا مومن، فرشتوں کو دیکھتا ہے، ان کی بات سنتا ہے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ حقائق تھے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے تجھے دنیا میں بتائے تھے اور تُو نے ان پر یقین نہیں کیا تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ آج ہم نے سارے پردے ہٹا دیے، حجابات دور کر دیے۔ آج تیری نظر اتنی تیز ہو گئی کہ جنت، دوزخ، فرشتے نور، ظلمت، ہر چیز تجھے نظر آ رہی ہے۔

حجابات کا دور ہو جانا اور حقائق کا نظر آ جانا ہی کشف کہلاتا ہے۔ یہاں فرمایا: **فَكَشَفْنَا** کشف کا لفظ استعمال فرمایا۔ کافروں کو مرنے پر ہی کشف ہوتا ہے۔ اہل اللہ کو اسی دنیوی زندگی میں ہو جاتا ہے۔ حجابات ہٹا دیے جاتے ہیں۔ وہ اخروی حقائق، قبر کے سوال جواب، روح اور فرشتوں کے معاملات، جنت دوزخ کو کشفاً دیکھ لیتے ہیں۔ جب اللہ جلّ شانہٗ کسی کو دکھانا چاہیں! اہل اللہ کو کشف ان کی اپنی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ زندگی میں کشف عطا ہونے سے مراد یہ کہ بندہ وہ نتیجہ دیکھ لیتا ہے کہ جھوٹ بولنے کا نتیجہ، قبر میں کیا ہوگا، میدانِ حشر میں کیا ہوگا؟ اس طرح وہ خود صراطِ مستقیم پر رہتا ہے۔

جن لوگوں نے کشف کو نجومیوں کی طرح لے لیا ہے وہ اس سے ایسے سوال پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میرے بچے کو نوکری ملے گی؟ کاروبار میں فائدہ ہوگا، فلاں جگہ رشتہ ہو جائے گا؟ وغیرہ۔ یہ سب باطل ہے۔

کشف ان چیزوں کا ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرما دیں۔ ان پر ہمارا بن دیکھے ایمان ہے۔ غائبانہ ایمان ہے۔ اللہ کے ایمان والے بندوں میں سے جن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ سینہ بہ سینہ آنے والی برکاتِ نبوت میں سے انہیں برکات نصیب ہوتی ہیں تو ان میں سے جسے اللہ کریم عطا کرنا چاہیں کشف عطا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں کو کشف نہیں ہوتا، محققین کے مطابق وہ بہت مضبوط لوگ ہوتے ہیں۔ ان چیزوں پر وہ

مضبوط ایمان اور قوی یقین رکھتے ہیں انہیں عموماً کشف کم ہوتا ہے یا بعض کو ہوتا ہی نہیں۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو کشف اور مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے کہ وہ ان کے قائم رہنے کا سبب بن جائے۔ اسی لیے اولیا اللہ اور متقدمین علمائے باطن نے فرمایا ہے کہ کشف سلوک وطریقت کے بچوں کا کھلونا ہے۔ اس سے انہیں بہلائے رکھتے ہیں جس طرح بچوں کو بہلانے کے لیے کھلونا دے دیا جاتا ہے کہ بچہ یہیں بیٹھا کھیلتا رہے، کہیں نہ جائے! طریقت کے بچوں کو مشاہدہ کرا کراسی راستے پر چلائے رکھتے ہیں تاکہ پختہ ہوجائے۔ استقامت نصیب ہوجائے۔

میدانِ حشر کے احوال کا ذکر ہے: وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اور اس کے ساتھ رہنے والا (فرشتہ) کہے گا کہ یہ (روزنامچہ) میرے پاس حاضر ہے۔ ہر بندے کے ساتھ دنیا میں جو فرشتہ رہتا ہے۔ حشر میں وہ اس کا اعمال نامہ پیش کرے گا کہ یا اللہ! یہ بندے کا عقیدہ ہے، کردار ہے، عمل ہے۔ زندگی بھر اس نے یہ کمایا اور یہ ضائع کیا۔ بارگاہ الٰہی سے حکم ہوگا: اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ (ارشاد ہوگا) ہر کافر اور (حق سے) ضد رکھنے والے کو جہنم میں ڈال دو۔

ساری عمر انبیاؑ انہیں بتاتے رہے۔ اللہ کی کتابوں میں سے ہدایت کا پیغام سناتے رہے لیکن منکرین اپنی ضد پر قائم رہے۔ حکم ہوگا کہ انکار کرنے والوں اور اپنی ضد پالنے والوں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے۔ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾ نیک کام سے روکنے والا (اور) حد سے باہر جانے والا (اور جو دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو۔

خیر کا مفہوم عموماً دولتِ دنیا لیا جاتا ہے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ یہ لوگ خیر سے روکنے والے لوگ تھے جو لوگوں کا مال لوٹ کر اپنی تجوریاں بھرتے تھے۔ حرام ذرائع سے مال حاصل کرتے تھے تو یہ زکوٰۃ کیا دیتے اور غریبوں کی مدد کیا کرتے؟ جو خود لوٹتا ہے وہ کسی کو کیا دے گا؟ وہ تو غریب کو بھی لوٹتا ہی ہے۔ معاشرے میں رشوت لینے والے افسروں کو دیکھیں کروڑوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے بنگلے پر کام کرنے والے مالی، دھوبی اور چوکیدار ہوتے ہیں۔ یہ ان کی تنخواہ بھی پوری نہیں دیتے۔ ایسے ظالم، بخیل اور حد سے گزر جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں وہ لوگ بھی مراد ہیں جو نیکی اور بھلائی کے کاموں کو خود بھی اختیار نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے رہتے ہیں۔

دین کے حقائق میں شبہ کرتے ہیں۔ جو حقائق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ ان عقائد واحکام میں شبہ کرتے ہیں۔ "پتا نہیں ایسا ہوگا کہ نہیں، کیا پتا ہو؟ کس نے دیکھا ہے؟" یہ سب جملے شک کرنے والوں کے ہیں۔ ایمان میں یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہ حق ہے۔

فرمایا، اپنی ضد پالنے والوں کو، بھلائی سے روکنے والوں کو، حد سے باہر نکل جانے والوں کو، دین کے حقائق

میں شک کرنے والوں کو ان کے ساتھ جہنم میں ڈال دو جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے تھے۔ فرمایا:
الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو۔ سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے حاجت روا بنا لیے۔ جیسے کوئی کہتا ہے یہ میرا پیر مشکل کشا ہے، حاجت روا ہے۔ مجھے میرے پیر نے اولاد دی ہے۔ میرے مرشد نے نوکری دی ہے۔ فلاں بھگوان میرا کاروبار کا رکھوالا ہے۔ میرا گرو میری مشکل کشائی کرتا ہے۔ یعنی وہ سب جو اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔ انہیں شدید عذاب میں پھینکا جائے گا۔ دوزخ کے بھی درجے ہیں۔ ہر درجہ پہلے سے زیادہ سخت تر ہے۔ ایسے لوگوں کو سخت سے سخت عذابوں والے درجے میں پھینکا جائے گا۔ مفسرین کے نزدیک جو دوزخ پل صراط کے نیچے ہوگی وہ سیاہ ہوگی۔ دوزخ کی آگ جلی تو سرخ ہوئی۔ تیز ہو کر زرد ہوئی۔ پھر تیز ہوئی تو سیاہ ہوگئی۔ پل صراط کے نیچے کی آگ اتنی شدید ہے کہ سیاہ ہو چکی ہے آج کی زبان میں اسے جہنم کا GATEWAY سمجھ لیں۔

پل صراط پر سے گزرنے والے اپنے اعمال کی نسبت سے گزریں گے۔ کچھ اس طرح گزریں گے جیسے نظر پار چلی جاتی ہے۔ کچھ بجلی کی سی تیزی سے گزریں گے، کچھ ہوا کی تیزی کی طرح گزر جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ گزریں گے تو دوزخ دعا کرے گی بار الہا انہیں جلدی گزار ورنہ میری آگ سرد ہو جائے گی۔ کچھ لوگ ایسے گزریں گے جیسے سوار تیزی سے گزر جاتا ہے۔ کچھ پیدل مسافت پر ہوں گے۔ اعمال صالحہ کم ہو گئے تو گرتے پڑتے چل رہے ہوں گے۔ جہاں اعمال ختم ہو جائیں گے وہاں سے دوزخ میں گر جائیں گے۔ گرنے کے طویل عرصے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ میدانِ حشر میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔ وہاں گواہیاں، شہادتیں موجود ہوں گی۔ تمہاری نگاہ تیز ہوگی، خود سب کچھ دیکھو گے لہٰذا بہتر ہے کہ اس زندگی میں ہی آخرت کا اہتمام کر لو۔

قرین شیطان:

قَالَ قَرِیْنُہٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُہٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ اس کے ساتھ رہنے والا (شیطان) کہے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔

جب کفار کو جہنم جانے کا حکم ہوگا تو ساتھ رہنے والا شیطان پکارے گا کہ تو خود بہت دور کی گمراہی میں پڑا تھا۔ میں نے تو اسے صرف رائے دی، راستہ دکھایا تھا۔ اس سے زبردستی گناہ نہیں کروائے تھے۔ یہ سب کام اپنی مرضی سے کرتا رہا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ دنیا میں جتنی آبادی، انسانوں کی ہے اس سے نو(9) گنا زیادہ آبادی جنات کی ہے۔ چونکہ جن دنیا میں پہلے سے آباد تھے اور جتنی تعداد انسانوں اور جنوں کی ملا کر ہے اس سے نو(9) گنا زیادہ تعداد شیاطین کی ہے۔ یہ گنتی عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے تو آج انسان تک انسانی آبادی کتنی بڑھ چکی ہے۔ جتنا اضافہ انسانی آبادی میں ہوا ہے اسی اعتبار سے جنات کی آبادی میں بھی اضافہ ہوا ہوگا اور اسی اعتبار سے، اسی حساب سے شیاطین کی آبادی میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے جو ساری عمر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ شیاطین کی عمریں ہزاروں برس کی ہوتی ہیں بندہ مرجائے تو یہ کسی اور کے پاس نہیں جاتا۔ اس کی قبر یا جہاں عجب الذنب پڑی ہوو ہیں عمر گزار دیتا ہے۔ کشفاً دیکھا جائے تو اس کا حلیہ، اسی کی آواز، اسی کی شکل میں نظر آتا ہے۔ چونکہ وہ زندگی بھر اس انسان کے ساتھ رہتا ہے لہٰذا اس کے بارے وہ سب کچھ جانتا ہے جو کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اہلِ مغرب عموماً کوئی نہ کوئی عمل کر کے مرنے والوں کو بلاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کی ارواح کو بلایا ہے۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ ہر مرنے والا یا تو نجات میں ہوتا ہے یا نجات میں نہیں ہوتا۔ جو نجات میں ہے وہ اللہ کی رحمتوں میں ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں کیوں آئے گا؟ جو عذاب میں پکڑا ہوا ہے وہ گرفتارِ بلا ہے۔ اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا کر کون لائے گا؟ روحیں اللہ کے حکم کی پابند ہوتی ہیں۔ انہیں دنیا میں بلانا ممکن نہیں۔ جن کو یہ روحیں سمجھ کر بلاتے ہیں وہ یہی قرین شیطان ہوتے ہیں۔ ان سے جو سوال پوچھتے ہیں۔ بندے کی دنیوی زندگی کے حالات وواقعات سے وہ شیطان آگاہ ہوتا ہے اس لیے بتا دیتا ہے۔

روزِ حشر یہی قرین شیطان چلّائے گا کہ مجھے اس بدکار کے ساتھ دوزخ میں مت ڈالیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ سب گناہ اسی نے کیے۔ ڈاکے ڈالے، مال لوٹا، ظلم کیے، جھوٹ بولے، رشوت لی۔ میں نے تو اسے صرف مشورہ دیا، سارے جرائم اسی نے کیے۔ یہ خود بڑی دور کی گمراہی میں تھا۔ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ ارشاد ہوگا میرے پاس مت جھگڑو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ میرے ہاں بات بدلی نہیں جائے گی اور میں بندوں پر زیادتی کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ کریم فرمائیں گے، ہم نے دنیا میں اپنے انبیاؑ بھیج کر، کتابیں نازل فرما کر تمہیں دنیا میں بتا دیا تھا کہ یہ

کام کرو گے تو اس کا یہ انجام ہوگا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ تم نے یہاں حشر میں آ کر سنی ہے۔ دنیا میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ جرائم کی سزا، کفر کی سزا، شرک کی سزا کیا ہوگی۔ اب یہاں میری بارگاہ میں آ کر ایک دوسرے پر تہمتیں نہ ڈالو، الزام نہ دو اور جھگڑا نہ کرو۔ یہاں جھگڑا کرنا لاحاصل ہے۔ ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ تم نے اس وقت پروا نہیں کی۔ تم نے جب حق قبول نہیں کیا، ہمارے نبیوںؑ کی بات نہیں مانی اب عذاب کا مزا چکھو۔

میری بارگاہ کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے۔ جہاں فیصلوں میں کوئی جھول ہو، غلطی رہ جائے وہ دنیا کی عدالتیں ہوسکتی ہیں۔ اللہ کی بارگاہ کے فیصلے حتمی، اٹل اور مبنی برعدل ہوتے ہیں فرمایا، میری ذات اس سے بالاتر ہے کہ میں کسی کے ساتھ رائی برابر بھی زیادتی کروں۔ میرے سارے فیصلے عین حق ہیں۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں۔ جو کوئی دنیا سے جو کچھ لے کر آیا ہے اس کا نتیجہ اسے یہاں مل جائے گا۔ یہاں ایک دوسرے سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کے جھگڑے سے یہاں فیصلے تبدیل نہیں ہوں گے۔

سورۃ قٓ رکوع 3 آیات 30 تا 45

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَاُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ
خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ
يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ
مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ
وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ
اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ
السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ
يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ
وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ
بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی
ہے؟ ﴿۳۰﴾ اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے

گی ﴿۳۱﴾ یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر رجوع کرنے والے پابندی کرنے والے کے لیے ﴿۳۲﴾ جو رحمٰن (اللہ) سے بے دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آیا ﴿۳۳﴾ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے ﴿۳۴﴾ ان کو اس میں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور زیادہ بھی ہے ﴿۳۵﴾ اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں پھر وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (تو) کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟ ﴿۳۶﴾ بے شک اس میں اُس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہو ﴿۳۷﴾ اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں ﴿۳۸﴾ سو اُن کی باتوں پر صبر کیجیے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہیے، آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے ﴿۳۹﴾ اور رات میں بھی اس کی پاکی بیان کیا کیجیے اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی ﴿۴۰﴾ اور سُن رکھو جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا ﴿۴۱﴾ جس دن اس چیخ کو بالیقین سب سن لیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا ﴿۴۲﴾ بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے ﴿۴۳﴾ جس دن زمین اُن (مُردوں) پر سے پھٹ جائے گی وہ (فوراً) نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے ﴿۴۴﴾ ہمیں خوب معلوم ہے یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں جو (ہمارے عذاب کی) وعید سے ڈرے سو اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیے ﴿۴۵﴾

تفسیر و معارف

مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی دوزخ، جہنم وغیرہ ہے تو وہ کب سے بھر چکی ہوگی۔ بجائے اس کے اپنی فکر کرتے۔ جہنم سے بچنے کے لیے ہدایت کا راستہ اپناتے۔ انہوں نے مذاق اڑایا کہ کب سے معمورۂ عالم آباد ہے۔

لوگ کفر پر مر رہے ہیں۔ اگر واقعی یہ بات سچ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو اب تک تو جہنم بھی بھر چکی ہوگی۔ ہماری جگہ وہاں نہیں بچی ہوگی تو ہم ویسے ہی بچ جائیں گے۔ فرمایا: یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا جا رہا ہے کہ اس پر نہ رہو کہ جہنم ابھی تک بھر چکی ہے اور اس میں کوئی جگہ باقی نہیں۔ جب سب کافر و مشرک جہنم میں جھونکے جا چکے ہوں گے تو بھی وہ مانگ رہی ہوگی کہ کوئی اور کافر بھی باقی ہے تو مجھے دے دیں۔ اللہ کریم بتا رہے ہیں کہ جہنم کی اتنی وسعت ہے کہ دنیا کے سب منکرین اس میں ڈالے جائیں گے تب بھی وہ مزید کا تقاضا کرے گی! جب کافر و مشرک جہنم کا ایندھن بنیں گے تو اللہ کے پرہیز گار لوگوں کے لیے اللہ کی مہمانی ہوگی۔

فرمایا: وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ اور جنت پرہیز گاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی۔ وہ لوگ جن کا اپنے ربّ سے تعلق تھا۔ ایسا تعلق تھا کہ انہیں اللہ کی بات نہ مانتے ہوئے حیا آ جاتی تھی کہ کہیں میرا ربّ مجھ سے خفا ہی نہ ہو جائے۔ ایسے متقیوں کے لیے جنت قریب ہی سجی سجائی موجود ہوگی۔ اور فرمایا جائے گا: هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر رجوع کرنے والے پابندی کرنے والے کے لیے۔

اَوَّابٍ کے معنی ہیں رجوع کرنے والا۔ علم کی کمی یا کسی سبب کی کمی کے باعث اس تک ہدایت نہ پہنچی۔ گمراہ رہا لیکن جب ہدایت پہنچی تو خلوصِ دل سے توبہ کی اور ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کرتا رہا۔ زندگی کے ہر کام میں اطاعتِ الٰہی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتا رہا، کھانے لگا تو فکر رہی کہ کھانا حلال اور پاک ہونا چاہیے۔ کمائی حلال ہونی چاہیے۔ بات کرنے لگا تو اس میں کوئی بدکلامی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو۔ جنہیں اس طرح ہر کام میں فکر رہتی ہو کہ اللہ کا حکم کیا ہے جن کا یہ احساس زندہ رہتا ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں اور عند اللہ اسے کیا شمار کیا جا رہا ہے، اللہ کا حکم کیا ہے اور میں کیا کر رہا ہوں؟ یہ اَوَّابٍ ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے۔ حَفِيْظٍ۔ جب ہدایت نصیب ہوئی، خلوصِ دل سے توبہ کی پھر اس کی حفاظت کی پھر اس پر قائم رہے ایسے لوگوں سے خطاب ہوگا کہ تمہارے لیے اللہ کے یہ انعامات ہیں۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾ جو رحمٰن (اللہ) سے بے دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آیا۔ یہ لوگ تھے جو اللہ کے قرب کی عظمت، اللہ کی رضا کے طالب تھے اور اس کی ناراضگی سے غائبانہ ڈرتے تھے۔ انہوں نے آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھا نہ جنت کو آنکھوں سے دیکھا نہ ہی اللہ کو دیکھا۔ ان کے لیے ہر چیز پردۂ غیب میں ہے۔ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر مان گئے۔ انہوں نے مجھے خود نہیں دیکھا، میری جنت اور جہنم کو نہیں دیکھا۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور یہ ایمان بالغیب لے

آئے۔ ایمان بالغیب ہی مطلوب ہے حشر میں کون انکار کرے گا جب جنت بھی سامنے ہوگی، جہنم بھی اور فرشتے بھی نظر آ رہے ہوں گے۔ وہاں سب مان لیں گے۔ عذاب دیکھ کر تو فرعون بھی مان گیا تھا۔ جب موت کے فرشتے نظر آ گئے، پردہ ہٹ گیا تو ایمان قبول کرنے لگا۔ اللہ نے قبول نہیں فرمایا کیونکہ ایمان لانا تو دنیا کا مقبول ہے۔ جب اللہ کے نبیؑ اسے دعوت دے رہے تھے تب کفر کرتا رہا۔ عذاب دیکھ کر کون انکار کرتا ہے۔ اللہ نے اس کے وجود کو عبرت کا سامان بنا دیا۔ آج قاہرہ کے عجائب گھر میں پڑا ہے۔

مومن کے لیے کلمہ ایسی نعمت ہے کہ بندہ زبان سے ادا کرے دل سے قبول کرے، اس کے مطابق عمل کرے پھر بتقاضائے بشریت گناہ ہوتے رہے وہ مرنے لگا۔ فرشتے نظر آنے لگے۔ اس وقت بھی وہ توبہ کر لے تو قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔ بڑے ہی خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں اس وقت بھی توبہ یاد رہے۔ ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ مومن کی اس وقت کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔

خشیت قلبی کیفیت ہے۔ اللہ کا ڈر۔ ڈر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ڈر ہے، ایذا پہنچانے والی چیزوں کا ڈر۔ سانپ درندے وغیرہ کا ڈر۔ دوسرا ہے رشتوں میں دراڑ آ جانے کا ڈر۔ خشیت سے مراد ہے کہ بندے کا اللہ پر ایمان ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ اسے یہ ڈر لاحق رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس سے اس کے اس تعلق میں، اس محبت میں، اس رشتے میں کوئی دراڑ نہ آ جائے۔ یہ ڈر مطلوب ہے۔ ورنہ تو شیطان بھی کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ قرآنِ حکیم میں اس کے ڈر کے بارے فرمایا گیا ہے: اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (الحشر:16) جب انسان سے کہتا ہے تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں بے شک مجھ کو تو اللہ عالمین کے پروردگار سے ڈر لگتا ہے۔ شیطان جانتا ہے کہ اللہ کے عذاب بہت سخت ہیں اس وجہ سے ڈرتا ہے۔ شیطان کا ڈر وہ ہے جو ہمیں چور، ڈاکو اور دشمن کا ڈر ہوتا ہے۔ مومن کا ڈر تعلق کے ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ یہ مطلوب ہے۔ ورنہ اللہ کی ہیبت اور عظمت کا رعب ایسا ہے کہ ہر چیز ڈرتی ہے۔ وہ قادر ہے، مالک ہے۔ اس بات سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔

فرمایا، اور جو اللہ کے پاس قلبِ منیب لایا یعنی رجوع کرنے والا دل۔ رجوع کرنے والا کون ہے؟ جو ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔ نقصان برداشت کر لیتا ہے تعلق باللہ نہیں چھوڑتا۔ لاکھوں کی رشوت مل رہی ہو وہ اللہ کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔ قلبِ منیب وہ دل ہے جو ہمہ وقت اللہ کی طرف کھنچتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی سے دور بھاگتا ہے۔

فرمایا، جنت ان لوگوں کا گھر ہے جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات سن کر ایمان لائے اور پھر ساری زندگی اس پر گزار دی۔ ایسا سلامت دل لائے جو دولت سے للچایا نہ گناہ پر راغب ہوا نہ دنیوی لذات پر فریفتہ ہوا بلکہ ہر کام میں میرے تعلق کو ترجیح دی اور وہی کیا جس کی میں نے اجازت دی تھی۔ قلبِ منیب اس دل کو کہتے ہیں جسے استحضارِ الٰہی نصیب ہو۔ ایسا دل جس میں ہمہ وقت اللہ کی موجودگی کا احساس رہے۔ ایسا دل جس میں یہ احساس زندہ ہو کہ میرا پروردگار ہمہ وقت میرے پاس ہے۔ انابت کے لیے دل کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ انابتِ الٰہی، برکاتِ نبوت سے نصیب ہوتی ہے۔ دلائل سے اور علومِ ظاہری سے دماغ مان لیتا ہے، عقل تسلیم کر لیتی ہے۔ دماغ کا ماننا اور بات ہے، دل کا ماننا اور بات ہے۔ دماغ جن باتوں کو تسلیم کر لیتا ہے ان کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔ جب بات دل میں پہنچتی ہے تو اسے ممنوع چیزوں کا نام سننے سے بھی کراہت آتی ہے۔ قلبِ منیب وہ ہے جس میں علم پہنچ کر بندے کی پسند بن جائے۔ بندے کو یہ احساس نصیب ہو جائے کہ میرا اللہ ہر وقت میرے پاس ہے۔ قلبِ منیب وہ ہے جس میں علومِ حق کی رسائی ہو، جسے استحضارِ الٰہی نصیب ہو جائے اور جسے یہ نصیب ہو جائے وہ اللہ کی طرف سے سلامتی پا گیا۔

قلبِ منیب:

انابت کے حصول کے لیے دل کا روشن ہونا ضروری ہے۔ دل از خود روشن نہیں ہوتے۔ اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات چاہییں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیوضات دو طرح سے ہیں۔ علومِ نبوت اور برکاتِ نبوت۔ قرآن کریم ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی معرفت پہنچا۔ ساری حدیث، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا سارا عمل سنت ہے اور قرآن کی عملی وقولی تفسیر ہے۔ جو بھی بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں آیا، وہ مشرک تھا یا کافر، اس نے توبہ کی بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچ گیا، کلمہ پڑھا وہ صحابیؓ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک نگاہِ پاک سے صحابیؓ ہو گئے۔ یہ نگاہِ پاک کی کیفیات ہیں جنہیں برکاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہا جاتا ہے۔ قلبِ منیب تب بنتا ہے جب اسے برکاتِ نبوت نصیب ہوں۔ پھر وہ ہمیشہ کے لیے ذاکر ہو جاتا ہے۔ رات دن اللہ کو یاد بھی کرتا ہے تو اسے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی کیفیت نصیب ہوتی ہے، نصیب رہتی ہے۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے۔ فرمایا، یہ جنت ان کی ہے جو قلبِ منیب لے کر میری بارگاہ میں آئے۔ آج سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ دنیا میں تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیتے تھے آج دعا نہیں واقعی سلامتی نازل ہو رہی ہے۔ سکون، اطمینان اور سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج کے دن کا داخلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ کبھی اس سے نکالے نہیں جاؤ گے۔

جواس میں داخل ہو گیا، وہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو گیا۔ یہاں نہ موت آئے گی نہ بیماری اور نہ ہی بڑھاپا۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝٣٥ ان کو اس میں جو چاہیں گے ملے گا۔ جس چیز کی خواہش کریں گے وہ انہیں وہاں ملے گی جو آرزو کریں گے وہ پالیں گے۔ انسانی تمنائیں بہت وسیع ہیں۔ کوئی سب کچھ مانگ لے گے۔ بہترین سواریاں، بہترین گھر، بہترین لباس، بہترین سہولتیں، سیر گاہیں۔ سب کچھ جب مانگ چکے گا تو اللہ فرمائیں گے ہمارے پاس ابھی اور بہت انعامات ہیں۔ جہاں انسان کی آرزوئیں دم توڑ دیں گی، جہاں انسان کی تمنائیں ختم ہو جائیں گی اور انسان سمجھے گا کہ اب اس کے بعد مانگنے کو کیا رہ گیا ہے۔ اس سے زیادہ ہم اسے عطا کریں گے۔

اللہ کریم کی یہ بات اس عالمِ آب وگِل میں بھی نظر آتی ہے۔ کفار اس بات پر نازاں ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات نہ مانی تو پھر بھی مال ودولت، تجارت، جائیدادیں سب میں یہ بڑے کامیاب ہیں۔ اولاد نصیب ہے۔ فرمایا، یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٦ اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں پھر وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (تو) کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟

فرمایا، تاریخ اٹھا کر دیکھو، کتنی عظیم الشان، مال ودولت کی فراوانی میں کھیلتی کتنی قوموں کو ہم نے تباہ کر دیا۔ جب وہ کفر اور برائی پر مُصر ہوئیں تو لمحوں میں تباہ کر دی گئیں۔ ان کی ساری شان وشوکت، سائنسی اور مادّی ترقی، ان کی طاقتور فوجیں، ان کی مضبوط حکمرانی اور دولت کی ریل پیل انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ یہ قومیں جن پر ان کے کفر اور کفر پر قائم رہنے کے سبب عذاب آئے، یہ تم سے زیادہ طاقتور تھے۔ ان کی فوجیں اور لاؤلشکر لاتعداد تھے۔ اسلحہ بہترین تھا۔ دنیوی، مادّی وسائل تم سے کہیں زیادہ تھے۔ جو سائنسی حقائق انہوں نے سمجھے تھے، آج کی سائنسی ترقی ابھی وہاں نہیں پہنچی ان کی مادّی ترقی اور مال ودولت کی نشانیاں روئے زمین پر دکھائی دے رہی ہیں۔ باعثِ عبرت ہیں۔ قومِ عاد کے چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے عالیشان گھر دیکھیں آج کی جدید مشینری اس طرح نہیں بنا سکتی کہ صدیوں بعد بھی ان کی چمک دمک قائم ہے۔ اہرام مصر کے عجائبات دیکھیں۔ جیومیٹری کے حساب سے، سورج کی شعاعوں کا حساب رکھ کر ان کے اندر روشنی کا اہتمام ہے۔ ہواؤں کی سمت، ان کے چلنے کے حساب، موسموں کے تغیر وتبدل، ان سب کا درست اندازہ کر کے اہرام تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کی تعمیر عجائبات میں شمار ہوتی ہیں۔ مادّی ترقی کے عروج پر ہونے کے باوجود جب انہوں نے تکبر کیا، اللہ کے نبیوں اور اللہ کے پیغام کو ٹھکرایا تو تباہ ہو گئے۔

ان کے آثار آج بھی باقی ہیں۔ ان کی تجارتیں بھی دوسرے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ بین الاقوامی تجارت کرتے تھے۔ ان کے تعلقات دوسرے ملکوں تک وسیع تھے لیکن جب اللہ کی گرفت آئی تو انہیں کہیں بھاگنے کی مہلت نہ ملی۔ وسائل و ذرائع ہونے کے باوجود کسی دوست کے پاس پناہ نہ لے سکے نہ کسی دوسرے علاقے میں پناہ پا سکے! فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ بے شک اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہو۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے فہیم دل چاہیے:

قرآن واقعات بیان کرتا ہے تو اس میں نصیحت ہے، سراسر نصیحت ہے۔ عبرت کے مقامات ہیں، ہدایت پانے کے ذرائع ہیں۔ توبہ کرنے کی دعوت ہے لیکن نصیحت تو وہ قبول کرتا ہے جس کے سینے میں دل ہو۔ عجیب بات ہے دل بدن کا ایسا حصہ ہے جو شکمِ مادر میں دھڑکنا شروع کرتا ہے تو کبھی رُکتا نہیں اور جب رُکتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ کوئی ہزاروں سال بھی جیئے تو شکمِ مادر سے لے کر موت تک دل اپنا کام کرتا رہتا ہے اور جب دل کام چھوڑتا ہے، زندگی ختم ہو جاتی ہے کوئی سو برس، اسی برس، ساٹھ برس، جتنا جیئے رات دن دل نہیں رُکتا۔ حتیٰ کہ سو جائے یا کسی وجہ سے بے ہوش ہو جائے تب بھی۔ دل چلتا رہتا ہے۔ دل اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں قرآن سے وہ ہدایت حاصل کرتا ہے جس کے سینے میں دل ہو۔ دل تو ہر ایک کے سینے میں ہے لیکن یہ وہ دل ہے جو خون سپلائی کرتا ہے اور ہر ایک کے سینے میں ہے۔ اسی کے اندر ایک لطیفہء ربانی ہے جسے قرآن کبھی قلب کہتا ہے کبھی کوئی اور نام دیتا ہے تو وہ قلب دراصل لطیفہء ربانی ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ دل زندہ وہ ہے جس کا وہ لطیفہء قلب زندہ ہے۔ ہدایت وہ قبول کرتا ہے۔ آخرت کے نفع نقصان وہ سوچتا ہے۔ دنیا کا نفع نقصان دل نہیں، دماغ سوچتا ہے۔ مادّی چیزیں جو ہیں اُن کے لیے مادّی دماغ ہے۔ دل میں لطیفہء قلب زندہ ہو تو اُسے نصیحت نصیب ہوتی ہے۔ جو بات کانوں میں پڑے اس سے فائدہ تب ہوتا ہے جب بندہ اسے دل تک پہنچائے۔ قرآن اس بات کو یوں بتا رہا ہے کہ جس نے دل سے سنا وہ گویا وہ خود موجود تھا اور جو موجود تھا اس نے صرف کانوں سے سنا تو کیا سنا اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں بات کان میں پڑے بندہ خود بھی وہاں موجود ہو: وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ یعنی اُس کا دل بھی اُس بات کا تجزیہ کر رہا ہو۔ اگر بات صرف کانوں تک آئی دل تک نہیں گئی تو گویا وہ بندہ خود وہاں موجود نہیں تھا۔ بات ہوتی رہی۔ جیسے ہم یہاں یہ بات کر رہے ہیں جو شخص یہاں موجود نہیں ہے اُس کو کوئی اثر ہوگا؟ اچھا یا برا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کسی کو اچھی لگے یا بُری لگے کسی کو پسند آئے یا ناپسند ہو لیکن وہ یہاں سن رہا ہے تو پسند و ناپسند ہوگی اور جو سُن ہی نہیں رہا، یہاں موجود ہی نہیں ہے؟ فرمایا،

جب دل مردہ ہوتا ہے تو عالم یہ ہوتا ہے کہ وہاں دل تو موجود نہیں صرف کان سُن رہے ہیں دماغ میں بات جا رہی ہے۔ جو بات دماغ میں جاتی ہے وہ خبر ہوتی ہے علم نہیں ہوتا۔ خبر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ایک اخبار میں کتنی خبریں چھپتی ہیں۔ ایک ہی صفحے پر ماتمی جلوسوں کی بھی خبر ہوتی ہے اور شادی کے بینڈ باجے کی بھی۔ تو صفحے کو کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا وہ ان خبروں سے متاثر ہوتا ہے؟ ایک ہی اخبار میں جنگ کی خبریں بھی ہوتی ہیں، امن کی بھی۔ ایک ہی اخبار میں یہ خبر بھی ہوتی ہے کہ اتنے لوگ لاعلاج مر گئے۔ ایک ہی اخبار میں یہ خبر بھی ہوتی ہے کہ فلاں جگہ علاج معالجے کا بڑا اچھا انتظام ہے۔ خبروں سے اخبار کے صفحات کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح جب بات دل میں اُترتی ہے تو نتیجہ نکلتا ہے۔ بندہ کہتا ہے ایسا کیوں ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا، نصیحت اُن پر اثر کرتی ہے جو نصیحت سنتے وقت خود حاضر بھی ہوں۔ حاضر وہ ہے جس کا دل اثر قبول کر رہا ہے۔ اگر دل مُردہ ہے کان سُن رہے ہیں تو فرمایا، نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اُسے فائدہ نہیں ہوتا۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ ہر کام جھٹ پٹ ہو جائے ہم نے کفر کیا ابھی اِس کا نتیجہ نکل آئے۔ دورِ حاضر میں یہ بات بہت سے اللہ کے نیک بندے نماز روزہ کرنے والے لوگ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں اتنی نمازیں پڑھتا ہوں تو یہ نہیں ہوا، وہ نہیں۔ میں نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہوں ذکر بھی کرتا ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں میرے بیٹے کو نوکری نہیں ملتی۔ کمال ہے یار! وہ نماز معرفتِ الٰہی کے لیے ہے، اطاعتِ الٰہی کے لیے ہے، اتباعِ رسالت کے لیے ہے۔ دنیا کے امورِ دنیا کے طریقے سے ہوں گے۔ یہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ہے۔ نوکریاں یا دکان چلانے کے لیے تو نہیں۔ اسی طرح کافروں کا بھی خیال تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچ فرما رہے ہیں اور ہم نہیں مان رہے تو پھر آ جائے عذاب! لیکن حق تو یہ ہے کہ اللہ کا نظام ایک ترتیب سے کام کرتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔

فرمایا، زمین و آسمان، زمین کی ساری مخلوق، پہاڑ، دریا، میدان، روئیدگی اس میں حیات، فضائیں، بادل، سیارے، ستارے سورج، آسمان، پھر آسمان کا نظام یہ چھ دنوں میں ہم نے مکمل کر دیا حالانکہ اللہ جب چاہتے ایک 'کُن' سے آنِ واحد میں سب ہو جاتا جیسا کہ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس: 82) جب اللہ کسی چیز کو کرنا چاہتے ہیں فَیَقُوْلُ کُنْ اُسے کہتے ہیں، 'ہو جا' وہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا، ہم نے کُن سے پیدا نہیں کیے ایک ترتیب سے بنائے۔ پہلے پانی پیدا فرمایا۔ پھر اُس پر ایک جھاگ کا ٹکڑا سا

تھا وہاں سے مٹی، زمین بنی پھر اُس کو پھیلایا۔ وہ مرکزی نقطہ جہاں تھا وہاں بیت اللہ شریف ہے۔ وہاں سے ساری زمین پھیلائی پھر اُس پر پہاڑ بنائے پھر اُس میں دریا چشمے، ساری روئیدگی، سارا نظامِ ارضی، پھر نظام فلکی بنایا، ترتیب وار بنانا فطرت کا قانون ہے اگر تم آج گناہ کر رہے ہو تو قانون فطرت کے مطابق ایک دن اُن پر نتیجہ نکل آئے گا۔ اگر تم نیکی کر رہے ہو تو ایک دن نیکی کا انعام ملے گا لیکن دنیا کا نظام فطرت کے مطابق چلے گا۔ تم بیمار بھی ہو گے۔ تمہیں بھوک پیاس بھی ستائے گی۔ گرمی سردی بھی لگے گی۔ نیکی البتہ چلتی رہے گی۔ اپنی منزل تک پہنچ جائے گی۔ یہ قانونِ فطرت ہے اُسے نہ تمہاری نیکی بدل سکتی ہے نہ کسی کی برائی۔ کسی عبادت گزار کو یا ذاکر کو گھبرانا نہیں چاہیے کہ میں نے اتنی محنت کی لیکن دنیوی کام اٹکے ہوئے ہیں۔ دنیا کے کام دنیا کے طریقوں کے مطابق ہونے چاہییں کاروبار نہیں چلتا تو کاروبار کے اصول سیکھیں۔ کسی کے ساتھ رہ کر تجربہ حاصل کریں۔ عبادات اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ ذکر بنیادی طور پر رضائے الٰہی کے لیے ہے اپنی ذات میں تبدیلی کے لیے ہے برائی سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کے لیے ہے اگر یہ کام ہو رہے ہیں تو الحمد للہ! اور نظر آتا ہے نہیں آتا، موت جب آئے گی تو کافر کو بھی فرشتے نظر آ جائیں گے۔ مومن کو بھی نظر آ جاتے ہیں ہر ایک پر برزخ کھل جاتا ہے۔ ایک دن سب کچھ نظر آ جائے گا۔ اگر آج نہیں آ رہا تو کیا فرق پڑا؟ ہم نظر آنے کے لیے محنت نہیں کر رہے ہم اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں۔ اللہ کی رضا کی مظہر وہ مثبت تبدیلی ہے جو ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ نیکی کی طلب، نیکی کی توفیق اور بُرائی سے بچنے کی توفیق تو فرمایا یہ نظامِ قدرت ہے یہ ایک ضابطے کے تحت چلتا ہے۔ تم جو بیج بو رہے ہو آخر ایک دن اس پر فصل پک جائے گی۔ جلدی نہ کرو کہ ابھی بیج بویا، ابھی سِٹا لگ جائے!

کفار کو خطاب ہے کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کہہ رہے ہیں لیکن ہم تباہ تو نہیں ہوئے؟ تم ضرور تباہ ہو جاؤ گے لیکن اپنے وقت پر!

آسمانوں زمینوں کی تخلیق اور کائنات کی تخلیق نے ہمیں تھکایا نہیں ہے۔ اللہ کریم اس سے کوئی تھک نہیں گئے کیونکہ تھک جانا ایک نقص ہے کمزوری ہے اور وہ نقائص سے بالاتر اور پاک ذات ہے۔ اس نظام میں دیکھو۔ تم کیا چیز ہو؟ کتنی مخلوق ہے اس زمین پر۔ صرف زمینی مخلوق کا بندہ اگر۔۔۔ ایک انسان اپنے آپ کو لکھنا چاہے تو زمین پر اتنی مخلوق ہے کہ وہ اعشاریہ لگا کر صفر لکھتا رہے ساری عمر صفر لکھتا رہے گا 'ایک' لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ کتنی مخلوق ہے اور اعشاریہ زیرو، زیرو، زیرو۔۔۔ کہیں جا کر ایک، نہیں آئے گا خواہ ساری عمر لکھتے رہو۔ اپنی حیثیت تو دیکھو!

گمراہوں سے کسی خیر کی کیا توقع!

فرمایا: فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ۔۔۔ سوان کی باتوں پر صبر کیجیے۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) ان کی اس طرح کی باتوں کی پروانہ کیجیے۔ نیک اور صالح مسلمان کو بدکاروں کی ان مثالوں اور ان طعنوں سے گھبرانا نہیں چاہیے یعنی یہ گمراہ ہیں ان سے کسی خیر کی کیا توقع ہے؟ جو اللہ کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم نہیں کرتے بارگاہِ الٰہی کے گستاخ ہیں، بارگاہِ رسالت کے گستاخ ہیں آپ اُن سے کسی بھلائی کی امید کیوں رکھتے ہیں؟ آپ کافروں سے یہ شکوہ کیوں کرتے ہیں کہ وہ ہم سے برائی کرتے ہیں، آپ ان سے بھلائی کی امید ہی کیوں رکھتے ہیں؟ وہ جو اللہ کے وفادار نہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار نہیں جنہیں اپنی عاقبت آخرت کی فکر نہیں وہ تمہارے ساتھ کیا نیکی کریں گے؟ مت گھبرایئے! انہیں باتیں کرنے دیجیے جو کچھ یہ طعنے دیتے ہیں کہتے ہیں، کرتے ہیں، ان کے طنز اور طعنوں کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

اوقاتِ صلوٰۃ اور ذکر کی صورتیں:

فرمایا: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے رہیے۔ آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے، سورج غروب ہونے سے پہلے اللہ کی پاکی بیان کیجیے یعنی ہمہ وقت۔ ان آیات میں فرض نمازوں کا ذکر ہے۔ نماز سے پہلے اور بعد کے اوراد، اور تسبیحات کا ذکر ہے اور دوامِ ذکر کی تاکید ہے۔ رات میں اللہ کی یاد کی تاکید ہے۔ غرض یادِ الٰہی کی ہر صورت کا بیان ہے۔ فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ اور رات میں بھی اس کی پاکی بیان کیجیے اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی۔ سجود کہتے ہیں فرض نماز، جو سجدے فرض ہیں یعنی جو نمازیں فرض ہیں اُنہی پر نہ رک جاؤ کہ اب فرض ادا کر لیا تو یادِ الٰہی تمام ہوگئی۔ اُس کے بعد بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو۔ رات ہو، دن ہو، سورج طلوع ہو گیا یا غروب ہو گیا۔ صبح ہوگئی یا شام ہوگئی، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ عظمتِ الٰہی بیان کرتے رہو۔ سجدے فرض ہیں۔ پانچ نمازیں فرض ہیں آپ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں، اشراق پڑھتے ہیں، چاشت کے نفل پڑھتے ہیں۔ زوالِ آفتاب کے نفل پڑھتے ہیں۔ مغرب کے ساتھ اوّابین پڑھتے ہیں۔ عشا کے بعد پھر تہجد پڑھتے ہیں، سارے سجدے مقبول لیکن اسی پر بس نہ کرو۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ذکرِ دوام کرتے رہو۔ یہ ذکرِ دوام رضائے الٰہی کا سبب بھی ہے۔ آخرت کے عظیم اجر کا سبب بھی ہے اور دنیا میں کفار کے شر سے بچنے کا قلعہ بھی ہے اور کفار کو جواب دینے کی طاقت بھی ہے۔

ذکرِ الٰہی کی صورتیں:

بعض سورتوں، بعض قرآنی آیات کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث میں ملتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرماتے ان کا پڑھنا اعلیٰ درجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف وظائف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف مسائل کے حل کے لیے ارشاد فرمائے ہیں کہ تکلیف کے لیے یہ پڑھیں، مصیبت کے لیے یہ پڑھیں، رزق کی فراخی کے لیے یہ پڑھیں یہ سب پڑھنا باعث رحمت ہے لیکن یاد رکھیں کہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وجود کا ذرّہ ذرّہ ذاکر تھا۔ ہمہ وقت کے ذاکر بھی تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم قرآنِ کریم سے اوّل سے آخر تک تلاوت کے شوقین بھی تھے۔ جب وقت ملتا ترتیب سے تلاوت کرتے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کثرت سے تلاوت کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا کہ مہینے میں ایک ختم کافی ہے۔ یارسول اللہ! اُس سے طبیعت سیر نہیں ہوتی! فرمایا، پھر ایسا کرو دس دن میں تیس سپارے، تین سپارے روزانہ پڑھ لیا کرو۔ یارسول اللہ! زیادہ پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ فرمایا، مناسب ہے اس سے کم پڑھو تو پڑھ لو۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ تم پر جتنا کلامِ الٰہی کی محبت کا حق ہے جتنا تلاوت کا حق ہے جتنا عبادت کا اتنا حق بدن کا بھی ہے۔ اُسے غذا، دوا، آرام چاہیے تو جو مناسب سلیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے متعین فرمایا وہ یہ ہے کہ بندہ تین پارے روز پڑھ لے۔ قرآن کی تلاوت کے بعد زبانی وظائف کی باری آتی ہے کہ اتنی تسبیحات پڑھے، فلاں سورت سونے سے پہلے پڑھے۔ ہمارے ہاں یہ ہے کہ وہ تسبیحات پڑھ لیں قرآن چھوڑ دیا۔ ایک سورت یاد کر لی باقی سارا قرآن چھوڑ دیا لوگ کہتے ہیں میں سورۂ یٰسٓ پڑھتا ہوں۔ میں سورۂ یٰسٓ کا عامل ہوں۔ سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ! قرآن عملیات کی کتاب ہے؟ قرآن ہدایت کی کتاب ہے، عملیات کی نہیں تو بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس بات کو نہیں سمجھتے۔''

فرمایا، اللہ کا ذکر کیجیے، سورج طلوع ہونے سے پہلے، سورج غروب ہونے سے پہلے، راتوں کو اور فرض نمازوں کے بعد بھی گویا ذکرِ دوام ضروری ہے ہر حال میں ذکر کیجیے: وَاسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾ اور سن رکھو جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا اسی فکر میں رہو کہ ابھی پکارنے والا قریب سے پکار دے گا۔ ابھی صور پھونکا جائے گا، ابھی اسرافیل کی آواز آجائے گی، ابھی قیامت قائم ہو جائے گی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ کتنا وقت باقی ہے۔ ارشادِ نبوی علیہ والصلوٰۃ والسلام ہے: مَنۡ مَّاتَ فَقَدۡ قَامَتۡ قِیَامَتُہٗ (مشکوٰۃ) فرمایا جو مر جاتا ہے، اس کی قیامت تو آجاتی ہے۔ دارِ عمل ختم ہو گیا حساب کتاب شروع ہو گیا تو اُس کی قیامت تو آگئی تو تمہارے پاس کتنی فرصت ہے؟ زندگی کا کوئی پتا ہے، دم آیا آیا، نہ آیا کوئی نہ! تو ہمہ وقت اس فکر میں رہو کہ

پکارنے والا ابھی پکار لے گا۔ موت ابھی آدھمکے گی، برزخ میں ابھی جانا پڑ جائے گا۔ سوال و جواب ابھی شروع ہو جائیں گے۔ تیاری میں رہو۔ یہ نہ ہو کہ موت آئے تو کہو مجھے تو ابھی نفل پڑھنے تھے، مجھے تو ابھی تسبیح پڑھنی تھی۔ تم اپنی تیاری میں رہو پھر جس وقت بھی موت آئے آئے۔ فرمایا، اسرافیل علیہ السلام جب پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے تو ہر شئے فنا ہو جائے گی۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کتنی دیر یہ حالت جاری رہے گی۔ دوسری بار قرنا (صور) پھونکنے سے پہلے انسانی وجود کے ذرّات کو پکاریں گے کہ سب واپس زندگی کی طرف آجاؤ، تمہارا اللہ جلِّ شانہٗ تمہیں اپنی بارگاہ میں بلا رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بندے کو ایسے معلوم ہوگا جیسے اس کے کان میں ہی کہہ رہا ہے۔ بہت قریب سے آواز سنائی دے گی۔ پھر قرنا (صور) کی آواز آئے گی، زمین پھٹ پڑے گی اور سارے انسان نکل کھڑے ہوں گے۔ مخلوق نکل کھڑی ہوگی۔

فرمایا: يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ جس دن اس چیخ کو بالیقین سب سن لیں گے یہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ اس دن کہا جائے گا۔ آج قبروں سے نکل آنے کا دن ہے۔ آج زمین کے سینے سے پھوٹ پڑنے کا دن ہے آج حاضری کا وقت آ گیا، نکلو! اُٹھو چلو! فرمایا، ہمہ وقت اس وقت کو حاضر رکھو۔ اسے استحضار کہتے ہیں، عظمتِ الٰہی کا استحضار ہو۔ میرا رب بہت بڑا ہے۔ میرا رب میرے پاس ہے۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ میری موت سب سے زیادہ قریب ہے میرے۔ کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ صورِ اسرافیل میرے لیے تو کسی وقت بھی پھونکا جا سکتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے۔ فرمایا، تم جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہو تمہارے بس میں ہے کیا؟ اپنی مرضی سے پیدا ہو سکتے ہو؟ اپنی مرضی سے مر سکتے ہو؟ کسی کو تم چاہو تو بیمار کر سکتے ہو؟ کسی بیمار کو چاہو تو شفا دے سکتے ہو؟ یہ نظامِ حیات و موت، یہ بقا و فنا، یہ کارگہہ حیات کا نظام، اللہ فرماتے ہیں، تمہارے پاس ہے کیا، یہ تو میرے دستِ قدرت میں ہے ہم زندگی دیتے ہیں ہم موت دیتے ہیں اسی لیے تمہیں ضرور لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہوگا۔ ہم جب پیدا کرتے ہیں تو ہو جاتے ہو، ہم جب موت بھیجتے ہیں تو مر جاتے ہو۔ ہم جب کہیں گے، حاضر ہو جاؤ، تم حاضر ہو جاؤ گے، چھپ نہیں سکو گے۔ پیدائش سے پہلے کسی کو پتا ہوتا ہے، میں پیدا ہو رہا ہوں؟ حکم ہوتا ہے پیدا ہو جاؤ ہو جاتے ہو۔ موت سے پہلے کوئی تیار ہوتا ہے موت کے لیے؟ ہر کوئی چاہتا ہے نہ مروں حکم ہوتا ہے مر جاتا ہے۔ فرمایا، تم مٹی میں مل جاؤ تمہیں کوئی خبر بھی نہ ہو جب ہم چاہیں گے، تم کھڑے ہو جاؤ گے۔ جس طرح پیدا ہونے سے پہلے تم کو کوئی خبر نہیں تھی ہم نے پیدا کیا تم ہو گئے۔ تم پیدا ہو کے کھڑے ہو جاؤ گے۔ تم نہ چاہو کہ اللہ کی بارگاہ میں

جائیں تو تم نہ چاہو کہ حساب کتاب ہو لیکن تمہیں حاضر ہونا پڑے گا۔ ہم کہیں گے تم حاضر ہو جاؤ گے: يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا۔۔۔جس دن زمین ان (مُردوں) پر سے زمین پھٹ جائے گی۔ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ وہ (فوراً) نکل کھڑے ہوں گے اور اُن سب کو واپس جمع کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔ کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ کسی کے ذرّات کہیں بھی ہیں، آگ میں جل گیا، درندے کھا گئے گولہ بارود سے اُڑ گیا۔ کسی نہ کسی مادّے کی شکل میں روئے زمین پر بکھر کر موجود ہوگا۔ ہمارے حکم پر زمین اکٹھے کر دے گی، ذرّات مل کر وجود بن جائیں گے۔ اور سب ہماری بارگاہ میں جمع ہوں گے اور ہمیں یہ جمع کرنا آسان ہے کوئی مشکل نہیں: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۔۔۔ ہمیں خوب معلوم ہے یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! یہ جو حجت بازی کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے، کبھی طنز کرتے ہیں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کا انکار کرتے ہیں۔ کبھی اُن پر اعتراض کرتے ہیں، آپ کے پیغام پر طنز کرتے ہیں جو کچھ یہ کہتے ہیں ہم خود جانتے ہیں۔ انہیں خبر نہیں ہے یہ ہمارے روبرو کر رہے ہیں۔ انہیں اُس دن پتا لگے گا جب ان کا محاسبہ ہوگا کہ میرے نبیؐ کی شان میں تم نے یہ گستاخی کی۔ میرے نبیؐ نے تمہیں حق پہنچایا، تم نے یہ باطل جواب دیا۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔۔۔ آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے زبردستی قبول نہیں کروانا۔ ان سے منوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصب نہیں ہے۔ ان تک پہنچانا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصب ہے۔ ہم جو آج کے مبلغ ہیں جو اپنے آپ کو بڑا معتبر سمجھتے ہیں ہمیں بھی یہ روّیہ اپنانا چاہیے کہ بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے کریں، منوانے کے لیے نہیں۔ کوئی نہیں مانتا تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے کوئی عقیدے میں فرق کرتا ہے تو اُس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ اللہ دیکھیں گے، اللہ پوچھیں گے۔ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ صحیح عقیدہ یہ ہے عمل کا صحیح راستہ اور صحیح طریقہ اور سنت یہ ہے۔ اگر اب کوئی نہیں مانتا تو ہماری اُس سے لڑائی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اُس پر فتوے لگانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کون مان رہا ہے، کون نہیں مانتا۔ اُسے بندوق سے اُڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا عقیدہ نہیں مانتا، میری بات نہیں مانتا اسے بارود سے اُڑا دو۔ اس پر خود کش حملہ آور بھیج دو۔ یہ سب حرام اور ناجائز ہے۔ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ دو حق ہر بندے کو اللہ نے دیے ہیں۔ ایک زندہ رہنے کا حق۔ اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ جو کسی کو زندگی دے نہیں سکتا وہ اس سے لے بھی نہیں سکتا۔ اگر کسی کو قتل کرے گا تو فرمایا، اُس کا جرم یہ ہوگا جیسے اُس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا کیونکہ زندگی لینا اُسی کو سجتا ہے جو زندگی دیتا ہے۔ شریعت کے حکم کے مطابق کوئی قتل ہوتا ہے، شرعی لحاظ سے، کوئی قتل ہوتا ہے تو وہ ایک الگ بات ہے۔ وہ تو اللہ کا حکم ہے۔ بندہ

اپنے حکم سے کسی کو نہیں مار سکتا۔ دوسرا حق ہے ہر بندے کو عقیدہ رکھنے کا۔ کوئی کافر ہے، ہندو ہے، جین مت ہے، بدھ مت ہے، عیسائی ہے، یہودی ہے آپ اُس سے اس لیے نفرت نہ کریں۔ اُس کے انسانی حقوق بحال ہیں۔ عقیدے کے مطابق اُس کے ساتھ اللہ کریم برتاؤ کریں گے۔ بحیثیت انسان جو رشتہ ہے، وہ آپ کو اُس کا احترام بھی کرنا ہے۔ اُس کی جان کی حفاظت کرنی ہے۔ اُس کے مال کی حفاظت کرنی ہے۔ مسلمان کو اُس کی آبرو کی حفاظت کرنی ہے۔ اُس کے انسانی حقوق سارے بحال ہیں قرآنِ حکیم کا انداز یہ ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُن پر مسلط نہیں کیے گئے کہ ان سے زبردستی منوائیں: مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ﴿۴۵﴾ جو (ہمارے عذاب کی) وعید سے ڈرے سو اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیے۔ یعنی یہ کہ آپ قرآن سے نصیحت فرمائیے۔ جو مانتا ہے وہ اپنے لیے مانتا ہے، اس کو برکاتِ نبوت نصیب ہوں گی۔ جو نہیں مانتا محروم رہے گا۔ ہمارے پاس آئے گا، سزا پائے گا، یہ لوگوں پر چھوڑ دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کو زبردستی منوانے کے مکلف نہیں ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نصیحت بھی وہ نصیحت ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو جب ہم قرآن وسنت سے باہر نکل کر، کہانیاں سُنا سُنا کر لوگوں کو وعظ کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں اُس طرف لے جاتے ہیں جو قرآن وسنت کے مخالف ہے تو وہ نصیحت نہیں رہتی۔

نصیحت تو اُن کو ہوتی ہے جو اللہ کی عظمت سے آشنا ہیں۔ جو نیکی کر کے ڈرتے ہیں۔ جو گناہ کر کے بھی نہیں ڈرتا اُس کو نصیحت کیا ہوگی؟ جو غلط عقائد پر ڈٹا ہوا ہے اور اسے کوئی اللہ کا خوف نہیں، جو برائی کر کے فخر کرتا ہے اُسے نصیحت کیا ہوگی؟ نصیحت بھی اُن کے لیے ہے جو بھلائی کرتے ہیں نیکی کرتے ہیں عبادت کرتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ یہ تو میری نمازیں ہیں وہ بارگاہ کتنی بلند ہے جہاں انبیاؑ سربسجود ہیں، جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سجدے ہیں، جہاں فرشتوں کی تسبیحات ہیں جہاں نباتات، جمادات، روئے زمین کی ساری مخلوق اُس کی عظمت کے گُن گا رہی ہے، وہاں اس مسکین کے سجدے کیا ہوں گے؟ میرے مراقبات میں کیا رکھا ہے؟ نصیحت اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں اور عظمتِ الٰہی کا ادراک ہوتا ہے۔ سورۃ قٓ یہاں تمام ہو جاتی ہے۔

سورۃ الذّٰریٰت رکوع 1 آیات 1 تا 23

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ
اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ
الْحُبُكِ ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ
الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۲﴾
یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ
رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا
یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ
وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار کو اڑاتی ہیں ﴿۱﴾ پھر اُن (بادلوں) کی جو بوجھ کو
اٹھاتے ہیں ﴿۲﴾ پھر اُن (کشتیوں) کی جو نرمی سے چلتی ہیں ﴿۳﴾ پھر اُن
(فرشتوں) کی جو حکم کے مطابق (چیزیں) بانٹتے ہیں ﴿۴﴾ بے شک تم سے جس
(قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے ﴿۵﴾ اور بے شک جزاوسزا ضرور
ہوگی ﴿۶﴾ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) راستے ہیں ﴿۷﴾

بے شک تم لوگ مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو ﴿۸﴾ اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے ﴿۹﴾ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے ﴿۱۰﴾ جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں ﴿۱۱﴾ پوچھتے ہیں کہ روزِ جزا کب ہوگا؟ ﴿۱۲﴾ اُس دن جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا ﴿۱۳﴾ اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ﴿۱۴﴾ بے شک پرہیزگار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۱۵﴾ ان کے پروردگار نے جو ان کو عطا کیا ہوگا وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے بے شک یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکوکار تھے ﴿۱۶﴾ یہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے ﴿۱۷﴾ اور آخرِ شب میں بخشش مانگا کرتے تھے ﴿۱۸﴾ اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں (دونوں) کا حق تھا ﴿۱۹﴾ اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۲۰﴾ اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ ﴿۲۱﴾ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ (قیامت کا) کیا جاتا ہے (اس کا معین وقت) آسمان میں ہے (اللہ کے پاس ہے) ﴿۲۲﴾ پس آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! بے شک یہ سچ ہے (ایسے) جیسے تم باتیں کرتے ہو ﴿۲۳﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الذّٰریٰت شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ یہ تین رکوع پر مشتمل ہے۔ زاریات کہتے ہیں بکھیرنے، اڑانے، ریزہ ریزہ اڑا دینے یا ذرہ ذرہ بکھیر دینے کو! ارشاد ہوتا ہے: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار کو اڑاتی ہیں۔ اللہ کریم نے اس سورت میں اپنی بہت سی نشانیوں کی قسم کھا کر بتایا کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا پھر فرمایا: فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ پھر اُن (بادلوں) کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾ پھر ان (کشتیوں) کی جو نرمی سے چلتی ہے۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ پھر اُن (فرشتوں) کی جو حکم کے مطابق (چیزیں) بانٹتے ہیں۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ بے شک تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ﴿۶﴾ اور بے شک جزا و سزا ضرور ہوگی۔

پہلے فرمایا، ان ہواؤں کی قسم جو ذرّوں کو بکھیر دیتی ہیں اور ان ہواؤں کی قسم جو بادلوں کو پانی کے سمندروں سے اٹھا لاتی ہیں۔ وہی ہوا ہوتی ہے لیکن اللہ کے حکم سے مختلف کام انجام دیتی ہے۔ جب حکم ہوتا ہے بارانِ رحمت کا انتظام کرتی ہے جب حکم ہوتا ہے طوفان بن جاتی ہے۔ کبھی سمندروں سے بخارات کی صورت، انسان کی خاطر ٹنوں پانی اٹھا کر پھر رہی ہوتی ہے کبھی طوفان بن کر، آندھی اور جھکڑ بن کر آتی ہے۔ لوگوں کے مکان گر جاتے ہیں، جانور مر جاتے ہیں، تباہی پھیل جاتی ہے۔ جب حکم ہوا تو عاد پر ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ پل بھر میں اجاڑ کر رکھ دیا۔ آج بھی دنیا کے چند حصوں میں ہوا کے بہت شدید طوفان آتے ہیں۔ جھاڑو کے باریک تنکے آندھی میں اس تیزی سے گھومتے ہیں اور اڑ کر موٹے تنوں والے درختوں کے تنوں سے پار ہو جاتے ہیں۔ کاروں، جیپوں کو وہ طوفانی ہوا اٹھاتی ہے اور میلوں دور جا پھینکتی ہے۔ مکانوں کو اس طرح اڑاتی ہے جیسے پرندے کا گھونسلہ تھا۔ فرمایا، یہ اس بات پر گواہ ہیں کہ حساب کتاب کا دن آ کر رہے گا!

وہ فرشتے جو انسانی زندگی کو سہولتیں بہم پہنچانے پر مقرر ہیں وہ بھی اس بات پر گواہ ہیں۔ وہ سارا اہتمام کرتے ہیں کہ انہی ہواؤں سے طوفان بناتے ہیں تو انہی ہواؤں سے بادل بناتے ہیں اور ابرِ رحمت بھی برساتے ہیں۔ وہی فرشتے جو انسانی عقل کو ہمت اور وجود کو طاقت دیتے ہیں کہ انسان طرح طرح کی سواریاں بناتا ہے۔ زمین پر دوڑنے والی کاریں اور سمندروں میں چلنے والے جہاز یا فضا میں اڑنے والی سواریاں ان کے لیے فرشتے طاقت وقوت تقسیم کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر گواہ ہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے، یہ سچا ہے۔ یہ سارے قدرتِ باری پر گواہ ہیں جس ہوا کو اللہ نے طوفان بننے کا حکم دیا تباہ کرنے کا، وہ طوفان بنی، تباہی کر دی۔ یہ گواہی دے رہی ہے کہ جو اللہ فرماتا ہے وہ ہو کے رہتا ہے۔ جن ہواؤں کو رحمت کا سبب بنایا وہ پانی کے بخارات اُٹھا کر لاتی ہے جہاں اللہ کا حکم ہے وہاں برستی ہیں ورنہ لے کر پھرتی رہتی ہیں کوئی ان سے زبردستی برسا نہیں سکتا۔ ہر قطرہ وہاں پہنچتا ہے جہاں اللہ اُسے پہنچانا چاہتا ہے وہ اس بات پر گواہ ہیں وہ وسائل اور وہ ذرائع اور وہ سواریاں جو انسان کی آمد و رفت کی تسہیل کا سبب ہیں وہ بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ، جس نے شعور بخشا اور تم نے آسانی کے لیے سواریاں بنائیں تم آسانی کے لیے جہاز بناتے ہو لیکن وہ بحری جہاز غرق ہو جاتا ہے۔ جب اللہ اُسے غرق کرنا چاہتا ہے تو وہ آرام کی بجائے تباہی کا سبب بن جاتا ہے تم ہوائی جہاز میں آرام سے سفر کرنے کے لیے بیٹھتے ہو اللہ چاہتا ہے تو وہ گر کر تباہ ہو جاتا ہے۔ تم کاریں آرام سے جانے کے لیے بیٹھتے ہو وہ کسی کار سے، کسی درخت سے ٹکرا کر اُلٹ جاتی ہے تباہ کر دیتی ہے۔ یہ ساری باتیں قدرتِ باری پر گواہ ہیں یہ اس بات کی گواہ ہیں کہ تم سے جو قیامت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا ہے یہ ساری باتیں اس کی دلیل ہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو فرمایا ہے، وہی ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمادیا قیامت ہوگی۔ یہ سچ ہے: وَاِنَّ

الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ⑥ اور بے شک جزا وسزا ضرور ہوگی اور یقیناً قیامت قائم ہوگی۔ حساب کتاب کا دن قائم ہوگا یقینی طور پر ایسا ہوگا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ⑦ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) راستے ہیں۔

فرمایا، زمین ہی نہیں ہم نے آسمان بھی شہروں کی طرح بسا دیے ہیں۔ ان میں آسمانی مخلوق کے آنے جانے کے الگ الگ راستے ہیں۔ شاہراہیں اور راہیں ہیں۔ زمین ہی نہیں آسمان کا نظام بھی اس بات پر گواہ ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوگی۔ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ⑧ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ⑨ بے شک تم لوگ مختلف باتوں میں پڑے ہو۔ اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے یہ آسمان کی رنگارنگی بھی اس بات پر گواہ ہے کہ تم انسانوں میں اختلافات ہیں۔ جس طرح راستے مختلف ہیں۔ جس طرح فضائیں مختلف ہیں جس طرح موسم مختلف ہیں، اُسی طرح تمہاری سوچیں بھی مختلف ہیں۔ تم اپنے کہنے، اپنی باتوں میں اختلاف رکھتے ہو، اپنی سوچوں میں اختلاف رکھتے ہو، اپنے کردار میں بھی اختلاف رکھتے ہو۔ یاد رہے! اختلاف رائے اور چیز ہے اور مخالفت دوسری چیز۔ اختلافِ رائے تو ہو سکتا ہے لیکن خلاف ہو جانا اور بات ہے۔ اختلاف رائے ایک حد کے اندر رہ کر کرنا اور بات ہے یعنی بات کو مختلف انداز سے سمجھنا۔ ایک بات کے تین پہلو ہیں، ایک بندہ ایک پہلو پر عمل کرتا ہے دوسرا دوسرے پہلو پر کر لیتا ہے، تیسرا تیسرے پر۔ تو یہ اختلاف ہے اُس میں ترجیح ہوتی ہے اُس میں صحیح یا غلط نہیں ہوتا۔ اگر ایک پہلو پر عمل کرے تو وہ کہتا ہے وہ جو دوسرے پہلو پر عمل کر رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے لیکن یہ زیادہ بہتر ہے جو میں کر رہا ہوں۔ یہ اختلاف ہوتا ہے اور جب حد سے نکلتا ہے تو وہ اس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ فرمایا، اللہ پاک جانتے ہیں کہ تم میں اختلاف بھی ہے۔ ایک دوسرے کے مخالف بھی ہو، تم میں سے ایک فریق اللہ کی عظمت کا قائل ہے دوسرا اللہ کو ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ایک قیامت کا قائل ہے، دوسرا قیامت کو ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ایک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کا قائل ہے۔ دوسرا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ایک قرآن کو حق کہتا ہے دوسرا کہتا ہے ضرورت ہی نہیں: يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے فرمایا، مخالفت میں حق کے خلاف وہی جاتا ہے جو جانا چاہتا ہے۔ زبردستی کسی کو نہیں بھیجا جاتا چونکہ انسان کو فیصلے کا اللہ نے اختیار دیا ہے۔ جس کا غلط فیصلہ ہوتا ہے جو خود گرنا چاہتا ہے، وہی گرتا ہے۔ زبردستی کسی کو کفر میں پھینکا نہیں جاتا۔ فطری طور پر اللہ کسی کو یہ نہیں کہتا کہ تم کافر ہو جاؤ، اُسے ساری فطری استعداد دے کر اُس کے سامنے حق رکھتا ہے۔ پھر جو گرنا چاہتا ہے، وہ گر جاتا ہے: قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے۔ حق کے خلاف جو بھی دلیل دیتا ہے وہ محض اُس کی گھڑی ہوئی بات ہوتی ہے دلیل نہیں ہوتی اور اس طرح کی باتیں کرنے والے تباہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ اپنی بربادی کے خود سبب بن گئے: الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ⑪ جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ جو جہالت کی

تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ جنہوں نے ہدایت کے نور اور روشنی کو چھوڑ کر خود کو جہالت کے اندھیروں میں ڈال دیا ہے اور وہاں بھٹک رہے ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہتے ہیں: یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۲﴾ پوچھتے ہیں کہ روزِ جزا کب ہوگا؟ پھر آپ سے کہتے ہیں کہ اے نبیؐ! آپ قیامت کا ذکر تو کرتے ہیں کہاں ہے قیامت، کب قیامت ہوگی؟ اس رویے کو جہالت کہتے ہیں۔ جہالت یہ ہوتی ہے۔ جہالت کی تاریکیاں اور اندھیرے انسان کو یہاں لے جاتے ہیں۔ گھبراؤ نہیں، اللہ نے بتایا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا، اللہ کی کتاب نے بتایا جب یہ کہتے ہیں کہاں ہے قیامت؟ انہیں کہیے: یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اس دن جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔ جس دن تم دوزخ میں جھونکے جاؤ گے وہ قیامت ہوگی۔ یہ جو اعتراض کرتے ہیں ناں، قیامت کہاں ہے؟ کب ہوگی؟ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں فرمایے، جب تمہیں دوزخ میں پھینکا جائے گا وہ قیامت ہوگی اور کہا جائے گا: ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۔۔۔اپنی اس سزا کا مزا چکھو۔ جو دنیا میں تم نے فساد مچائے اور کفر پھیلایا اور گمراہی پھیلانے کا سبب بنے، آج اُس کا مزا چکھو۔

اس وعید میں ہر گمراہ شامل ہے۔ وہ بدعقیدہ، گمراہ پیر بھی جو دنیا میں گمراہی پھیلانے کا سبب بنے۔ کہا جائے گا تم لوگوں کو گمراہ کر کے خوش تھے، مزے کرتے تھے۔ تم لوگوں کے عقائد خراب کر کے اُن سے نذرانے بٹورتے تھے اور لوگوں سے پاؤں پر بوسے دلوا کے خوش ہوتے تھے اور اُنہیں غلط عقائد، غلط اعمال کی تلقین کرتے تھے۔ تم دین کے مقابلے میں کفر پھیلاتے تھے، سنت کے مقابلے میں بدعات کی ترویج کرتے تھے جو فتنے تم نے پیدا کیے آج اُس کا مزہ چکھو۔ آج پتا چلے گا کہ اُس کا ذائقہ کیا ہے۔

هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے یہ ہے جس کے لیے تم بڑے گھبراتے تھے کہ کہاں ہے دوزخ؟ لو یہ ہے دوزخ! جاؤ اب اس میں گھس جاؤ، اس میں داخل ہو جاؤ اور جا کر دیکھو۔ یہ وہی ہے جس کے لیے تم جلدی مچاتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلاتے تھے۔ آج یہ واقعتاً موجود ہے یہ وہی ہے جس سے بچانے کے لیے اللہ کے نبیؑ آتے رہے۔ نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے بچنے کی دعوت دی لیکن تم تمسخر ہی کرتے رہے! اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْۢبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ! اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے توبہ قبول فرمائے اور اپنے عذابوں اور دوزخ، دنیا کی گمراہی اور آخرت کی ذلت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

متقین کا انجامِ خیر:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ بے شک پرہیزگار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ ان کے پروردگار نے جو ان کو عطا کیا ہوگا

وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکو کار تھے۔ اُسی محشر کی گھڑی میں جب دارو گیر ہو رہی ہوگی اور کفار کو جہنم میں دھکیلا جا رہا ہوگا اور وہ بہت سخت وقت ہوگا۔ لرزاں و ترساں ہوں گے۔ اُسی وقت یقیناً وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں اللہ سے تعلق قائم رکھا، اللہ کی اطاعت کی۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کی، متقی وہ لوگ ہیں جو تعلق باللہ میں بال آنے سے ڈرتے ہیں۔ کوئی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس میں اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہو، اندیشہ ہو۔ انہیں باغوں اور چشموں میں بھیجا جا رہا ہوگا اور اللہ کے انعامات، جو اللہ نے اُن کے لیے رکھے ہیں وہ انہیں وصول کر رہے ہوں گے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے یعنی حیاتِ دنیا میں یہ لوگ مُحْسِنِیْنَ۔۔۔ تھے یعنی خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ دکھاوے کے لیے نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ لوگوں میں اپنی پارسائی کا چرچا کرنے کے لیے نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے اپنی پارسائی کا رعب جھاڑنے کے لیے تسبیحات نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ خلوصِ دل سے کرتے تھے۔

احسان اور محسنین:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم احسان کیا ہے؟ فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مسلم) اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے تُو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ تیری کیفیت یہ ہو، اسے استحضار کہتے ہیں۔ دل میں وہ حضوری حاصل ہو کہ جیسے تو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے یعنی خلوص سے احتیاط سے، ایک ایک رکن ادا کرے اور اگر یہ جرأت نہ ہو تو کم از کم یہ یقین کامل ہو کہ میرا اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ لوگ وہ تھے جو خلوصِ دل سے اللہ کے حضور حاضر ہو کر، اللہ کو حاضر ناظر جان کر اللہ کی عبادت کرتے تھے: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ یہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ راتوں کو، سوتے کم اور اللہ کی یاد میں وقت زیادہ بسر کرتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جس نے عشا کی نماز باجماعت پڑھی اور اُٹھ کر فجر کی نماز میں باجماعت شامل ہو گیا تو گویا وہ ساری رات نماز میں رہا، عنداللہ اُسے یہ اجر ملتا ہے کہ ساری رات سجدے میں ہی رہا۔ اس کے علاوہ رات کی نماز ادا کرتے ہیں، تہجد ادا کرتے ہیں، راتوں کو تلاوت کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں سوتے ہیں، اللہ کی یاد میں اُٹھتے ہیں: وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور آخر شب میں بخشش مانگا کرتے تھے۔ اور سحری کو اُٹھ کر پھر اللہ سے بخشش مانگا کرتے تھے، توبہ کیا کرتے تھے۔ یعنی راتوں کی عبادتوں پر اور عبادات پر نازاں نہیں ہوتے تھے۔ سحری اُٹھتے تو پھر توبہ کرتے۔ جو لوگ حق شناس ہیں، جنہیں حقیقت سے آگاہی نصیب ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بارگاہ کتنی عالی ہے اور ہماری عبادت ہمارے سجدے، ہمارے رکوع،

ہماری تسبیحات، ہمارے اذکار اُس کے قابل بھی ہیں! جہاں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اذکار اور تسبیحات اور سجدے ہیں۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادات ہیں، میری اور آپ کی عبادت کس لائق ہے؟ تو عبادت پر نازاں نہیں ہوتے، خود کو پارسا نہیں سمجھنے لگ جاتے بلکہ علی الصبح اُٹھ کر پھر بخشش مانگتے ہیں، توبہ کرتے ہیں: وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۱۹﴾ اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں (دونوں کا) حق تھا۔ اللہ دولت دیتا ہے تو وہ مساکین اور سائلین کا حق ادا کرتے ہیں۔ فرض صدقات بھی دیتے ہیں اور جو محروم ہیں غریب ہیں، فقیر ہیں، مانگتے نہیں ہیں۔ جن کے پاس دولت نہیں ہے لیکن وہ مانگتے نہیں، اُن کی مدد بھی کرتے ہیں، سائل تو وہ ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ مانگتے بھی ہیں، سوال کرتے ہیں۔ اُن کی بھی مدد کرتے ہیں اور جو لوگ سوال نہیں کرتے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مالی طور پر محتاج ہوتے ہیں لیکن وہ سوال کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ فرمایا، اُن کی مدد بھی کرتے ہیں۔ وَفِي الۡاَرۡضِ اٰيٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِيۡنَ ﴿۲۰﴾ اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور یقین کرنے والوں کے لیے سارے اس ارضی نظام میں جس کی بات اب تک ہو چکی کہ کیسے ہوائیں تباہی بھی لاتی ہیں اور کیسے ہوائیں آبادی کا سبب اور بارش کے لانے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ کس طرح نظامِ قدرت میں وہی چیز زندگی کا سبب بھی ہے، موت کا سبب بھی ہے۔ جیسے ہر چیز کی حیات پانی پر منحصر ہے: وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ (الانبیاء:30) لیکن پانی میں ہی غرق ہو کر قومیں تباہ بھی ہوئیں تو یہ سب کچھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کا نظام انصاف پر مبنی ہے۔ جب دنیا کا سارا نظام حق و انصاف پر مبنی ہے تو آخرت کو کیسے انصاف نہیں ہوگا؟ نظامِ آخرت بھی سارا عدل پر اور انصاف پر مبنی ہے اور روئے زمین دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ کس طرح کھیتیاں اُگتی ہیں، کس طرح ذرّاتِ خاکی مختلف اجناس میں تبدیل ہوتے ہیں، کس طرح مختلف ایٹم مل کر مختلف دھاتیں بنتی ہیں۔ وہی ایٹم ہیں زمین میں ایک ترتیب سے ملتے ہیں، سونا بن جاتا ہے۔ دوسری ترتیب سے ملتے ہیں لوہا بنتا ہے۔ ہر چیز ایک ترتیب سے ملتی ہے تو ایک جڑی بوٹی بنتی ہے۔ دوسری سے ملتی ہے دوسری بن جاتی ہے اور بے شمار چیزیں اُسی سے ترتیب پا رہی ہیں۔ یہ قدرتِ الٰہی پر دلیلیں ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے!

وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اور خود تمہاری ذات میں بھی۔ تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ تمہارے اپنے اندر عظمتِ الٰہی کے دلائل ہیں۔ تم دیکھتے نہیں ہو؟ کبھی تم نے سوچا کہ تمہارے اعضا و جوارح کی موزونیت۔ پھر کس طرح خاکی ذرّات اور ایٹم سے سیل بنے۔ اُن سیلوں سے غذا، دوا بنی۔ اُن دواؤں، غذاؤں سے ایک مادّہ بنا۔ اُس مادّے کے ایک جرثومے سے، ایک قطرہ بنا مادّے میں کئی لاکھ جرثومے ہو سکتے ہیں۔ ایک جرثومے سے ایک انسان بنا

کتنی خوبصورت تخلیق بنی۔ اُس کے اعضاو جوارح، اُس کا نظامِ حیات، پھر اُس کی آنکھیں، بینائی، کان شنوائی، زبان گویائی، علم پھر اتنا بڑا ذخیرہ دماغ کا! یہ صرف اُسی ایک جرثومے سے بنا، پھر مختلف ایٹم آ کر اُس سے غذا، دوا کی صورت میں ملتے رہے۔ جو قادر دنیا میں تمہارے وجود میں یہ سب کچھ کر رہا ہے، وہ مرنے کے بعد ذرّات کو اکٹھا نہیں کرلے گا؟ تمہارے اپنے اندر عظمتِ الٰہی کی دلیلیں موجود نہیں ہیں؟ موجود ہیں۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴿۲۲﴾ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ (قیامت کا) کیا جاتا ہے (اس کا معین وقت) آسمان میں ہے (اللہ کے پاس) رزق سے مراد ہے ہر وہ نعمت جو اللہ سے پہنچتی ہے۔ وجود کی تعمیر رزقِ الٰہی ہے۔ حیات روح، اُس میں ملانا رزقِ الٰہی ہے۔ علم رزقِ الٰہی ہے۔ طاقت رزقِ الٰہی ہے۔ اقتدار اللہ کی طرف سے رزق ہے۔ روزمرہ کی غذا خوراک، یہ سب رزق ہے۔ مال و دولت یہ سب رزق ہے یہ سارے فیصلے آسمانوں میں ہوتے ہیں جو کچھ تمہیں ملتا ہے، جو کچھ تم پاتے ہو، یہ سب فیصلے آسمانوں میں ہوتے ہیں اور جن چیزوں کا تم سے وعدہ ہے، سب وہاں طے ہوتا ہے۔ آسمانوں میں، جس طرح ممالک کا ایک سیکرٹریٹ ہوتا ہے۔ ہر ملک کا ایک Secretariat ہوتا ہے۔ اُس میں مختلف وزارتیں ہوتی ہیں، پھر وزیراعظم ہوتا ہے۔ پھر ملکی سربراہ ہوتے ہیں۔ جنگ امن، نرخ کیا ہوں گے۔ پٹرول کتنا ہوگا، ڈیزل کیا ہوگا، کھانا لوگوں کو کیسے ملے گا۔ ملازمتیں کیا ہوں گی؟ کس کی کیا تنخواہ؟ جرم کی کیا سزا ہوگی؟ یہ سارے فیصلے اُس سیکریٹریٹ میں طے ہوتے ہیں۔ تمہارا عالمِ انسانیت کا سیکریٹریٹ بھی آسمانوں میں ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے تو جب دعا کرنی ہے تو آسمانوں کی طرف ہاتھ کیوں اُٹھائے جاتے ہیں؟ تو فرماتے تھے، اس لیے کہ سیکریٹریٹ آسمانوں میں ہے۔ فیصلے وہاں ہوتے ہیں اور وہیں سے آکر نافذ ہوتے ہیں۔ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴿۲۳﴾ پس آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! بے شک یہ سچ ہے (ایسے) جیسے تم باتیں کرتے ہو۔

اُس خالقِ کل کی قسم! اُس ربّ کی قسم! جو آسمانوں اور زمینوں سب کا پروردگار ہے۔ اُن کے بنانے والا، اُن کو قائم رکھنے والا، اُن کو چلانے والا، زمین کو بنانے والا، اس پر مخلوق پیدا کرنے والا، اُس کے نظام کو قائم رکھنے والا، وہ واحد و لاشریک ہے اور اُس کی عظمت اس بات پر گواہ ہے کہ یہ جو کچھ تمہیں بتایا جا رہا ہے قیامت ہوگی، آخرت ہوگی، حساب کتاب ہوگا، جنت ہوگی، دوزخ ہوگی۔ میدانِ حشر میں جنتی بھی ہوں گے اور دوزخی بھی ہوں گے۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴿۲۳﴾ یہ ایسی حقیقت ہے جیسے تم خود بات کرتے ہو اور تمہیں اپنی بات پر یقین ہوتا ہے کہ میں نے بات کی ہے: مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴿۲۳﴾ جیسے تم بات کرتے ہو تو تمہیں کتنا یقین ہوتا ہے کہ میں نے یہ لفظ کہا ہے۔ یہ اُسی طرح یقینی، قطعی اور حق بات ہے۔

سورۃ الذّٰریٰت رکوع 2 آیات 24 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا
سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ
سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا
لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ
وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے؟ ﴿۲۴﴾ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا کہ انجان لوگ لگتے ہیں ﴿۲۵﴾ پھر اپنے گھر کی طرف (اندر) گئے اور ایک موٹا بچھڑا (تلا ہوا) لائے ﴿۲۶﴾ پس وہ ان کے سامنے رکھا (اور) فرمایا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ ﴿۲۷﴾ تو ان سے دل میں خوفزدہ ہوئے انہوں نے عرض کیا مت ڈریے اور ان کو ایک بڑے علم والے فرزند کی بشارت دی ﴿۲۸﴾ اتنے میں ان کی بی بی بولتی ہوئی آئیں پھر (حیرت سے) ماتھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (اوّل تو) بڑھیا (اور پھر) بانجھ! ﴿۲۹﴾ (فرشتے) کہنے لگے آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے حکمت والے جاننے والے ہیں ﴿۳۰﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۴﴾ کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے؟ یعنی اللہ کریم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سناتے ہیں۔ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا کہ انجان لوگ لگتے ہیں۔ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ ﴿۲۶﴾ پھر اپنے گھر کی طرف (اندر) گئے اور ایک موٹا بچھڑا (تلا ہوا) لائے۔ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيۡهِمۡ قَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ پس وہ ان کے سامنے رکھا (اور) فرمایا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ۔۔۔تو ان سے دل میں خوفزدہ ہوئے۔

سارے علوم اللہ کے ہیں:

جب فرشتے انسانی شکل میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپؑ انہیں نہیں پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں یا انسان! سارے علوم اللہ کے ہیں۔ فرشتے آئیں اور اللہ کا نبیؑ نہ پہچانے۔ نبی و رسول علیہم السلام بھی وہ جو آپؐ الانبیاء ہیں۔ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے امین بھی ہیں! لیکن حق یہ ہے کہ علوم اللہ کے ہیں۔ جب چاہیں، جتنا چاہیں کسی کو عطا فرما دیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کوئی مہمان آئے ہیں۔ فرشتوں نے آ کر سلام کیا۔ آپؑ نے بہت تپاک سے وعلیکم السلام کہا، استقبال کیا اور فرمایا، میں نے پہلے آپ کو نہیں دیکھا، میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔ بڑی عزت سے انہیں بٹھا کر خود اہلِ خانہ کے پاس تشریف لے گئے اور ایک سالم بچھڑا تل کر لے آئے۔ یہ اس زمانے کی اعلیٰ میزبانی تھی۔ عرب میں آج بھی رائج ہے۔

یہاں یہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے کہ مہمان آ جائیں تو حسبِ توفیق، خوش دلی سے ان کی مدارت کریں۔ مہمان کو بوجھ نہ سمجھیں۔ اللہ کی رضا کے لیے میزبانی کریں۔ اپنے وسائل کے مطابق کریں اور خوش دلی سے پیش آئیں۔

آپؑ نے وہ بچھڑا پیش کیا کہ تناول فرمائیں۔ وہ تو فرشتے تھے۔ انہوں نے کیا کھانا تھا۔ جب آپؑ نے دیکھا تو فرمایا، آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اور آپؑ کو خوف محسوس ہوا کہ یہ کہیں کوئی دشمن تو نہیں! عرب میں رواج تھا کہ دشمن کے ہاں سے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ آپؑ کو کچھ خوف محسوس ہوا کہ میں تو ان کو جانتا بھی نہیں، ان کی میرے ساتھ کیا دشمنی ہے؟ اگر یہ دشمن ہیں تو یہ میرے گھر آ گئے؟ فرشتوں نے جو انسانی شکل میں تھے عرض کی: قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ انہوں نے عرض کیا مت ڈریے اور ان کو ایک بڑے علم والے فرزند کی بشارت دی۔
فرشتوں نے عرض کیا، اے اللہ کے خلیل! ہم فرشتے ہیں۔ آپؑ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپؑ کو ایسے بیٹے کی بشارت دیں جو علومِ نبوت سے سرفراز ہوگا۔ ہم آپؑ کو بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو علم والے ہوں گے۔
فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اتنے میں ان کی بی بی بولتی ہوئی آئیں پھر (حیرت سے) ماتھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (اوّل تو) بڑھیا (اور پھر) بانجھ!

آپؑ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں تو چونکہ فرشتوں سے پردہ نہیں تو آپ پاک بی بی باہر آگئیں۔ حیرت کے سبب اپنا ہاتھ ماتھے پر رکھ کر کہا اب تو میں ویسے ہی ضعیف العمر ہو چکی ہوں۔ جوانی سے بانجھ ہوں تو ہماری اولاد کیسے ہوگی؟ مفسرین کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک سو برس اور بی بی سارہ کی عمر (99) ننانوے سال تھی۔

فرشتوں نے کہا: قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾ (فرشتے) کہنے لگے آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے حکمت والے جاننے والے ہیں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسا ہی ہوتا ہے جب ربّ چاہتا ہے۔ اسے اسباب کی ضرورت نہیں وہ مسبب الاسباب ہے۔ آپ کے پروردگار نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ آپ کو یہ خوش خبری دے دیں۔ وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اب کیا کرنا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ نے ضعفِ پیری میں اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود ایک بیٹے کی خوش خبری دی جو علم والے ہوں گے۔ علوم کا مخزن انبیاؑ ہوتے ہیں باقی مخلوق خوشہ چین ہوتی ہے۔ علم نام ہی ان حقائق کے دل پر وارد ہونے کا ہے جو نبیؑ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ علم وہ حقیقتیں ہیں جو دل میں پیوست ہوتی ہیں۔ یقیناً اللہ کے سارے فیصلے حکمت اور دانائی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

پارہ چھبیس (26) مکمل ہوا۔ سورۃ الذّٰریٰت جاری ہے۔